الحقوق والفرائض
مؤلفہ، شمس العلماء مولوی (ڈپٹی) نذیر احمد صاحب
تاج کمپنی لمیٹڈ، پوسٹ بکس ۵۳۰ کراچی
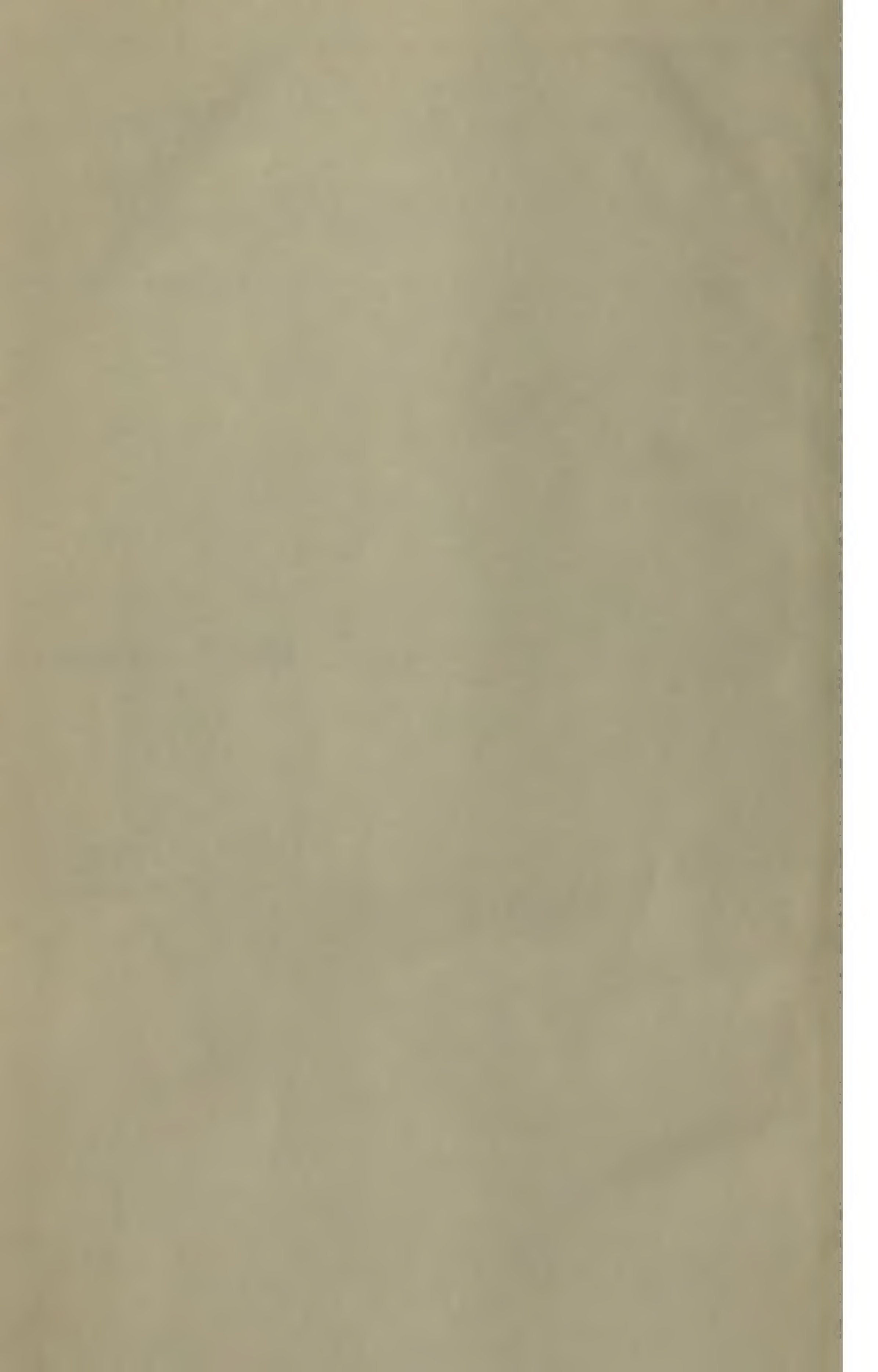
إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى
وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝

خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔
اور بیحیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم
یاد رکھو۔ (پ ۱۴ النحل ع ۹)

الحقوق والفرائض

مؤلفہ
شمس العلماء ڈاکٹر مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی
ایل، ایل، ڈی۔ ڈی، او، ایل

ناشران
تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰی وَصَامَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ الَّذِیْنَ اقْتَدَوْ بِھُدٰہُ

کسی نے کیا اچھی تُلی ہوئی باون تولے پاؤ رتی بات کہی ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے اپنے آپ کو پہچانا، تو اس نے اپنے پروردگار ہی کو پہچانا) یعنی اپنے نفس کی معرفت خدا کی معرفت کی دلیل ہے۔ بعینہ یہی خیال ایک شاعر نے اس طرح پر ظاہر کیا ہے کہ ؎

پہنچا میں آپ کو، تو میں پہنچا خدا کے تئیں ○ معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

اس بات کا پتہ قرآن سے بھی لگتا ہے جہاں فرماتے ہیں وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اور (لوگو!) یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں (خدا کی قدرت کی) بہتیری ہی نشانیاں ہیں، اور خود تم میں بھی۔ تو کیا تم کو سوجھ نہیں پڑتا؟ پس سب سے بڑی اور مُقدم بات یہ ہے کہ آدمی اپنے تئیں پہچانے کہ میں کون ہوں، اور کس لئے دُنیا میں آیا ہوں۔ دُنیا میں ہزاروں لاکھوں قسم کی مخلوقات ہے، وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ اور (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کے لشکروں کو (پورا پورا جاننا) کوئی اُسکے سوا نہیں جانتا۔ اور ان مخلوقات میں سے ایک مخلوق انسان ضعیف البنیان بھی ہے۔ انسان کو ضعیف البنیان اسلئے کہا کہ تن و توش اور توانائی میں ہاتھی، گھوڑے، بیل، بھینس، شیر، چیتے کہیں اس سے بڑھ کر ہیں۔ نازک ایسا کہ گرمی سردی برداشت نہیں ٹھیس کی سہار نہیں۔ درماندگی کا یہ حال کہ نہ پرندوں کے سے پر ہیں کہ اُن کے ذریعے سے جہاں چاہے اُڑ کر جا بیٹھے۔ نہ درندوں کے سے ناخن یا دانت کہ ہتھیاروں کا کام دیں۔ نہ بھیڑ بکری کی

اُون کر میندہ لونڈی اور جاڑے سے بچا سکے۔ مگر سارے ساز و سامان ایک طرف، اور اسکی ایک عقل ایک طرف، جس کے بل پر آدمی بندہ ہو کر رُوئے زمین پر ایک طرح کی خدائی کر رہا ہے۔ قطعہ

خاک کے پتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہی شور ○ فرش سے لے عرش تک کر رہا ہی اپنا زور
سینے میں قُلزم کو لے قطرے کا قطرہ رہا ○ بل بے سمائی تری، اُف رے سمندر کے چور

زمین پر جو رونق اور چہل پہل دیکھتے ہو سب اُسی کے دم سے ہے، اور اُسی آدمی کے دم کے لئے ہے۔ اُسی نے شہر بسائے، اُسی نے باغ لگائے، اُسی نے سمندر میں جہاز چلائے، اُسی نے دریاؤں پر پُل بنائے۔ ہم تو جمادات، نباتات، حیوانات میں سے کسی کو نہیں دیکھتے جسے کسی نہ کسی شان سے آدمی نے اپنے بس میں نہ کیا ہو۔ چاند، سُورج، ستاروں کا کچھ نہ کر سکا تو یہیں زمین پر بیٹھے بیٹھے دُوربین کے ذریعے بہت کچھ حال معلوم کر لیا کہ کتنی دُور ہیں، کتنے بڑے ہیں، کس مادے کے بنے ہیں، کیسے اُن کے موسم ہیں، آباد ہیں تو کس قسم اور مزاج کے جاندار اُن میں بستے ہیں، کتنی تیزی سے دَورہ کرتے ہیں، اُن کی رفتار کا حساب ایسا درست لگایا کہ سینکڑوں ہزاروں برس پہلے پیشین گوئی کی جا سکتی ہے کہ فلاں ستارہ اب سے مثلاً سو یا دو سو یا ہزار برس بعد کس مقام پر ہوگا۔ نجومی سُورج گہن، چاند گہن کو برسوں پہلے معلوم کر لیتے ہیں کیا مجال کہ ایک لمحہ کا پس و پیش ہو جائے۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (اور آفتاب رہے کہ اپنے) ایک ٹھکانے کی طرف کو چلا جا رہا ہے۔ یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے، جو زبردست (اور ہر چیز سے) آگاہ ہے) اور پھر یہ کہ گہن کتنا ہوگا، کتنی دیر رہے گا، کہاں دکھائی دے گا اور کہاں نہیں۔ اور ابھی تک بھی آدمی نے اجرامِ فلکی کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ دیکھئے آخر کو یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

غرض یہ ہیں حضرتِ انسان کے نہایت مختصر حالات، مُشتے نمونہ از خروارے۔ اتنا سوچے سمجھے پیچھے آدمی کو ضرور خیال آتا ہے کہ میں سب کچھ تو کرتا ہوں اور کر سکتا ہوں، مگر من آنم کہ من دانم۔ دُنیا کا مالک کوئی اور ہے۔ بیش برین نیست کہ میں بھی مہمان داخل اس میں آ اُترا ہوں۔ دُنیا کی چیزوں

میں ایک حد تک تصرف کر سکتا ہوں، مگر ایک بھنگا پیدا کرنا چاہوں تو نہیں کر سکتا مینھ کا برسنا، ہُوا پچھوا کا چلنا، رات دن کا گھٹنا بڑھنا، چاند سورج ستاروں کا ایک معمول سے طلوع و غروب ہونا دُنیا میں ایسے بے شمار واقعات ہیں جن میں میرا کچھ بھی دخل نہیں اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ اِس قسم کے خیالات آدمی کو خدا شناسی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور وہ بے دیکھے بہ تقاضائے عقل خدا پر ایمان لاتا یعنی اسکو مانتا اور اس کے ہونے کا یقین کرتا ہے۔ اور یُوں مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی تصدیق ہوتی ہے مگر یقین یقین میں فرق ہے۔ ایک یقین آگ کے جلانے کا ہے۔ ایک یقین ایک دن مرنے کا ہے، ایک یقین آج کو کل اور کل سو پرسوں کے ہونے کا ہے، ایک یقین ان شہروں کا ہے جہاں ہم نہیں گئے، ایک یقین واقعاتِ گزشتہ کا ہے۔ چاہیئے کہ خدا کے ہونے کا یقین سب یقینوں سے بڑھ کر ہو کیونکہ یہ یقین دین و مذہب کا اصل الاصول ہے جتنا سوچو، جتنا خیال کرو، اتنا ہی یہ یقین پکا ہوجاتا ہے یہاں تک کہ ہر وقت، ہر جگہ، ہر چیز میں گویا خدا دکھائی دینے لگتا ہے۔ مگر یہ مقام ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ رہی یہ بات کہ آدمی کیوں اور کس غرض سے پیدا کیا گیا ہے، یہ تو پیدا کرنے والے ہی سے پوچھا جائے کیونکہ ع

تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں

سو خدا کے کلام سے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خدا نے فرشتوں پر آدم کے پیدا کرنے کا ارادہ اس طرح ظاہر فرمایا تھا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (میں زمین میں اپنا نائب بنانے کو ہوں) اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ خدا نے آدمی کو آدمی ہونے میں مرد عورت دونوں برابر، جیسے آدمی مرد،

ـه بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، اور رات اور دن کی آمد و شد، اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں (یعنی مالِ تجارت) سمندر میں لیکر چلتے ہیں اور مینہ میں جس کو اللہ آسمان سے برساتا پھر اسکے ذریعے سے زمین کو اسکے مرے (یعنی افتادہ) ہوئے پیچھے پھر زندہ (یعنی شاداب) کر دیتا اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے رادھر سے ادھر اور اُدھر سے ادھر) پھیرنے میں، اور بادلوں میں جو (خدا کے حکم سے) آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں (غرض ان سب چیزوں) میں ان لوگوں کیلئے جو عقل رکھتے ہیں (قدرتِ خدا کی بہتیری) نشانیاں موجود ہیں۔

ویسے ہی آدمی عورتیں۔ غرض خدا نے آدمی کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ زمین میں خدا کا خلیفہ ہو کر رہے۔ اب خلیفہ کے معنی معلوم کرنے چاہئیں، سو قرآن ہی سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آدمی اِس معنی کر خدا کا خلیفہ ہے کہ مثال کے طور پر ایک گاؤں سمجھو، اکیلے خدا کو در و بست سارے گاؤں کا مالک، آدمی کارِندہ، جس کا فرضِ خدمت یہ ہے کہ زمین کو آباد کرے، محاصل کو بڑھائے، گاؤں میں کسی طرح کی بدنظمی نہ ہونے دے جن کا پیشہ زمینداری ہے وہ تو اس مثال کی یقیناً قدر کریں گے اور آسانی سے سمجھ لیں گے کہ آدمی کو دنیا میں کیونکر رہنا اور کیا کرنا ہے۔ مگر دوسرے لوگوں کو ہم اور ہی طرح سمجھانا چاہتے ہیں، اور وہ طرح یہ ہے کہ آدمی ایک خاص طرح کی مخلوق ہے، کثیر العلائق۔ اُس کی بناوٹ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ آرائش اور آسائش نہ بھی سہی، زندگی کی سیدھی سادی ضرورتیں بھی اپنے بہت سے ہم جنسوں کی مدد کے بدون بہم نہیں پہنچا سکتا۔ ایک ظریف کا مقولہ ہے کہ جینا تو جینا، مرنا بھی بے دوسروں کی مدد کے نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لئے آدمی تھوڑے تھوڑے بہت بہت جمع ہو کر قصبوں اور شہروں میں بستے ہیں[1] تاکہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور کرتے ہیں۔ موچی جوتا بناتا، جولاہا کپڑا بُنتا، درزی سیتا اور اسی طرح ع ہر کسے را بہرِ کارے ساختند

جو جس کام میں لگا ہے ابنائے جنس کی کوئی نہ کوئی خدمت کر رہا ہے۔ اور اس اعتبار سے ہر فرد بشر خادم بھی ہے، اور مخدوم بھی ہے۔ مگر چونکہ سب کو جینا ہے ع شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن اور جینا ہے تو جینے کے ساتھ ضرورتیں اور حاجتیں بھی سبھی کے پیچھے لگی ہیں، اور چونکہ سارے آدم زاد ایک ہی طرح کی مخلوق ہیں ضرورتیں اور حاجتیں بھی سب کی قریب قریب ایک ہی طرح کی ہیں۔ تو اکثر ضرورتوں اور حاجتوں کی کشمکش میں آدمی آپس میں لڑنے جھگڑنے بھی لگتے ہیں، اور لڑائی جھگڑا بھی تُو تُو مَیں مَیں تک ہو تو خیر، باتوں باتوں میں خون خرابے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

---

[1] اسی کا نام ہے تمدن۔ آدمی کو محتاجِ تمدن دیکھ کر مجرموں کی سزاؤں میں سے ایک سزا نفی عن البلد دیس نکالا قرار پائی۔ مجرم جو سمندر پار کالے پانی بھیج دیئے جاتے ہیں، یہ بھی نفی عن البلد کی ایک شان ہے۔ علیٰ ہذا القیاس برادری سے خارج کر کے حقہ پانی بند کر دینا جو ہندوؤں میں اور خاص کر نیچ قوموں میں ابھی تک بکثرت شائع ہے۔ ابتدائے اسلام میں کفار قریش نے ایسی ہی سزا جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل مندوں کو بھی دی تھی کہ ان کے ساتھ شادی، بیاہ، کھانا پینا موقوف کر دیا تھا۔

آخر بزرگوں نے دیکھا کہ یہی حالت رہی تو ایک دن یہ سب کٹ مرینگے اور آدم کی نسل معدوم ہو جائے گی۔ ناچار سلطنت کا دستور نکالا اور اپنے میں سے ایک کو سب کا سردھرا یعنی بادشاہ بنا کر اس کو یہ خدمت سپرد کی کہ اپنی رعایا میں کسی کو دوسرے کے حقوق میں دست اندازی نہ کرنے دے، اور لوگ امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کریں اور طوعاً و کرہاً سب اُس کا حکم مانیں۔ کچھ شک نہیں کہ اس انتظام سے زور و ظلم کا بہت کچھ انسداد ہوا۔ مگر اس انتظام میں کئی نقص بھی تھے اور ہیں جو امن کو جیسا چاہیئے قائم نہیں ہونے دیتے۔

اوّل تو وقت کا بادشاہ جو امن کا قائم رکھنے والا ہے، وہ بھی آدمیوں کا ایک آدمی ہے اور حرص اور طمع اور خود غرضی اور غصہ، کہ اکثر ایسی ہی باتوں سے فساد پیدا ہوتا ہے، یہ سب بلائیں اس پر بھی مسلط ہیں، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خود اسی کی ذات سے امن میں بڑے بڑے رخنے پڑ جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جو کہتے ہیں اکیلا سُور ما چنا بھاڑ کو تو نہیں پھوڑ سکتا۔ رعایا میں امن قائم رکھنے کیلئے بادشاہ کو چاہیئے اعوان و انصار یعنی عملے فعلے۔ اور پھر وہ بھی آدمی ہونگے اور اپنے اغراض کو دخل دیکر نئے نئے فساد کھڑے کرینگے، اور یہی کچھ کچہریوں اور عدالتوں میں ہو رہا ہے۔ غرض اس ظاہری سلطنت کے انتظام سے تو لوگوں میں کامل امن و امان کے قائم رکھنے کی توقع کرنی فضول ہے۔ ع

اُو خویشتن گم است، کرا رہبری کند؟

ہاں ہم منصف مزاج اور خدا ترس بادشاہوں نے بہتیرا کچھ کیا ہے اور اب بھی بہتیرا کچھ کر رہے ہیں؛ اور اس لئے وہ ہماری شکر گزاری کے مستحق ہیں۔ لیکن اصلی شکر تو اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ہے کہ وہ آدمی کے رگ و ریشہ سے بخوبی واقف تھا اور ہے [1] اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ اور خدا تو خدا، جب خدا نے خلقِ آدم کا ارادہ فرشتوں پر ظاہر کیا، تو فرشتوں نے آدم کا نام سنتے ہی بنی آدم کو مفسد اور خونریز بتایا [2] اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ غرض خدا تو خوب جانتا تھا

---

[1] بھلا (کہیں) ہو سکتا ہے کہ خدا جو پیدا کرے (وہی اپنی مخلوقات کے حال سے) ناواقف ہو، حالانکہ وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے؛

[2] کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بناتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے؛

کہ آدمی بڑا بدخو، جنگجو، خودسر، بے باک، اکھڑ، اکھل کھرا، غصیلا، طامع، حاسد جانور ہوگا۔
تو اُس نے ابتدا ہی سے پیغمبر بھیجنے شروع کئے۔ پیغمبر بھی آدمی ہی ہوتے آئے ہیں، مگر فساد کی باتیں جو
عام آدمیوں میں ہوتی ہیں پیغمبروں کی طبیعتوں میں نہیں ہوتیں۔ خدا وہ احکام جو امن کے قائم رکھنے کے لئے
ضروری اور مناسب ہوتے تھے وقتاً فوقتاً ان پیغمبروں پر نازل کرتا رہتا تھا۔ اصل میں یہ احکامِ الٰہی
امن کی بنیاد ہیں، اور حکامِ وقت کے آئین و قانون ان ہی احکام کی ادھوری نقل ہیں یا ان پر قیاس
کرکے بنا لئے جاتے ہیں۔ یوں تو آدمی کی پور پور میں شرارت بھری ہے، مگر جس طرح خاص خاص
موسموں، خاص خاص وقتوں میں خاص خاص بیماریوں کا زور ہوا کرتا ہے، اسی طرح ابتدائے آفرینش
سے لوگ مختلف زمانوں میں خاص خاص شرارتیں کرتے رہے ہیں جب جیسی شرارت کا رواج ہوا، اُسکی
روک تھام کے لئے پیغمبر آیا اور احکام نازل ہوئے۔ پیغمبروں کا ٹھیک شمار ہم کو نہیں بتایا گیا، مگر جو زیادہ
مشہور ہیں وہ قرآن میں مذکور ہیں۔ اسی طرح ہم کو نہیں معلوم کہ کس پیغمبر پر کیا احکام نازل ہوئے، اور
نہ وہ احکام تمام و کمال محفوظ ہیں۔ ہاں موسیٰ علیہ السلام کی تورات۔ داؤد علیہ السلام کی زبور، عیسیٰ علیہ السلام
کی انجیل اور ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن۔ یہ چار کتابیں زبان زد خلائق ہیں اور محفوظ ہیں
اور محفوظ سے ہماری یہ مراد ہے کہ موجود ہیں اور گم نہیں ہیں۔ ورنہ یہودی جو موسیٰ علیہ السلام کی اُمت
ہیں، عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی انجیل کو نہیں مانتے۔ یہودی اور عیسائی دونوں جناب نبی کریم
اور قرآن کے قائل نہیں۔ ہم مسلمان تورات، زبور، انجیل سب کو اس معنے کر مانتے ہیں کہ یہ سب
کتابیں خدا کی اُتاری ہوئی ہیں۔ مگر یہودیوں اور عیسائیوں نے براہِ نفسانیت تورات و انجیل میں
کہیں کہیں کچھ کا کچھ کر دیا جسکو تحریف کہتے ہیں غرض ہم مسلمانوں کے نزدیک حضرت رسولِ خدا صلعم
سب سے آخری پیغمبر ہیں، اور قرآن سب سے آخری آسمانی کتاب ہے، اور آگے کو خدا کی
طرف سے پیغمبروں کا آنا، کتابوں کا اُترنا، ہمیشہ کے لئے بند۔ ہم نے تو یوں سمجھا ہے کہ دُنیا مدرسہ
ہے، بنی آدم طلبہ، انبیاء علیہم السلام مدرس، خدا بہ تشبیہ ڈائرکٹر۔ ہمارے رسول صلعم

سے پہلے جو پیغمبر ہو گزرے، ابتدائی جماعتوں کو تعلیم دیتے تھے ہمارے پیغمبر صاحب مدرسِ اوّل ہیں اور اُنکی اُمّت منتہیوں کی جماعت۔ قرآن فنِ خلق میں انتہا کی کتاب ہے، ۔ اس کے بعد بنی آدم کو فنِ اخلاق میں کسی کتاب کے پڑھانے سکھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہیں رسولِ کریم کے خاتم الانبیاء۔ اور قرآن کے آخری آسمانی کتاب ہونے کے معنے۔ یعنی خدا کو جس رستے بندوں کو چلانا منظور ہے، وہ رستہ قرآن نے صاف صاف بتا دیا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ جو کچھ خدا نے قرآن میں فرمایا، بے چون و چرا اس کا کاربند ہو۔ ایسا کرنے سے وہ دنیا میں بھی امن و اطمینان کے ساتھ مرنج و مرنجان زندگی بسر کرے گا، اور مرے پیچھے خدا بھی اُس کے اچھے عملوں کا اچھا ہی بدلہ دیگا
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ[1] ۔

بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا انتظام حکام وقت کرتے ہیں، اور جرموں کا انسداد جتنا کچھ بھی ہے اُن کے قوانین کی وجہ سے ہے۔ کہ قانون کے ڈر سے کوئی کسی پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کرتا، اور کرتا ہے تو اُسکو زیادتی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ ہم کو بھی اس سے انکار نہیں۔ مگر ہمارا کہنا یہ ہے کہ ایک حد تک انتظام حکام وقت کا قانون کرتا ہے، اُسکے مقابلے میں کہیں بڑھکر زیادہ قانونِ الٰہی کرتا ہے جس کا دوسرا نام شریعت، یا دین، یا مذہب ہے، اس لئے کہ اوّل تو حکام وقت کا قانون نقل ہے قانونِ الٰہی کی، اور نقل بھی ہے تو ناقص و ناتمام۔ کجا حاکم وقت۔ اور کجا خدائے تعالیٰ۔

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

حاکم وقت کیسا ہی بیدار مغز اور با اقتدار ہو، پھر بھی بندۂ بشر ہے مُرَكَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ اور اس کا اختیار بھی محدود ہے[2] إِنَّمَا تَقْضِي هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا کیا آدمی کیا اُسکا قانون کیا ہستی

[1] خدا اُن سے خوش اور یہ اُس سے خوش۔ [2] تو دنیا کی اسی زندگی پر حکم چلا سکتا ہے۔ فرعون خود خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تو انہوں نے فرعون اور اُس کی قوم کو خدائے واحد کی طرف بلایا [illegible] حضرت موسیٰ کو جادوگر بتایا، اور اُنکے مقابلے کے لئے دور دور سے مشہور جادوگر جمع کئے۔ [illegible] جادوگر مغلوب ہوکر حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ یہ دیکھ کر فرعون نے جادوگروں کو [illegible] جادوگروں نے [illegible]

کیا بدی کا شعور یا دُوسری بات یہ ہے کہ جُرموں کا وقوع اِسطرح پر ہوتا ہے کہ مُجرم پہلے جُرم کا ارادہ کرتا ہے۔ پھر جس فعل کا ارادہ کرتا ہے اُسکو کر گزرتا ہے۔ تو ارادے تک حاکمِ دُنیا اُس کو کچھ نہیں کرسکتا۔ اسلئے کہ اُسکو لوگوں کے دِلی ارادے کا علم نہیں ہوسکتا۔ ہاں وُقوعِ جُرم کے بعد وہ اختیار رکھتا ہے کہ مُجرم کو سزا دے۔ بغرض جُرم کا ارادہ قانونِ دُنیا کی رُو سے جُرم نہیں لیکن قانونِ الٰہی میں جُرم کا ارادہ کرنا بھی جُرم ہے ف وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ اور ظاہر ہے کہ ارادہ اصل ہے۔ اور فعل اُس کی فرع۔ تو نتیجہ کیا نکلا کہ قانونِ الٰہی جُرموں کو جڑ سے اکھاڑتا ہے۔ اور حاکمِ وقت کا قانون جُرموں کی جڑ پر نظر نہیں کرتا۔ ٹہنیوں اور پتّوں کو کاٹتا چھانٹتا رہتا ہے بدی کی جڑ بدستور قائم ہے یا دُوسرے لفظوں میں یُوں سمجھو کہ قانونِ الٰہی باطن اور ظاہر دونوں کی اصلاح کرتا ہے۔ اور حاکمِ وقت کا قانون فقط ظاہر کی۔ حکامِ وقت کے قانون میں اِس کے سوا ایک نقص اور ہے کہ اُس قانون میں ثبوتِ جُرم کا مدار شہادت پر ہے۔ اور شہادت نہ ہو یا ہو اور کافی نہ ہو۔ تو مُجرم سزا سے بچ جاتا ہے۔ اور ایسی صورتیں ہر حاکم کے اجلاس میں روز پیش آتی رہتی ہیں۔ بخلاف اِس کے قانونِ الٰہی کا مُجرم سزا سے بچ ہی نہیں سکتا نفسِ لوّامہ کا مجسٹریٹ مُجرم کے دل میں بیٹھا ہوا اُس کو ندامت اور ملامت اور حسرت اور افسوس کی سزا دے رہا ہے، جس کی ایذا قید اور جرمانے اور تازیانے سے بڑھ کر ہے۔

غرض جو شخص شریفانہ زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ وہ تو بس اِس کے ہوئی نہیں کہ قرآن کو مضبوط پکڑے ہے۔ اُس کو اپنا دستورالعمل قرار دے۔ اور اُس کی ہدایتوں پر نظر رکھے۔

انسان کا کچھ دِل ہی سا مختصر حال تو ہم اُوپر لکھ چکے ہیں۔ اب ہم اِس کے تعلقات پر نظر کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ کثرتِ تعلقات کی وجہ سے وہ بے طرح شکنجے میں کسا ہوا ہے۔ اور

ف اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُسے ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے اُس کا حساب لے گا۔

اسی وجہ سے خدا نے اپنے کلام پاک میں اس کی نسبت فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ سچ کہا ہے ؏ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

نزدیکاں را بیش بود حیرانی۔ خدا نے آدمی کو اشرف المخلوقات اور اپنا خلیفہ یعنی کارندہ یا نائب بنا کر بڑی ذمہ داری اور جواب دہی اس پر عاید کر دی ہے[۲]۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ؎ آسماں بارِ امانت نہ توانست کشید

قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

وہی گاؤں اور زمیندار اور کارندے کی مثال پیش نظر رکھو تو خلیفۃ اللہ ہونے کی حیثیت سے آدمی کو دنیا بھر کی خبر رکھنی ہے تو کون رکھتا ہے اور کون رکھ سکتا ہے؟

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیرِ خویش ○ عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوارِ خداوندیش ○ کس نتواند کہ بجا آورد

لیکن اگر آدمی کے تعلقات کے دائرہ کو اتنا وسیع نہ بھی کریں تاہم اس کے معمولی تعلقات بھی کچھ کم نہیں۔ اور ان میں اکثر ایسے ہیں جو چار و ناچار رکھنے ہی پڑتے ہیں۔ ہر ایک تعلق کے ساتھ چند در چند ذمہ داریاں ہیں۔ ذمہ داری کا نام آیا تو ہم اس کے معنی سمجھانے کے لئے ایک تعلق کی مثال دیتے ہیں کہ مثلاً زید نے ہندہ سے نکاح کیا، تو نکاح کے تعلق سے زید کو ہندہ کا مہر دینا آیا۔ مہر ہندہ کا حق ہے اور اس کا ادا کرنا زید کا فرض۔ اور اسی پر دوسرے حقوق اور فرائض کو قیاس کر لو۔ انسان کے تعلقات کی رو سے حق دار بہت، اور سب کے حقوق کا ادا کرنے والا یہ ایک یعنی اوروں کے حقوق بہت، اسکے فرائض بہت۔ اس کتاب کو جس کو ہم

---

[۱] ہم نے آدمی کو ایسا مخلوق بنایا ہے (کہ ساری عمر) مصیبت میں رہے [۲] ہم نے ذمہ داری کو (جو انسان پر ہے) آسمانوں پر اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا اور یہ بوجھ ان پر رکھنا چاہا، تو انہوں نے زبان حال سے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور آدمی بے دھڑک یا اور تامل کے بے تامل اس کو اٹھا لیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے حق میں بڑا ہی ظالم (تھا) اور ظالم ہونے کے علاوہ بڑا ہی نادان (بھی) تھا۔

اس تمہید کے ساتھ پیش کرتے ہیں، ہم نے یہ کیا ہے کہ انسان کے تعلقات کو قرآن سے چن کر انسانی فرائض کو الگ الگ کر کے دکھایا ہے۔ ہر ایک فرض کا ایک عنوان ہے۔ عنوان کے تلے قرآن کی آیت ہے ترجمے سمیت۔ آیت کے بعد معتبر حدیث ہے جس کی ضرورت سمجھی گئی اور جہاں آیت نہیں، وہاں نری حدیث ہے۔ آیت اور حدیث کے ذیل میں کہیں کہیں ہم نے اپنی طرف سے بھی توضیح کے طور پر کچھ لکھ دیا ہے۔ اس کتاب کا نام تو فرائض انسانی ہے، اگر فرض سمجھ کر دیکھو تو، اور حقوق سمجھ کر دیکھو تو بات ایک ہی ہے۔ غرض زندگی کا دستور العمل ہے جامع، کہ جیسے جیسے معاملات آدمی کو دنیا میں پیش آتے ہیں، سب کے بارے میں حکم و ہدایت اس دستور العمل میں موجود ہے۔ چاہیے کہ ہر مسلمان جو اسلام کا دم بھرتا ہے اور اردو پڑھ سمجھ سکتا ہے، اس دستور العمل کا ایک نسخہ اس کے پاس ہو، اور ہر مسلمان کے پاس نہ ہو تو گیا گزرا ہر مسلمان خاندان میں تو ہو، ورنہ پھر نہ کہنا کہ ہم کو کسی نے سنایا سمجھایا نہیں، اور کہو گے تو سنے گا کون؟ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّۃٌ مِّنْھُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰہُ مُھْلِکُھُمْ اَوْ مُعَذِّبُھُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ۖ قَالُوْا مَعْذِرَۃً اِلٰی رَبِّکُمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ۝

خ: جب یہودیوں میں سے بعض لوگوں نے دوسرے لوگوں کو ... ہفتے کے دن شکار کرنے سے منع کرتے تھے، کہ جن نافرمانوں کو خدا ہلاک کرنا یا ان کو عذاب سخت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، تم ان کو کیوں نصیحت کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو تمہارے پروردگار کی جناب میں اپنا عذر ... کرنے کی غرض سے نصیحت کرتے ہیں، اور یہی خیال ہے کہ شاید ان کو بچا

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (البقرہ ع ۱۶ پارہ ۱)

اور یہود اور عیسائی مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ تو راہِ راست پر آ جاؤ۔ (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو نہیں، بلکہ ہم ابراہیم کے طریقے پر ہیں جو ایک (خدا) کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ (بقرع ۱۶ پارہ اول)

(مسلمانو! تم یہود و نصاریٰ کو یہ جواب دو کہ) ہم تو اللہ پر ایمان لائے ہیں اور (قرآن) جو ہم پر اترا ہے (اس پر) اور (صحیفے) جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب پر اترے (ان پر)، اور موسیٰ اور عیسیٰ کو جو (کتاب) ملی (اس پر) اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے پروردگار سے ملا (اس پر) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی ایک میں بھی کسی طرح کی جدائی نہیں سمجھتے۔ اور ہم اسی ایک خدا کے فرماں بردار ہیں ف

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ ۚ

ہمارے پیغمبر محمد اس کتاب کو مانتے ہیں جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر اتری ہے، اور پیغمبر کے ساتھ جو لوگ مسلمان ہیں وہ بھی، یہ سب کے سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے کہ سب پیغمبروں کا دین ایک ہے اور ہم خدا کے پیغمبروں میں سے کسی کو بھی جدا نہیں سمجھتے یعنی سب کو مانتے ہیں

ف یہود مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم راہِ راست پر ہیں ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ تب تم راہِ راست پر آ سکتے ہو۔ خدا نے مسلمانوں کی طرف سے ان کو جواب دیا کہ یہودیوں نے اصل دین یعنی توحید کو چھوڑ دیا ہے اور دین اور حقیقت وہی ہے جو سب پیغمبروں کا دین ابراہیم کا تھا، اور وہی دین موسیٰ و عیسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام کا تھا اور ہم سب کتب سماوی کو مانتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی کو مانتے ہوں اور کسی کو نہیں مانتے۔

وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ (بقرہ ع ۴۰ پارہ ۳)

اور بول اُٹھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے (تیرا ارشاد) سنا اور تسلیم کیا۔ اے ہمارے پروردگار بس تیری ہی مغفرت (درکار) ہے، اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ (النساء ع ۲۰ پارہ ۵) عہ

مسلمانو! اللہ پر ایمان لاؤ ف اور اُس کے رسول پر، اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (محمدؐ) پر اُتاری ہے۔ اور اُن کتابوں پر جو (قرآن سے) پہلے دُوسرے پیغمبروں پر (بھی) اُتاریں۔ اور جو شخص اللہ کا منکر ہوا، اور اس کے فرشتوں کا، اور اُس کی کتابوں کا، اور اسکے رسولوں کا، اور آخرت کے دن کا۔ تو وہ (راہِ راست سے) بڑی دُور بھٹک گیا۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرَىٰ عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ

حضرت عمرؓ بن الخطاب سے روایت ہے کہ ہم ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر تھے کہ دفعتاً ایک شخص جس کے کپڑے نہایت اُجلے اور سر کے بال سخت سیاہ تھے۔ (یعنی جوان عمر تھا) نمودار ہوا۔ اُس پر نہ تو سفر ہی کا کچھ اثر دیکھا جاتا تھا (اور ہم میں سے اُسے کوئی پہچانتا ہی نہ تھا) یہاں

ف۔ مسلمانوں سے یہ کہنا کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اُس کے رسول پر، اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول (محمدؐ) پر اُتاری ہے اور اُن کتابوں پر جو قرآن سے پہلے دُوسرے پیغمبروں پر اُتاریں، اسکے یہ معنی ہیں کہ اجمالی ایمان لا چکے ہو تو اب تفصیلی ایمان لاؤ۔ اب بھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی دائرہ اسلام میں آنا چاہتا ہے تو اسکو کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیتے ہیں، تو اُس کا یہ اجمالی ایمان ہے تفصیلی ایمان تو اسکو بعد میں حاصل ہوتا ہے۔ جوں جوں وہ احکامِ الٰہی سنتا جاتا ہے اُن کا یقین کرتا جاتا ہے۔ اس آیت میں اسی طرح کے نو مسلموں سے خطاب ہے، شاید یہ خطاب ہو کہ تم ابھی اسلام لے آئے ہو تو پھر تم سب بھی ایمان لاؤ تاکہ پکے مسلمان ہو۔

عہ۔ اس موضوع کی آیتیں قرآن مجید میں جستہ جستہ موجود ہیں ہم نے بخوف طوالت ان ہی چار آیتوں پر بس کی، بلکہ [illegible] جو آیتیں [illegible] ہم نے [illegible] قرآن [illegible] اور بھی چند آیتیں [illegible]

۱۔ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ [illegible] (آل عمران رکوع ۹)

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا [illegible] (النساء رکوع ۷)

۳۔ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ [illegible] (اعراف رکوع ۲۰)

۴۔ آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنزَلْنَا [illegible] وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّسُولُ [illegible] (حدید رکوع ۱)

مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰی جَلَسَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْنَدَ رُکْبَتَیْہِ اِلٰی رُکْبَتَیْہِ وَوَضَعَ کَفَّیْہِ عَلٰی فَخِذَیْہِ وَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَتُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ وَتُؤْتِیَ الزَّکٰوۃَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَہٗ یَسْاَلُہٗ وَیُصَدِّقُہٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ قَالَ صَدَقْتَ الخ (مسلم)

یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ بیٹھا اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ لئے، اور عرض کیا: "محمدؐ! مجھے بتاؤ اسلام کیا ہے؟" فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو خدا کے ایک معبود ہونے کی شہادت دے۔ نیز اس بات کی شہادت دے کہ محمدؐ اس کا بندہ ہے، اور اس کا رسول ہے۔ نماز پڑھا کرے۔ زکوٰۃ دیتا رہے۔ رمضان کے روزے رکھے۔ مقدور ہو تو کعبے کا حج کرے۔ اس نے کہا: آپ درست فرماتے ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس کی اس بات سے تعجب تھا کہ آپ ہی تو سوال کرتا ہے۔ مجھے بتایئے کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: تیرا خدا پر اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر، اور اس کے پیغمبروں پر اور روزِ قیامت پر ایمان لانا۔ اور تقدیر پر ایمان لانا کہ خدا تعالیٰ نے تمام چیزوں کی بھلی بُرائی ازل میں معلوم کر لی ہے۔ اور اس کا اندازہ کر لیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ نے سچ فرمایا۔

عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ یَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ وَیُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَیُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَیُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ (ترمذی صفحہ)

حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ مومن نہیں ہو سکتا جب تک چار باتوں پر ایمان نہ لائے۔ پہلے اس بات کی شہادت دے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں محمدؐ رسولِ خدا ہوں۔ خدا نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ دوسرے مرنے پر ایمان لائے۔ تیسرے مرنے کے پیچھے اٹھائے جانے پر ایمان لائے۔ چوتھے تقدیر کا یقین کرے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً وَّالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ (تیسیر الوصول منوء)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کچھ اوپر ستر، اور ایک روایت میں ہے کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں۔ اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

ان آیتوں اور حدیثوں میں اللہ اور انبیاء و مرسلین اور قرآن[1] اور صحفِ ابراہیم اور اسمعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اسباط یعنی اولادِ یعقوب اور توراتؔ اور انجیل عیسیٰ اور صحف دیگر اور ملائکہ اور روزِ آخرت اور تقدیر الٰہی اتنی چیزوں پر ایمان لانے کا حکم ہے ان میں سے ہر ایک پر ایمان لانے کی شان جدا گانہ ہے۔

ایمان باللہ۔ خدا پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہے، اور ہمیشہ کو رہے گا، وہ کسی سے نہیں پیدا ہوا، اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا یعنی نہ کوئی اس کا باپ، نہ کوئی اس کا بیٹا بیٹی سکارخانۂ عالم کا بنانے والا اور سنبھالنے والا وہی ہے اس کی ذات میں تمام صفاتِ کمال جو اس کے اسماء صفاتی سے ظاہر ہوتے ہیں موجود ہیں۔ اور جس طرح اس کی ذات ازلی ابدی ہے اس کی صفات بھی ازلی ابدی ہیں کارخانۂ عالم میں جو چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے تغیرات ہوتے ہیں وہ اسی کے علم اور ارادے اور قدرت سے ہوتے ہیں وہ ظاہر اور پوشیدہ سب کچھ جانتا ہے۔ اس کی کسی صفت میں کسی مخلوق کا ساجھا نہیں۔ وہ اپنی ذات سے اکیلا ہے۔ نیکی سے خوش اور بدی سے ناخوش ہوتا ہے۔ اس نے انسان کے دل کو بھلے برے کی تمیز کا احساس بخشا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا[1] اس احساس کے علاوہ وہ وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجتا رہا ہے کہ بندوں کو نیک و بد کی تمیز سکھاتے رہیں[2]

[1] اور نفس کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو ایسا درست بنایا، پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونوں) باتیں اس کو سمجھا دیں

[2] اے پیغمبر! ہم نے تمہاری طرف (اسی طرح) وحی بھیجی ہے جس طرح ہم نے نوح اور ان پیغمبروں کی طرف، جو ان کے بعد ہوئے، وحی بھیجی تھی۔ اور جس طرح ابراہیم اور اسمعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی اور بہت سے پیغمبر ہیں، کتنے پیغمبر ہم بھیج چکے ہیں جن کا حال اس سے پہلے تم سے بیان کر چکے ہیں، اور کتنے پیغمبر ہیں جن کا حال ہم نے تم سے اب تک بیان نہیں کیا۔ اور اللہ نے موسیٰ سے باتیں بھی کیں۔ (یہ) سب پیغمبر نیکوں کو جنت کی خوشخبری دینے والے اور بدوں کو عذاب خدا سے ڈرانے والے تھے، تاکہ پیغمبروں کے آئے پیچھے لوگوں کو خدا پر کسی طرح کا الزام رکھنے کا موقع باقی نہ رہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ف یعنی نفس بیشک برے اور بھلے کو نہ مانے، ورنہ خدا نے اس کا دل ہی اس طرح منصف بنا دیا ہے کہ وہ خود نیکی اور بدی میں فرق کرتا ہے۔

عہ صحیفہ منہ [illegible] کو کہتے ہیں ۲

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ○ وَرُسُلًا
قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا رُّسُلًا
مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا۔

اُس نے قیامت کی ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے، اور کسی کو اُس کے وقت کا علم نہیں جبکہ دُنیا کا تمام کارخانہ نیست و نابُود ہو جائے گا۔ اور بندوں کی نیکی بدی کا حساب کتاب ہو کر نیکوں کو جنّت میں جگہ دی جائے گی اور بدوں کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ اور یہ فیصلہ ابدالآباد کے لئے ہو گا۔ جو جہاں رہا سو رہا۔

اس عقیدے سے اُن لوگوں کے عقیدۂ فاسد کا بُطلان لازم آتا ہے جو تناسخ کے قائل ہیں کہ آدمی دُنیا ہی میں بار بار جنم لیتا ہے اور دُنیا ہی میں گناہوں کی سزا بھگت لیتا ہے۔ قیامت کے بعد جو ہستی ہو گی وہ جس طرح کی بھی ہو ابدی ہو گی۔ یہ تو ایمان باللہ ہے۔ مگر یہ بھی پوری تفصیل کے ساتھ نہیں ایمان بالانبیاء پیغمبروں کا حال یہ ہے کہ بعض کا مذکور قرآن مجید اور تورات اور دوسرے پیغمبروں کے صحیفوں میں ہے۔ مگر پیغمبروں کا انحصار ہم کو خدا نے نہیں بتایا۔ بلکہ قرآن میں ایک جگہ یہ بھی فرمایا ہے مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ[1] کہ پیغمبر دو قسم کے ہیں بعض کا مذکور ہم نے قرآن میں کیا ہے، اور بعض کا نہیں بھی کیا۔ بہر کیف پیغمبروں کے ساتھ ایمان لانے کی یہ شکل ہے کہ جو معلوم ہیں وہ، اور جو نہیں معلوم وہ، سب خدا کے بھیجے ہوئے ہیں اور دعوائے رسالت میں سچے ہیں۔ اُن کے مدارج خدا ہی کو معلوم ہیں ہم اپنی طرف سے کسی کو افضل یا مفضول نہیں کہہ سکتے۔ مخبر و پیغمبر کا ہونا ہی شرف بشر کے لئے کافی ہے۔ دُوسری بات پیغمبروں پر ایمان لانے کی یہ ہے کہ وہ بھی بندے ہیں مگر مقبول بندے اور بارگاہِ الٰہی کے مقرب۔ اُن کو خدا کے اختیارات میں کچھ بھی دخل

---

[1] ان میں کے بعض ایسے ہیں جنکے حالات ہم نے تم کو سنائے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تم کو نہیں سنائے

شفاعت کا ہے کہ سب پیغمبر آخرت میں اپنے اپنے اُمت کے گنہگاروں کی سفارش کرینگے، اور خدا سے عرض معروض کر کے اُنکے گناہ بخشوائیں گے۔ شفاعت کے معنی ہیں سفارش، اور لوگوں نے اِس کو دُنیا کی باتوں پر قیاس کر کے بڑا مغالطہ کھایا ہے۔ لیکن اگر شفاعت کو دُعا اور استغفار سمجھا جائے تو شفاعت کا مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ اور ہم کو اِس کا پتہ قرآن کی آیت[1] وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا سے ملتا ہے۔

اب ایک بات رسالت کے متعلق اور ہے کہ منصبِ رسالت متوارث نہیں۔ خدا تعالیٰ جسکو اِس امانت کے قابل سمجھتا ہے اُس کو منصبِ رسالت سے سرفراز فرماتا ہے[2] اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ بُت تراش تھے، اور ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات سے بڑے پکے موحد اور موحدوں کے پیشوا۔ نُوح علیہ السلام کا بیٹا اِنَّهُ[3] عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ہونے کی وجہ سے طوفان میں غرق کر دیا گیا۔ اور نوح علیہ السلام نے بتقاضائے شفقتِ پدری اُس کے حق میں دعا کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔ سوائے اِس کے کہ پیغمبروں پر وحی نازل ہوتی ہے اور وہ تبلیغ وحی میں کسی طرح کی خطا نہیں کر سکتے، باقی تمام خواصِ بشری اُن میں موجود ہوتے ہیں اور اِس سے اُن کی شانِ رسالت میں کسی طرح کا ضعف لازم نہیں آتا۔ الغرض رسالت ایک مرتبہ ہے بین العباد و بین اللہ۔ خدا سے فروتر اور تمام بندوں سے برتر، یہاں تک کہ فرشتوں سے بھی، کیونکہ فرشتوں کو خدا نے نقائصِ بشری سے محفوظ پیدا کیا ہے اور اُن کی طبائع میں تقاضائے بدی فطرتاً نہیں ہوتا۔ خواصِ بشری رکھ کر بدی پر غالب آنا تعریف کی بات ہے۔ فرشتوں کی معصومیت اضطراری ہے، نہ پیغمبروں کی طرح اختیاری۔

ایمان بالکتب ۔ تیسری چیز جس پر ایمان لانے کا حکم ہے کتابیں ہیں جو خدا نے پیغمبروں پر نازل

---

[1] اور اے پیغمبر جب ان لوگوں نے (تمہاری نافرمانی کر کے) اپنے اوپر آپ ظلم کیا تھا اگر اس وقت یہ لوگ تمہارے پاس آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور رسول (یعنی تم) بھی اُن کی معافی چاہتے تو یہ لوگ دیکھ لیتے کہ خدا بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

[2] خدا جس جگہ اپنی پیغمبری کی امانت سپرد کرتا ہے وہ اس جگہ کے مخصوص اور قابلِ اطمینان ہونے کو بھی خوب جانتا ہے۔

[3] اُس کے عمل اچھے نہیں۔

کی ہیں۔ بڑی کو کتاب اور چھوٹی کو صحیفہ کہتے ہیں، اور کبھی بڑائی اور چھوٹائی کا لحاظ نہیں بھی کیا جاتا۔
جس طرح خدا نے پیغمبروں کا شمار ہم کو نہیں بتایا، پیغمبروں کی کتابیں اور اُن کے صحیفے بھی محفوظ نہیں
یوں کہنے کو چار کتابیں بہت مشہور ہیں۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ توراۃ حضرت
موسیٰ علیہ السلام پر۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور آخر میں قرآن مجید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔
ہم مسلمان تو قرآن مجید کے ہوتے زبور اور توراۃ اور انجیل کی طرف التفات نہیں کرتے، اور
التفات کرنے کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ قرآن مجید ہمیشہ کے لئے تمام دینی و دنیاوی ضرورتوں کے لئے
کفایت کرتا ہے، مگر عیسائیوں اور یہودیوں نے تورات کو محفوظ رکھا ہے جس میں تورات زبور کے
علاوہ چند پیغمبروں کے صحیفے بھی شامل ہیں، مجموعے کو بائبل یعنی عہدِ عتیق کہتے ہیں، اور عہدِ عتیق کے
مقابلے میں انجیل کو عہدِ جدید۔ عہد کے معنی ہیں وہ معاہدہ جو خدا نے بندے کے ساتھ کیا، ممکن ہے
کہ عہدِ عتیق کے علاوہ کچھ صحیفے دوسرے پیغمبروں کے بھی ہوں جو عہدِ عتیق کے مجموعے میں شامل نہیں۔
ہم مسلمان جو عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کی پروا نہیں کرتے، اس کے یہی معنی ہیں کہ قرآن کے ہوتے ہم کو
اُن کتابوں کے پڑھنے اور اُن کے احکام پر عمل کرنے کی ضرورت باقی نہیں۔ اور قرآن کو جو ہم لوگ
پچھلی کتابوں کا ناسخ مانتے ہیں، وہ بھی یہی معنے رکھتا ہے۔ علاوہ بریں ان کتابوں میں تحریف بھی پائی گئی
ہے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبرِ آخر الزمان کی پیش گوئیاں براہِ عداوت نکال ڈالی گئی ہیں، اور
جو باقی رہ گئی ہیں اُن کے معنی ایسے کرتے ہیں جن سے پیشین گوئیوں کا مصداق کسی اور کو ٹھہراتے ہیں۔
با ایں ہمہ جو ہم مسلمانوں کو تمام پیغمبروں کی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، وہ ایمان بھی اجمالی
ایمان ہے یعنی یہ کہ زبور، تورات، انجیل اجمالی طور پر ویسی ہی الہامی کتابیں ہیں جیسے قرآن، نہ یہ کہ
اُن میں کہیں تحریف نہیں ہوئی۔ اور نہ یہ کہ اُن کے احکام اب واجب العمل ہیں۔ قرآن میں جہاں کہیں
اہلِ کتاب کا مذکور ہے اُن سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ سب سے پہلا دینِ الٰہی یہودیوں کا ہے پھر اُن
سے جدا ہو کر نصاریٰ ہوئے۔ یہودیوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو مانا اور نہ ہی اُن کی کتاب انجیل کو۔ پھر آخر

میں ہم مسلمان ہوئے۔ یہود اور نصاریٰ دونوں نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے
قرآن سے انکار کیا۔ اور ہم مسلمان ہیں کہ یہود اور نصاریٰ دونوں کے بزرگوں اور دونوں کی کتابوں کو
بھی مانتے ہیں، جیسے نصاریٰ تورات کو اور تمام پیغمبروں کو جو عہد عتیق میں ہیں۔ مگر توریت میں داؤد،
سلیمان اور لوط علیہ السلام کو پیغمبر نہیں کہا۔

ایمان بالملائکہ۔ اب لو فرشتے جن پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ یہ ایک جداگانہ مخلوق ہے
از قسم جنات۔ جو نیک ہیں وہ فرشتے کہلاتے ہیں اور بدوں کو جن کہتے ہیں۔ لوگوں کا مقولہ تو یہ ہے
کہ فرشتے نور سے بنے ہیں اور جنات آگ سے۔ اور دونوں جیسی شکل چاہتے ہیں اختیار کر لیتے ہیں۔
فرشتوں کی شکل و صورت کے بارے میں قرآن اتنا ہی بتاتا ہے کہ یہ ایک خاص طرح کی مخلوق ہیں اور
ان کے دو دو، تین تین، چار چار اور زیادہ بھی پر ہوتے ہیں۔ [1] اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ۔ اسلام سے
پہلے عرب کے ایک گروہ کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اس عقیدے پر قرآن میں کئی جگہ بڑی
سختی کے ساتھ اعتراض کیا گیا ہے۔ فرشتوں کے شمار کا بھی قرآن سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مگر حدیث
میں آیا ہے کہ ساتوں آسمانوں میں ایک چپہ بھر زمین نہیں جہاں فرشتہ سجدے میں پڑا ہوا خدا کی تسبیح
و تقدیس نہ کرتا ہو۔ یعنی فرشتوں کی یہ کثرت ہے۔ اقتباس دنیا فرشتے بارگاہِ الٰہی کے چوبدار اور حشم و خدم
کی طرح کے ہیں۔ ان میں سے بہتیروں کو انتظامِ دنیا کی خدمتیں سپرد ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو ہمہ وقت
مصروفِ عبادت رہتے ہیں۔ بلکہ نیک بندوں کے لئے طلبِ مغفرت کرتے رہتے ہیں۔ [2] وَالْمَلٰٓئِكَةُ
یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ۔ قرآن سے صرف تین فرشتوں کا نام ملتا ہے۔
اوّل حضرت جبرئیل ؑ جن کا خطاب ہے امین۔ یہ حضرت نازلِ وحی ہیں اپنے پیغمبروں کے پاس حکمِ الٰہی

---

[1] سب طرح کی تعریف خدا ہی کو زیبا ہے جس نے [illegible] آسمان اور زمین کو [illegible] اسی نے فرشتوں کو رسول بنایا [illegible]
کے دو دو تین تین اور چار چار پر ہیں [illegible] مخلوقات کی بناوٹ میں [illegible] فرشتے [illegible]
[2] [illegible] کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس [illegible] زمین میں [illegible]

یہی لاتے رہتے ہیں یعنی اس سے کہ بدیہی ہے کہ پیغامِ الٰہی میں اپنی طرف سے کمی بیشی نہیں کر سکتے۔
پیغامِ الٰہی امانت ہے، اور یہ اسکے امانت دار۔ دوسرے حضرت میکائیل مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ
وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ یہ بندوں کے رزق پر مسلط ہیں یعنی جہاں
حکم ہوتا ہے وہاں پانی برساتے ہیں جس سے بندوں کی روزی پیدا ہوتی ہے۔ تیسرے مالک داروغہ
جہنم ہیں وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ان کے علاوہ دو اور معزز فرشتے ہیں جن کے نام تو
قرآن میں مذکور نہیں ہوئے مگر خدمتوں کا ذکر موجود ہے۔ حضرت عزرائیل یہ بندوں کی جان قبض کرنے
پر مامور ہیں اور اُن کی ماتحتی میں فرشتوں کا ایک بڑا گروہ رہتا ہے وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ
اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ دوسرے حضرت اسرافیل جو قیامت کے روز صور پھونکیں گے۔ باقی چند فرشتوں کی
خدمتیں معلوم ہیں، نام معلوم نہیں۔ اول کراماً کاتبین وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ
يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ لفظ کراماً کاتبین کے معنے ہیں معزز لکھنے والے۔ دو فرشتے ہر شخص کے ساتھ
تعینات ہیں، ایک اعمالِ صالح لکھتا رہتا ہے اور ایک اعمالِ بد۔ قرآن میں ایک آیت ایسی بھی ہے
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ چند فرشتے محافظ بھی رہتے ہیں لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ
بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ پھر آٹھ فرشتے قیامت کے دن عرشِ الٰہی
کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اُن کے نام بھی مبہم رکھے گئے، خدمت بتا دی ہے۔ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ
فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ پھر انیس زبانیہ دوزخ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ۔ فرشتوں کا شمار

[illegible]

اور اُن کی خدمات، یہ سب اسرارِ الٰہی ہیں ان کے بارے میں کاوش کے ساتھ پوچھ گچھ کرنا بے سود، اور بے سود ہونے کے علاوہ حدِ بشریت سے تجاوز کرنا ہے۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کچھ فرشتے دن میں زمین پر رہتے ہیں، پھر عصر کے وقت اُن کی بدلی ہو جاتی ہے، اور رات کے لئے دُوسرے فرشتے آتے ہیں۔ دن کے فرشتے بارگاہِ الٰہی میں بندوں کے حالات عرض کرتے ہیں۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو کئی بار بچشمِ سر دیکھا [۱] وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ تو فرشتوں کے ساتھ ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ اُن کا وجود تسلیم کیا جائے، اور ہونے کے ساتھ اُن کی خدمات ہوں، کہ خداوندی سے اُن کے سپرد ہیں اور یہ کہ اُن میں نر مادہ ہونے کی صلاحیت نہیں، نہ اُن میں نافرمانی کا مادہ ہے لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ وہ بھی خدا کے بندے ہیں اور خود کسی طرح کا اختیار نہیں رکھتے۔

ہم نے تو یہ کتاب صرف اس غرض سے جمع کی ہے کہ لوگ ان تعلقات کو جو انہیں اتفاقی یا لازمی طور پر زندگی میں رکھنے پڑتے ہیں سمجھیں، اور تعلقات کے ساتھ اُن ذمہ داریوں کو بھی جو تعلقات کی وجہ سے اُن پر عائد ہوتی ہیں، اور ہمارا نظریہ ہے کہ سب لوگ حتی الوسع اپنے فرائضِ زندگی پورے ادا کریں، تاکہ جب تک خدا کو منظور ہے امن اور رفاہیت اور سکون کے ساتھ چل سکے یہی مذہبی تعلیم کا لُبِ لباب ہے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے، کہ دین و مذہب وضع تو کیا گیا اس لئے کہ دُنیا میں امن قائم ہو، اور اسی کو لوگوں نے فساد کا آلہ بنا لیا ہے کہ اختلافِ مذہب کی وجہ سے آپس میں لڑتے ہیں؛ حالانکہ فرض کرو کہ ایک شخص غلط رستے چلتا ہے تو جب تک وہ ہماری دل آزاری نہیں کرتا ہم کو اُس سے کچھ سروکار نہیں "ہر کسے مصلحتِ خویش نکو میداند"۔ ہاں ہم کو باقدرت زبان سے ستائے تو اپنی مدافعت کی قدر، اور صرف حفاظت کی قدر ہم تدبیر کر سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ لوگوں سے ناحق لڑیں

[۱] اور انہوں نے انہیں [illegible] معراج کے وقت سدرۃ المنتہیٰ کے پاس [illegible] جبریل کو ایک دفعہ اور بھی اصلی صورت پر [illegible] دیکھا تھا [illegible] ان کی تعمیل کرتے ہیں۔

مولوی لیں: مصیبت تو یہ ہے کہ خود مسلمانوں میں پرانے فرقوں کے علاوہ نئے نئے فرقے پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جن کے آپس میں سخت عداوتیں قائم ہیں۔ سورۂ آل عمران میں ایک آیت ہے۔

[1] وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ

اس کی تعمیل ان وقتوں کے مسلمانوں نے اس طرح پر کی ہے کہ مسجدیں تک تقسیم ہو گئی ہیں۔ ایک کے پیچھے ایک کا نماز نہ پڑھ سکنا کیسا ایک فریق کی مسجد میں دوسرا فریق نماز نہیں پڑھ سکتا۔ فوجداریاں ہوتی ہیں۔ جرمانے دیتے ہیں۔ مچلکے لئے جاتے ہیں۔ نئے مذہبی فرقوں میں ایک فرقہ ہے جو نیچری کہلاتا ہے۔ یہ لوگ اکثر انگریزی خواں ہیں۔ ان کے معتقدات فلسفیوں کے سے ہیں۔ ہر ایک بات میں رائے کو بہت دخل دیتے ہیں۔ باتیں تو بہت ہیں۔ اور ہم کو کسی کے ساتھ مناظرہ کرنا نہیں۔ اس واسطے کہ مناظرہ سے نہ کبھی کوئی بات فیصل ہوئی ہے نہ آئندہ ہو۔ مگر چونکہ قرآن مجید میں فرشتوں پر ایمان لانا ایمان باللہ کا جزو قرار دیا گیا ہے۔ ہم کو مناظرہ کے طور پر نہیں بلکہ اپنا خیال ظاہر کرنے کے لئے بیان کرنا ضرور ہے کہ فرشتوں کے بارے میں ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ فرشتے نور کے بنے ہوئے خاص مخلوق ہیں۔ ان میں نر و مادہ نہیں ہوتے۔ وہ جسمانی صورت جب چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ جبرئیل حامل وحی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آدمی بن کر بھی آتے رہے۔ فرشتوں کی طبیعتوں میں آدمی کی طرح بدی کا تقاضا نہیں۔ وہ نیکی اور خدا کی فرمانبرداری پر مجبور ہیں۔ غرض وہ شاہی چوبداروں کی طرح ہیں۔ فرشتے اور جن ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ فرق ہے کہ فرشتے نور سے بنے ہیں اور جن آگ سے۔ اور جنوں میں کا ایک جن شیطان بھی ہے۔ چونکہ ہر طرح کی مخلوق دیکھنے میں نہیں

[1] [illegible]

آئی، فلسفی جنوں اور فرشتوں اور شیطان کسی کے قائل نہیں فلاسفہ کے تمام اعتراضات اور اشتباہات
پیدا ہوئے اس سے کہ انہوں نے وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا[1] پر تو نظر کی نہیں "ہر کس را
عقلِ خود بکمال و فرزندِ خود بجمال" کے مطابق براہِ خود پسندی اپنی معلومات کو جامع، اپنی عقل کو
کامل، اپنے ذہن کو رسا فرض کر لیا اور جو بات سمجھ میں نہ آئی بجائے اس کے کہ اپنے قصورِ فہم کے
معترف ہوں اور ؎ نہ بہ جائے مرکب تواں تاختن ○ کہ جاہا سپر باید انداختن
پر عمل کریں لگے اس کو جھٹلانے تا کہ فرمودہ خدا بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ
تَأْوِيلُهُ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ[2] پورا ہو، اور وہ پورا
ہو رہی ہے فلسفی نے جو کچھ اپنی معلومات اپنی عقل اپنے ذہن کی نسبت سمجھا غلط سمجھا "اپنا قدر خود
بشناس" اس کی معلومات کا تو یہ حال ہے کہ جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے انسانی معلومات کا ذخیرہ
بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ نئی نئی چیزیں دریافت ہوتی جاتی ہیں جو پہلے لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں
کمالِ عقل اور رسائی ذہن کی یہ کیفیت ہے کہ آدمی پاس کے پاس اپنی روح کی حقیقت تا امروز انسان
دریافت نہیں کر سکا اور دریافت کر بھی نہیں سکے گا، اس لئے کہ خدا نے وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ
مِنْ أَمْرِ رَبِّي[3] فرما کر اس کو تفتیش سے روک دیا ہے۔ ایسا انسان خود بے خبر اسرارِ الٰہی میں جن کا شمار
نہیں کیا دخل دے سکتا ہے؟ اور دخل دیتا ہے تو یہ اس کی یاوہ گوئی ہے۔ ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی ○ کہ با آسماں نیز پرداختی

مخلوقاتِ عالم پر نظر کرتے ہیں تو سارا جہاں ایک حیرت کدہ دکھائی دیتا ہے۔ کچھ سمجھ
میں نہیں آتا کہ یہ عظیم الشان کارخانہ باایں حسن و خوبی کیونکر موجود ہو گیا۔ اور اس ربط و ضبط کے ساتھ

---

۱ اور تم لوگوں کو اسرارِ الٰہی میں سے بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے ۲ یہ لوگ اس چیز کو جھٹلانے لگے جسکے سمجھنے پر قابو
دسترس نہ ہو اور ابھی تک اس کی تصدیق کا موقع ہی ان کو پیش نہیں آیا، اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے
پہلے ہو گذرے ہیں تو اے پیغمبر دیکھو ان ظالموں کا کیسا برا انجام ہوا ۳ اور اے پیغمبر لوگ تم سے روح کی حقیقت دریافت
کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ روح (بھی) میرے پروردگار کا حکم ہے

کیونکہ چل رہا ہے مُشتے نمونہ از خروارے، مثال کے طور پر ایک آدمی کو لیتے ہیں کہ شروع میں مٹی تھا، پھر مٹی سے نباتات کی شکل میں آیا، پھر حیوان کی، پھر آدمی کی۔ بھلا مٹی کو جیتے جاگتے، چلتے پھرتے، سوچتے سمجھتے آدمی سے کیا مناسبت؟ اسی طرح کوئی سا پھل پھول اور درخت لو عقل نہیں کام کرتی کہ بیج نے یہ رنگ و بو، یہ ذائقہ، یہ نقش و نگار، یہ تن و توش کہاں سے پایا۔ ہمہ وقت ہزارہا واقعات واقع ہوتے رہتے ہیں۔ اور بڑے سے بڑا بُوجھ بُجھکڑ آدمی بھی ان کی لِم نہ آپ سمجھتا ہے اور نہ سمجھا سکتا ہے۔ ایک فارسی کے شاعر نے کیا اچھا کہا ہے ؎ ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ ۔ ایں ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است۔

خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں اور خوب فرماتے ہیں ؎

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو ○ کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

کُلُّ مَا لَمْ یَکُنْ مِنَ الصَّعْبِ فِی الْاَنْفُسِ سَھْلٌ فِیْمَا اِذَا ھُوَ کَانَا

اسی طرح کے مضامین ہیں جن کی وجہ سے شعرا کو تلامذۃ الرحمٰن کہا جاتا ہے۔ یہ خیالات دل میں جاگزیں ہوں تو ایک صحیح العقل سلیم الفطرت آدمی اشتباہ و اعتراض کا نام بھی نہیں لے سکتا۔ وہ جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھے گا ایک سے ایک عجیب چیز اسے دکھائی دے گی۔ اور وہ بے اختیار بول اٹھے گا رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ[1] پھر فلسفی جو ازل اور ابد کے قلابے ملاتے ہر ایک چیز میں رائے زنی کرتے ہیں، اور ان کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ لوگ جہان کے بنانے پیدا کرتے وقت خدا کے صلاح کار تھے۔ [2] مَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا۔ غرض فلسفی بڑے لمبے چوڑے دعووں کے ساتھ عجائبات دنیا کے متعلق وثوق کے ساتھ کوئی بات بھی نہیں کہہ سکتے۔ [3] مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ

---

[1] اے ہمارے پروردگار، تو نے اس کارخانۂ عالم کو بے فائدہ (تو) نہیں بنایا، تیری ذات ایسے فعل عبث کرنے سے پاک ہے۔ اور یہ کارخانہ خبر دیتا ہے کہ ضرور نیکی کی جزا و بدی کی سزا ہونی ہے، تو اے ہمارے پروردگار، ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔
[2] ہم نے آسمان اور زمین کے پیدا کرتے وقت بلکہ خود شیاطین کے پیدا کرتے وقت بھی شیاطین کو اپنی مدد کے لئے نہیں بلایا اور ہم کچھ ایسے گئے گزرے نہ تھے کہ گمراہ کرنے والوں کو بازو بناتے۔
[3] ان کو عالم القدس کی کچھ خبر تو ہے نہیں [illegible]

اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ہاں اٹکلیں دوڑاتے ہیں کہ مثلاً آدمی کے جدِ امجد بندر ہے ہوں گے۔ اچھا یوں ہی سہی، مگر اِس سے زندگی کا معمہ تو حل نہیں ہوتا ؎

کج دار و مریز، ساقی دہر! ○ می بین و مکن حوالہ بر غیر
این نقش کہ دانیش نمونہ ○ کنہش زدہ لعل واژگونہ

ہم ایک موٹی سی بات پوچھتے ہیں کہ پہلی مرغی اور انڈے اور درخت اور بیج کی ہے، کہ ان میں سے سب سے پہلے توالد و تناسل کیوں کر شروع ہوا؛ انڈے اور بیج کو جڑ قرار دو تو مشکل، اور مرغی اور درخت کو اصل ٹھہراؤ تو مشکل۔ اِسی سے ثابت ہے کہ نیچر کے اُصول ضرور ازلی نہیں اور ممکن ہے کہ ابدی بھی نہ ہوں۔ کوئی بدعقل جو خدا ہی کا قائل نہیں اِس قسم کے اعتراضات اور اشتباہات کرے تو ایک بات بھی ہے۔ بڑا تعجب اور افسوس تو اُس وقت ہوتا ہے جب کوئی آدمی خدا کو مان کر کہتا ہے کہ فرشتوں اور جنوں اور شیطانوں کا ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اور اِسی لئے مجھے اُن کا ہونا تسلیم نہیں، یا میں کسی معجزے کے وقوع کو باور نہیں کرتا، یا میں کسی دُعا کا معتقد نہیں کہ وہ حصولِ مدعا کا سبب ہو سکتی ہے، یا یہ کہ گناہ نزولِ عذاب کا سبب ہوا ہے، یا ہو سکتا ہے، یا جنت اور دوزخ اور قیامت کی وہی حقیقت ہے جو مذہبی کتابوں میں بیان کی جاتی ہے، یا آفرینش کا سلسلہ اسی طرح پر شروع ہوا ہے جیسا آسمانی کتابوں میں لکھا ہے۔ اگر اِن میں سے کوئی بات اُس کی سمجھ سے باہر ہے، اور اُسی وجہ سے اُس کو انکار ہے، تو ہم نہیں سمجھتے کہ خدا کو اُس نے کیوں کر سمجھ لیا، تو پھر اُس کو کسی چیز کسی بات پر تعجب اور انکار کا کیا حق باقی رہا۔ گڑ کھاؤں، گلگلوں سے پرہیز۔ ہاں اُس کو اِس بات سے اپنا اطمینان کر لینا ہوگا کہ جو بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئی وہ خدا کی اُتاری ہوئی کتاب میں بھی ہے یا نہیں، خدا کے رسول نے بھی فرمائی ہے یا نہیں، اگر خدا کی اُتاری ہوئی کتاب میں ہے یا خدا کے رسول نے فرمائی ہے تو سمجھ میں آئے یا نہ آئے اُس کو بے چون و چرا ماننی پڑے گی اور توجیہ و تاویل کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ نہ یہ کہ سمجھ میں نہ آنے کا عذر کر کے پہلے ہی منکر ہو بیٹھے۔ اور فرمودۂ خدا اور رسول ہونے کی طرف سے اطمینان کرنے کے اور بہت سے

رستے ہیں سہ ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ○ کیں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است
بات یہ ہے کہ دلوں سے دین و مذہب کی وقعت اُٹھ گئی ہے، اور دُنیا کی چند روزہ زندگی اور خوش حالی نے آدمی کو خدا کی جناب میں مغرور اور گستاخ کر دیا ہے۔ دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، قرآن کو ناولوں اور اساطیر الاولین کی طرح بے پروائی اور بے باکی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اصل مطلب کی طرف توجہ نہیں۔ بات بات میں لا یعنی خدشے واقع ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ جل و علا شانہ نے قرآن قرآن کے حق میں فرمایا ہے۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ؎ مسلمانو! انصاف کرو کہ کون آدمی قرآن کا اتنا ادب ملحوظ رکھ کر قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ خدا کی عظمت، اُس کے کلام کی وقعت دل میں ہو تو ایسے لغو اور بیہودہ اعتراض ذہن میں آ ہی نہیں سکتے۔ قرآن خدا نے بندوں پر اُن کے اخلاق کی درستی، اُن کے معاملات کی اصلاح کے لئے اُتارا ہے۔ پس تلاوت کرتے وقت اِس مطلب کو پیش نظر رکھو اور ایمان کو ڈانواں ڈول مت ہونے دو۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ جس طرح آنکھیں دیکھنے کے لئے ہیں، اسی طرح عقل سوچنے سمجھنے کے لئے۔ تو جس طرح ہم تاریکی میں آنکھوں کو دیکھنے کی تکلیف نہیں دیتے بعینہٖ اسی طرح غوامضِ اسرارِ حکمتِ الٰہی میں عقل کو غور کرنے کی تکلیف دینی نہیں چاہیئے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

ایمان بالیوم الآخر:۔ اب ایک بات رہ گئی ہے یعنی روزِ آخرت پر ایمان لانا۔ ایمان کا سلسلہ اس طرح پر ہے کہ پہلے آدمی خدا کا قائل ہو۔ پھر اِس کا کہ وہ نیکی سے خوش اور بدی سے ناخوش ہوتا ہے، اور نہ صرف یہ کہ خوش اور ناخوش ہو کر رہ جاتا ہے، بلکہ نیکوں کو ثواب اور بدوں کو سزا دیتا ہے۔ کبھی تو دنیا ہی میں نیکی اور بدی کا نتیجہ مل جاتا ہے۔ اور کبھی خدا اپنی مرضی سے روزِ آخر پر موقوف رکھتا ہے۔ جب کہ دنیا کا سارا کارخانہ اُٹھا دیا جائے گا اور نیکی بدی کا حساب ہو کر آخیر

؎ (اے پیغمبر! اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُتارا ہوتا اور اس میں کسی طرح سمجھ بوجھ ہوتی، تو تم اسکو دیکھ لیتے کہ خدا کے ڈر کے مارے جھکا پڑا ہوتا اور پھٹا پڑا ہوتا۔ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ سوچیں سمجھیں)

فیصلہ کر دیا جائے گا۔ نیک بندے جنت میں ہونگے اور نافرمان گنہگار دوزخ میں۔ ہم مسلمانوں کو
یہ بتایا گیا ہے کہ روزِ آخرت کے فیصلے کے بعد جو زندگی ہوگی ہمیشہ کے لئے ہوگی۔ دنیا میں
پھر آنا نہیں۔ ایک طرف تو قیامت کے ہونے کا یقین ایسا ضروری عقیدہ ہے کہ دین و مذہب کی ساری
عمارت اسی ایک ستون پر قائم ہے۔ قیامت کے خیال کو دل سے نکال دو تو آخرت کے ساتھ ہی اس
انکار کی ایک پھونک دین و مذہب کی تمام بندشوں کو توڑ کر برابر کر دے۔ دوسری طرف قیامت
اپنی ذات سے ایسا معاملہ ہے کہ اس کے وقوع کا ثبوت رہتی دنیا تک مل ہی نہیں سکتا جس سے
دل کو اطمینان ہو۔ اس لئے کہ ثبوت کسی قسم کا بھی ہو آخر کار معائنے اور مشاہدے پر جا کر منتہی ہوتا ہے
اور یہاں معائنے اور مشاہدے کا موقع ہی نہیں۔ لے دے کر دلیل کہو، ثبوت کہو، دل کی گواہی کہ یک علم
سمجھ رہا ہے کہ آدمی مرنے سے فنا نہیں ہوتا۔ یہی خیال دنیا میں نیکوکاری اور حسنِ معاشرت کا ضامن ہے
اسی خیال نے بڑے بڑے شاطر مجرموں سے جن پر تخویف، تطمیع اور تعذیب کی تدبیریں بے اثر محض
ثابت ہوئیں ارتکابِ جرم کا اقرار کرا دیا ہے۔ اسی خیال پر لوگ مال اور جان جیسی عزیز چیزیں
قربان کر دیتے ہیں۔ یہی خیال دردمند کی تسلی ہے۔ اور یہی خیال دنیا میں امن کا باعث ہے وہی
کا ابرِ فطرت تمام دلیلوں سے بڑی دلیل اور تمام ثبوتوں سے بڑا ثبوت ہے۔ بیشک سمجھ میں نہیں آتا کہ
ہزاروں برس کے مُردے جن میں سے بعض سمندر میں ڈوبے اور ان کو مچھلیاں کھا گئیں، اور بعض پرندوں
کے منہ میں رکھ دیئے گئے اور چیلوں گدھوں نے ان کی بوٹیاں نوچ کھائیں اور بعض مدفونِ قبر ہو کر
[1] مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ کے مصداق ہوئے کیسے جلا اٹھائے جائیں گے اور جلا اٹھائے جا
بھی کیسا [2] بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ یہی وہ استبعاد تھا جس کو منکرینِ قیامت یہ کہہ کر
ظاہر کرتے تھے [3] اَءِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ جیسا استبعاد تھا

---

[1] یعنی اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں پھر تم کو لوٹا دیں گے [2] بلکہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور
والے کے جوڑ جوڑ کو پھر سے بٹھا دیں۔ [3] کیا واقعی جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو کر رہ گئے، کیا ہم قیامت
میں دوبارہ اٹھ کھڑے کئے جائیں گے؟

ویسا ہی جواب ہے۔ اَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ جواب کی تشریح اس طرح پر ہے کہ آدمی شروع میں مٹی تھا۔ مٹی سے نباتات کی جون میں آیا۔ نباتات سے حیوانات میں جنم لیا۔ نباتات اور حیوانات آدمی کی غذا ہوئے۔ غذا سے نطفہ بنا۔ نطفے سے بہت سے بدلوں کے بعد آدمی۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ثُمَّ إِنَّكُم بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ؀ عالم کے ذرے ذرے میں خدا کی قدرت کے ایسے بہت سے کرشمے ہیں مگر ہم کو ان کرشموں کے دیکھنے کی عادت سی ہو گئی ہے اس وجہ سے ہم ان کا استبعاد نہیں کرتے حشر بعد الموت بھی اسی طرح کا ایک کرشمہ ہے اور ہم کو اسکے استبعاد کرنے کا کوئی حق نہیں، اور اسی کا نام ہے ایمان بالآخرۃ۔ فرمودۂ خدا کے التزام سے اور تمام بنی آدم کے تعامل سے اس یقین کو قوت ہوتی ہے اور غفلت اور بے فکری سے کمزوری۔ قیامت کا انکار متفرع ہے اِس پر کہ ہم نے رُوح کی حقیقت کو نہیں جانا۔ روح اور جسد کے تعلق کو نہیں پہچانا۔ خدا کی قدرت کی وسعت کا ٹھیک اندازہ نہیں کیا

ایمان بالقدر: رہا مسئلہ تقدیر تو یہ ایسا مشکل مسئلہ ہے کہ عوام تو عوام اکثر خواص بھی اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ سارا اشکال خود آدمی کی خاص طرح کی بناوٹ کا ہے۔ آدمی نہ تو کنکر پتھر کی طرح مجبور محض ہے۔ جہاں پڑا ہے پڑا ہے۔ کوئی اسکو جگہ سے ہلائے تو ہلے اور نہ با اختیار مطلق ہے کہ جو چاہے سو کر گزرے۔ آدمی کی اِس حالت کو پیش نظر رکھ کر تقدیر کے معنے سمجھنے ہیں۔ تقدیر کی نسبت

ف کیا ہم اول بار پیدا کرنے میں تھک گئے کہ قیامت میں دوبارہ پیدا نہیں کر سکیں گے۔ نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ از سرِ نو پیدا کرنے کی طرف سے شک میں پڑے ہیں۔ اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر ہم نے سکونت کی جگہ یعنی عورت کے رحم میں اس کا نطفہ بنا کر رکھا، پھر ہم ہی نے نطفے کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم ہی نے لوتھڑے کی بوٹی بنائی، پھر ہم ہی نے بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہم ہی نے ہڈیوں پر گوشت منڈھا، پھر آخر کار ہم ہی نے اس کو ایک دوسری ہی مخلوق کی صورت میں بنا کھڑا کیا۔ تو سبحان اللہ خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو سب بنانے والوں سے بہتر بنانے والا ہے۔ پھر لوگو! اس کے بعد تم سب کو مرنا ہے۔ پھر قیامت کے دن تم سب اٹھا کھڑے کئے جاؤ گے۔

لوگوں کا عام خیال تو یہ ہے کہ آدمی کو بُرا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے اور جو کچھ پیش آنے والا ہے پہلے سے خدا نے اُس کے لئے ٹھہرا دیا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کا جنتی اور دوزخی ہونا بھی۔ دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنی ہیں کہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اپنے اختیار سے نہیں کرتا، اور اسی لئے نیکی کی جزا کا مستحق اور بدی کی سزا کا مستوجب بھی نہیں۔ بے شک کٹ حجتی کے لئے بڑی گنجائش ہے، اور اس خیال کی تائید میں بہت سی باتیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے انسان کی مجبوری ظاہر ہوتی ہے۔ مگر یہ لوگ انسانی زندگی کے دوسرے پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں، اور نہیں دیکھتے کہ انسان کچھ اختیار بھی رکھتا ہے اور اسی اختیار کی بنا پر وہ دنیا میں اپنے افعال کا جواب دہ سمجھا جاتا ہے۔ دنیا میں یہ قاعدہ جاری ہے تو آخرت میں کیوں نہ ہو؟ دنیا اور آخرت میں نقل اور اصل کی نسبت ہے، اور ایک کا دوسرے کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اچھا یہ تقدیر کو کیا سمجھنا چاہیئے؟ لفظ تقدیر نکلا قدر سے جس کے معنے اندازے کے ہیں۔ پس تقدیر کے معنے اندازہ ٹھہرانے کے ہوئے۔ جو معنے اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ[1] کے ہیں وہی معنے تقدیر کے ہیں۔ اس کو ایک مثال سے بآسانی سمجھو گے۔ ہم نے ایک درزی کو تھان دیا کہ اس میں سے جتنے بن سکیں ہمارے کُرتے بنا دو۔ تو درزی پہلے آگا پیچھا، کَلیاں، بغلے، آستینیں، ہر ایک چیز کا اندازہ کر لیتا ہے تب قطع کرتا ہے۔ لغت کی رو سے اسی کا نام تقدیر ہے۔ معمار تعمیر سے پہلے مکان کا نقشہ بناتا ہے۔ بڑھئی چوکی کے لئے لکڑی تراش کا اندازہ کرتا ہے۔ یہ سب تقدیر ہے۔ اسی طرح خدا نے جو چیز بھی پیدا کی ایک اندازے کے ساتھ پیدا کی۔ یہی اس چیز کی تقدیر ہوئی۔ دوسری مخلوقات کے ساتھ ایک تقدیر انسان کی ہے کہ اس کی دو آنکھیں ہیں، دو کان، دو پاؤں، ایک ناک۔ وہ خاص ایک خاندان میں، خاص ملک میں، خاص زمانے میں پیدا ہوتا اور ایک خاص وقت تک ایک خاص حالت میں زندہ رہ کر آخر کو دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ انسان پر جو حالتیں گزرتی ہیں اُن میں سے بہت سی باتیں ہیں جن میں انسان کے ارادے، انسان کی رائے، انسان کی تدبیر کو کچھ دخل

---

[1] ہم نے تمام چیزوں کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

نہیں۔ ایسی ہی باتوں میں اِس معنے کر تقدیر کا قائل ہونا پڑتا ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں، بندگی و بےچارگی۔ فطرت اللہ میں نکتہ چینی کرنا فسادِ عقل کی دلیل ہے۔ مثلاً یہ کہ آدمی کو پرندوں کی طرح پرواز کی قدرت کیوں نہیں دی؟ یا جیسا کہ تیز خوردبین میں دیکھا جاتا ہے کہ مکھی کے چھوٹے سے جثے میں ہزاروں آنکھیں ہیں، آدمی کس لئے اِس نعمت سے محروم رکھا گیا؟ پس اس صورت میں تقدیر پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ مخلوقاتِ عالم کو خدا نے جیسا چاہا بنایا، اور بہت درست بنایا۔ [1] اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی۔ لیکن اِس میں تو کچھ جھگڑا نہیں۔ جھگڑے کی بات تو یہ ہے کہ انسان اپنی ذات سے کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس میں پانی مرتا ہے۔ اسی عقیدہ نے مسلمانوں کی دنیا کو تباہ اور برباد کیا۔ ایک وقت تھا کہ مسلمان روئے زمین پر کوسِ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ بجاتے تھے۔ اور تہذیب، اور شائستگی، اور فضائل میں کوئی قوم اِن کو لگا نہیں کھاتی تھی۔ اب یہ وقت ہے، کہ دوسروں کے خدام ہیں۔ اور غلام بھی ہیں تو کیسے کَشْمٰو اَبْکَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّھُوَ کَلٌّ عَلٰی مَوْلٰہُ اَیْنَمَا یُوَجِّھْہُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ۔ برائے نام معدودے چند سلطنتیں بھی ہیں، تو اگر "ماند شبے ماند، شبے دیگر نمے ماند" یہ سب اسلئے کہ مسلمان تقدیر پر بھروسہ کرکے حسبِ اقتضائے وقت اپنے تئیں سنبھالنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور عقیدۂ تقدیر نے ان کو مایوس اور اپاہج اور ازکار رفتہ کر دیا ہے۔ اگلے مسلمان جو معراج الکمالِ ترقی پر پہنچ گئے تھے، وہ بھی تقدیر کے قائل تھے، مگر کوشش کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ کامیابی اُنکی تقدیر میں ہے اور تقدیر ہی ان سے کوشش کراتی ہے۔ اِس پر بھی احیاناً اگر اُن کی سعی مشکور ہوتی تھی، تو مشکوری سعی محرک ہوتی تھی سعی مزید کی۔ غرض وہ کسی حالت میں ہمت نہیں ہارتے تھے [2] اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ وَتِلْکَ الْاَیَّامُ

---

[1] ہر مخلوق کو اُس کی مناسب طرح کی بناوٹ عطا فرمائی پھر اس کو (اُن اغراض خاص کے پورا کرنے کی) راہ دکھائی [2] گونگا اور گونگا ہونے کے علاوہ پا یا مدام، کہ خود کچھ نہیں کر سکتا اور گونگے ہونے کی وجہ سے وہ اپنے آقا کا بارِ خاطر بھی ہے کہ جہاں کہیں اسکو بھیجے اُس سے کچھ بھی ٹھیک نہیں بن آتا [3] اگر تم کو اِس لڑائی میں شکست کی ٹھیس پہنچی تو دل مت ہارو، کیونکہ جنگِ بدر میں مخالفوں کو بھی تو ایسی ہی ٹھیس لگ چکی ہے۔ اور یہ اتفاقات وقت ہیں جو بحکم نوبت بنوبت بسبب لوگوں کو پیش آتے رہتے ہیں۔

مُنَادِ لَهُمْ بَيْنَ النَّاسِ اب کے مسلمان پہلے ہی سے آس توڑ بیٹھے، اور بے ہاتھ پاؤں ہلائے سمجھے ہوئے ہیں کہ خدا ہی ان کی بہتری نہیں چاہتا۔

مزن فالِ بد کآورد حالِ بد ○ مبادا کسے کو زند فالِ بد

ہم نے مدتوں اس کو سوچا کہ مسلمانوں نے تقدیر کا محل غلط کہاں سے لیا۔ تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ قرآن میں ایسی بہت آیتیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہدایت اور ضلالت دونوں خدا کی طرف سے ہیں، آدمی کے اختیار کی بات نہیں۔ جیسے[1] إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اور[2] يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اور[3] فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ اور[4] خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ اور[5] أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ اسی طرح ایسی بھی آیتیں ہیں جن سے آدمی کا باختیار ہونا پایا جاتا ہے جیسے[6] إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ اور[7] وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا اور[8] إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا اور[9] فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ اور[10] بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ دونوں قسم کی آیتوں کے ملانے سے انسان کی اصلی حالت ظاہر ہوتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان نہ بالکل بااختیار ہے نہ مجبور۔ مجبوری ہے تو یہ ہے کہ نہ وہ اپنے ارادے سے پیدا ہوا اور نہ اس نے اختیارات کی جیسے کچھ ہیں

---

[1] (اے پیغمبر) یہ تمہارے بس کی بات نہیں کہ جس کو چاہو ہدایت کرو، بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ [2] جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ [3] تو جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کون راہ راست پر لا سکتا ہے۔ [4] ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے، اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے۔ [5] یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور ان کو حق بات کے سننے سے بہرا اور [illegible] دیکھنے سے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ [6] اگر تم اور جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں وہ سب کے سب ناشکری کرو تو خدا کو کچھ بھی پروا نہیں کیونکہ وہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔ [7] [illegible] [8] [illegible] [9] [illegible] [10] [illegible]

درخواست کی۔ دوسرے یہ کہ آدمی ارادے کا اختیار رکھتا ہے۔ ارادے کا نافذ کرنا اُسکے بس کی بات نہیں۔ نتیجہ جو وہ چاہتا ہے ہو بھی اور نہ بھی ہو۔ مثلاً آدمی نے چوری کی نیت سے ایک گھر کو تاکا آلات سرقہ لے کر چلا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ لوگ جاگ رہے ہیں، ناکام واپس آیا۔ حاکم اُسکو سزا نہیں دے سکتا کیونکہ چوری نہیں ہوئی۔ مگر وہ چوری کا ارادہ کرنے سے عند اللہ چور ٹھیرا۔ یہ ہیں معنی اِن تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ کے۔ ایک شکل خدا کے عالم الغیب ہونے کی ہے کہ وہ اس سے پہلے کہ آدمی عدم ہستی میں آئے، ایک ایک ذرہ بشر کے ہر کُل حالات سے واقف ہے کہ فلاں آدمی فلاں جگہ فلاں خاندان میں فلاں وقت پیدا ہوگا۔ اتنے دن جئے گا اور اُسکو یہ واقعات پیش آئینگے۔ اور آخر کار قانونِ الٰہی یعنی قرآن کی رُو سے جنتی ہوگا یا دوزخی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ خدا کا علم غلط نہیں ہو سکتا، ضرور ہے کہ ایک ایک بات خدا کے علم کے مطابق واقع ہو۔ اس سے بھی لوگ انسان کی مجبوری استنباط کرتے ہیں۔ ایک جگہ تو ہندو نے ایک دوہا کہا ہے کہ ؎

ہونی نہیں کیں ٹرائی ○ بن کینے لکھ لین پرائی

لیکن یہ استنباط غلط ہے۔ ایک طبیب حاذق بھی ایک مریض کی نسبت جانتا ہے کہ وہ بد پرہیز ہے۔ ضرور بد پرہیزی کرے گا اور مرے گا۔ اور وہ بد پرہیزی کرتا اور مرتا بھی ہے لیکن طبیب نے اُس کو بد پرہیزی کرنے اور مرنے کا حکم نہیں دیا۔ غرض تقدیر کی بحث بڑی دقیق ہے۔ اور اسی وجہ سے شارع نے اس میں گرید کرنے کی ممانعت بھی فرمائی ہے۔ ہم نے قرآن پاک کا ترجمہ کرتے وقت تین مقام پر تین فائدے بھی لکھے ہیں۔ ان تینوں کو اسجگہ نقل کیے دیتے ہیں۔ شاید فہم مطلب میں اُن سے کچھ مدد ملے۔

پہلا فائدہ:۔ پارۂ تلک الرسل کے آغاز کی آیت وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ کے ذیل میں لکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا چاہتا تو تمام بنی آدم کی طبائع ایک ہی طرح کی ہوتیں تو ان میں اختلاف بھی نہ ہوتا۔ لیکن اُسنے حق و باطل دو چیزیں بنائیں۔ آدمی کو حق و باطل کی تمیز دی۔ اور

تمیز کے علاوہ اختیار، کہ حق کا رستہ اختیار کرے یا باطل کا۔ آدمی کا با اختیار پیدا کرنا خدا کا فعل ہے۔
دو، حق و باطل کی تمیز کرنا۔ اور ایک کو لینا اور دوسرے کو چھوڑنا آدمی کا۔

دوسرا فائدہ:- پارہ والمحصنٰت کے آیہ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ کے متعلق لکھا ہے اور وہ یہ ہے: اس سے پہلی آیت میں فرمایا کہ نفع و نقصان سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اور یہاں فرماتے ہیں کہ فائدہ اللہ کی طرف سے۔ اور نقصان بندے کی طرف سے۔ ان دونوں باتوں میں مخالفت سی معلوم ہوتی ہے۔ اور کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ ایک سانس میں کچھ اور دوسرے سانس میں کچھ، چنانچہ تقدیری لوگ آگے چل کر فرماتے ہیں وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا سو جو لوگ انسان کو فاعل مختار نہیں مانتے، اور کہتے ہیں کہ آدمی برا یا بھلا جو کچھ بھی کرتا ہے خدا کے کرانے سے کرتا ہے۔ یہ لوگ ان دو مخالف باتوں میں اس طرح وجہ توفیق پیدا کرتے ہیں جیسے حافظ شیرازی کہہ گئے ہیں کہ

گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ ○ تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ من است

یعنی نفع ہو یا نقصان، ہے تو سب کچھ خدا کی طرف سے مگر ادب کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ نقصان اور گناہ کو اپنی طرف منسوب کرے۔ اور باوجود بے اختیاری کے قصور کا معترف ہو۔ لیکن یہ بات ہمارے دل کو لگتی نہیں۔ ہم تو آدمی کو فاعل مختار اور نیک و بد کا ذمہ دار مانتے۔ اور اس قاعدے کو دنیا اور دین دونوں کے انتظام کا مدار سمجھتے ہیں۔ ان دو مخالف باتوں میں واقعی وجہ توفیق پوچھو تو یہ ہے کہ خدا نے دنیا کے انتظام کا ایک قاعدہ ٹھیرا دیا ہے۔ ہر چیز اور ہر واقعے کا ایک سبب ہوتا ہے؛ اور ہر سبب کا ایک نتیجہ۔ اور اسی سے یہ جہان عالم اسباب کہلاتا ہے۔ مثلاً حاکم نے ایک قانون بنا دیا اور اس میں چوری کی سزا تجویز کر دی، اتنے برس قید۔ زید نے چوری کی۔ اور جیل خانے بھیجا گیا۔ کہنے میں تو یوں آتا ہے کہ حاکم نے قید کیا، مگر حقیقت میں زید نے آپ اپنے کو قید کرایا۔ نہ چوری کرتا، نہ جیل خانے جاتا۔ پس حاکم کا زید کو قید کرنا، اور زید کا خود اپنے تئیں قید کرانا، اپنی اپنی جگہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں:

تیسرا فائدہ :- سورہ انعام کے ۱۸ رکوع ۱۸ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰىكُمْ أَجْمَعِيْنَ
کے ذیل میں لکھا ہے "کفار مکہ جب دلیل سے عاجز آتے تو مشیت الٰہی کی بحث نکال کھڑی کرتے لیکن
وہ مرضی اور مشیت میں فرق نہیں کرتے تھے۔ خدا نے اس آیت میں مرضی اور مشیت کا فرق نہایت عمدہ طور
دکھایا ہے کہ جو خدا کی مرضی تھی وہ پیغمبروں کے ذریعے سے ظاہر کر دی گئی اور لوگوں کو اختیار دیا گیا کہ نیک راہ
اختیار کریں یا بُری راہ چلیں۔ بُروں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور دیدہ و دانستہ بُری راہ اختیار کی، تو وہ مجرم
ٹھیرے اور خدا کی حجت اُن پر تمام ہوئی مشیتِ الٰہی سے اور اس سے کچھ تعلق نہیں مشیتِ الٰہی بالکل
دُوسری چیز ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خدا چاہتا تو سب راہِ راست پر چلتے۔ مگر اُس نے چاہا کہ لوگ اپنے
ارادے سے راہِ راست اختیار کریں، تو لوگوں کے افعال سے مشیتِ الٰہی متعلق نہیں ہے۔ بلکہ اُن کی
اپنی مشیت متعلق ہے یعنی مشیتِ الٰہی تھی کہ لوگ اپنی مشیت سے بُرا یا بھلا کریں۔"

اب ان سب باتوں کے آخر میں ہم ناظرین کو ایک نہایت ضروری بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں
وہ یہ کہ ایمان اور اسلام دو لفظ ہیں بولنے میں مرادف یکدگر بولے جاتے ہیں یعنی ایک ہی معنی
میں ان کا استعمال ہوتا ہے۔ مگر جو فرق ایمان اور اسلام میں ہے وہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔
قَالَتِ الْأَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ "عرب
کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اے پیغمبر) ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ ہاں یوں کہو کہ ہم
مسلمان ہو گئے۔ اور ایمان کا تو ہنوز تمہارے دلوں میں گزر تک بھی نہیں ہوا"

اسلام اعمالِ ظاہر سے تعلق رکھتا ہے، اور ایمان دل سے۔ پس جو شخص ظاہر میں مسلمانوں کے سے کام
کرتا ہے۔ مثلاً ہمارے قبلے کی طرف نماز پڑھتا ہے، ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے یعنی اس کا ظاہر مسلمان ہے؛
چاہئے کہ ہم اس کو مسلمان سمجھیں۔ یہی مضمون شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے نہایت عمدگی سے اس قطعہ میں
ادا کیا ہے۔ قطعہ: ہر کرا جامۂ پارسا بینی ○ پارسا دان و نیک مرد انگار
ور ندانی کہ در نہانش چیست ○ محتسب را درونِ خانہ چہ کار

اور اِسی مضمون کی توضیح ہماری اُس تحریر سے بھی ہو سکتی ہے جو ہم نے آیۂ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا کے
فائدے میں کی ہے۔ چنانچہ وہاں لکھا ہے کہ "ایمان دل سے تعلق رکھتا ہے۔ اور خدا کے سوا دوسروں
کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ اور اسلام افعالِ ظاہر سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک شخص مسلمانوں کی سی وضع
رکھتا، اور مسلمانوں کے ساتھ کھاتا پیتا اور اپنے تئیں مسلمان کہتا ہو تو شرع جو ظاہر پر حکم کرتی ہے اُسکی
رُو سے وہ مسلمان سمجھا جائے گا۔ مگر ممکن ہے کہ اُسکے دل میں ایمان نہ ہو۔ اِس آیت میں اسلام اور
ایمان کا فرق بتانا مقصود ہے" سخت افسوس ہے کہ آجکل کے مسلمانوں میں یہ فساد کثرت سے شائع ہو گیا
ہے کہ بات بات میں مسلمانوں کو کافر بنا دیتے ہیں۔ حالانکہ شریعت کی رُو سے کسی کو حق نہیں کہ
مسلمان بھائی کو گروہِ اسلام سے خارج کرے۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر مسلمانوں کے
گروہ کے بڑھانے کی تدبیروں میں لگے رہے اور وہ مسلمانوں کے گروہ میں داخل کرنے کے لئے حیلے
ڈھونڈتے تھے۔ اور فرمایا کرتے [illegible] تمام پیغمبروں میں ایسا پیغمبر ہوں جس کی
اُمت آخرت میں سب اُمتوں سے زیادہ ہوگی۔ اس کے برخلاف اب مسلمانوں کو گروہِ مسلمانوں
سے خارج کرنے کے لئے حیلے ڈھونڈے جاتے ہیں۔ ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا
خدا کے نزدیک مسلم سے مومن کا درجہ بڑا ہے۔ کیونکہ اعمالِ ظاہر کبھی دکھاوے کے لئے بھی ہوتے ہیں
اور ہمارے اِن وقتوں میں بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو محض برادری کے خوف سے مسلمانوں کا
ظاہر رکھتے ہیں مگر جس کو ایمان کہتے ہیں، وہ اُن کے دل میں نہیں۔ اس کے برخلاف کچھ لوگ ظاہر
خراب، باطن آباد بھی پائے جاتے ہیں لیکن چونکہ شریعت ظاہر پر حکم کرتی ہے، ہم لوگوں کے ظاہری
حال ہی پر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اور باطن کی خبر خدا کو ہے۔ جیسے کہ مومن اور مسلم دو چیزیں ہیں ویسے
کافر بھی دو طرح کا ہے۔ کافرِ ظاہر اور کافرِ باطن۔ پس کسی کے ظاہر کو شعارِ اسلام کے خلاف دیکھ کر
اُس کو کافر سمجھنا یا کافر کہہ دینا بڑی خطرناک بات ہے۔

ہمارا خیال تو یہ ہے کہ آدمی کو شروع ہی سے خدا کے بارے میں یہ غلطی واقع ہوئی ہے اور اب تک بھی اکثر خدا کے بندے اسی غلطی میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے خدا کو اپنے حواس ظاہر کے ذریعے سے معلوم کرنا چاہا اور جب ان کو اس ارادے میں کامیابی نہ ہوئی تو من مانا خدا فرض کیا۔ عہ اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اور اس کو اپنے اوہام باطلہ کا تختۂ مشق بنایا یعنی ذلیل سے ذلیل اور

بقیہ از صفحہ گزشتہ۔ کہنے لگا یہ رات تو ستارہ کہنے لگے یہی میرا پروردگار ہے پھر جب وہ بھی ڈوب ہو گیا تو بولے اگر مجھ کو میرا پروردگار راہ راست نہیں دکھائے گا تو بیشک میں بھی ان گمراہ لوگوں میں ہو جاؤں گا۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ چمکتا رہا ہے تو لگے کہنے یہی میرا پروردگار ہے یہ سب سے بڑا بھی ہے۔ پھر جب وہ بھی ڈوب ہو گیا تو بولے کہ اے قوم جب ہو کر بولے کہ بھائیو جن چیزوں کو تم شریک خدا مانتے ہو میں تو ان سے بے تعلق ہوں میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اسی ذات پاک کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں ف

ف بنی اسرائیل کی سرکشی و چشم پوشی اور شرارت کا تذکرہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں مختلف پیرایوں میں مذکور ہوا ہے۔ ازاں جملہ سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ یعنی اور وہ وقت یاد کرو جب تم نے یعنی تمہارے بڑوں نے موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ جب تک ہم خدا کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں ہم تمہارا یقین کرنے والے ہی نہیں ہیں [illegible] تو تم کو بجلی نے آ دبوچا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر تمہارے مرنے کے پیچھے ہم نے تم کو جلا اٹھایا کہ شاید تم شکر کرو۔ ازاں جملہ سورۂ اعراف کی یہ آیت ہے وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ○ یعنی اور موسیٰ نے ہمارے وعدے [illegible] اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب کئے پھر جب ان کو زلزلے نے آ لیا تو موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار تو چاہتا تو خود [illegible] ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔ ہم میں سے جو لوگ احمق ہیں وہ ایک حرکت کر بیٹھے کیا اس کی پاداش میں تو ہم کو ہلاک کئے دیتا ہے؟ یہ سب تیری آزمائش ہے [illegible] جس کو تو چاہتا ہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمارے قصور معاف کر اور ہم پر رحم فرما اور تو سب بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے ف

بقیہ صفحہ آئندہ پر

ف [illegible] خدا کے [illegible]
[illegible] تو خدا نہیں ہو سکتے۔
ف۲ [illegible] ستر آدمی منتخب کر کے کوہ طور پر لے گئے۔ وہاں [illegible]
[illegible] خدا [illegible]
[illegible]
[illegible]

عہ یعنی خواہش نفسانی کو خدا بنا رکھا ہے۔

گھڑی ہے اور خدا گھڑی ساز جس نے اِس کو بنا کر کوک دیا ہے اور گھڑی بڑی چل رہی ہے۔ ذات تو ذات، خدا کی صفات میں اس سے بڑھ کر بیہودگی کی باتیں ہے۔ غرض ہندوں نے اِتنے خُدا بنا ڈالے کہ ایک خدا کے حصّے میں پورا ایک بندہ بھی نہیں آتا، اور یہ نہ سمجھے کہ خدائے واحد کے سوائے کوئی اور خدا بھی ہوتا تو دو باسن ایک جگہ رکھے ہوئے کھٹکھٹا اُٹھتے ہیں۔ ایسا تو کیا ہے کہ دو یا زیادہ خداؤں میں اختلاف نہ ہو، اور اختلاف ہو تو دنیا ایک لمحہ نہیں ٹھیر سکتی لَوْ کَانَ فِیْهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ دو بادشاہ آپس میں لڑتے ہیں تو ملک کے ملک تباہ ہو جاتے ہیں، اور خداؤں کی لڑائی تو خدا کی پناہ! پس دنیا کا ایک اسلوب پر چلنا صاف اس بات کی دلیل ہے کہ تمام عالم میں ایک خدا کی حکومت ہے۔

اقوامِ روزگار میں دوسری قومیں خدا کے بارے میں جیسے کچھ خیالات رکھتی ہوں وہ جانیں اور اُن کی عقلیں۔ ہم کو بڑا خیال مسلمانوں کا ہے کہ اُن کے ہاں بڑا زور توحید پر ہے، مگر تاہم انہوں نے مشرکوں کی کوئی ادا نہ چھوڑی جس کی نقل نہ کی ہو۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ۔ وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِکُوْنَ اِس کو ہر شخص اپنی جگہ سمجھ لے۔ معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ۔

خدا کے بارے میں اسلامی عقیدہ ایسا سیدھا اور صاف ہے کہ اس سے زیادہ سیدھا اور صاف عقیدہ ہو نہیں سکتا۔ اسلام مخلوقات سے خدا کی ذات و صفات کا پتہ چلاتا ہے، اور یہی وہ رستہ ہے جسے وصل الی المطلوب کہہ سکتے ہیں۔ مخلوقات سے ہم کو اتنی بات کا پتہ چلتا ہے کہ کارخانۂ عالم کا بنانے والا اور سنبھالنے والا کوئی ہے، اور وہ کوئی ان چیزوں میں سے نہیں جن کو ہم معلوم کر سکتے ہیں۔ پس سوائے اِسکے ہم خدا کی ذات کے بارے میں اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ [illegible]

[illegible] اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے۔ [illegible] اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ خدا کو مانتے ہیں اور شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ [illegible] خدا آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان بھیدوں کو بھی جو لوگوں کے سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

عقلِ انسانی کی رسائی یہیں تک ہے۔

اب رہیں صفات، تو کارخانۂ عالم اور اس کے انتظام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اُس کا
بنانے والا اور اس کے انتظام کا چلانے والا ان صفتوں سے متّصف ہو یعنی اُس میں وہ کمالات
ہوں جو اُسکے صفاتی ناموں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ خدا کے ننانوے نام ہیں جو نود و نُہ نام کرکے مشہور
ہیں ان میں سے ایک نام اللہ اسمِ ذات مان لیا گیا ہے، اگرچہ معبود ہونے کی حیثیت سے اللہ کو بھی
اسمِ صفت کہہ سکتے ہیں مگر آخر اتنے سارے صفاتی نام ہوں تو کوئی اسمِ ذات بھی ہونا چاہیئے، اور
وہ اللہ ہے۔ باقی رہے اٹھانوے ۹۸ نام، وہ کسی نہ کسی صفت پر دلالت کرتے ہیں۔ اسمائے صفاتی کے
بارے میں بھی ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ صفتیں بھی خدا میں ہونی ضرور ہیں۔ بس اس سے زیادہ ہم اس
کے صفات کی توضیح نہیں کر سکتے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ خدا سمیع ہے، سب کی سنتا ہے۔ تو اس کے
یہ معنی ہیں کہ جو علم ہم بنی آدم کو حاسۂ سمع کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے وہ علم علیٰ وجہ الکمال خدا کو بھی ہے
نہ یہ کہ ہماری طرح اس کے سننے کے کان ہیں۔ ہمارے سننے کا تو یہ حال ہے کہ بولنے والا آواز کے ذریعہ سے
ہوا میں تموّج پیدا کرتا ہے اور وہ تموّج کان کے پردے سے ٹکراتا ہے، اور ہم کو آواز کا علم ہو جاتا
ہے۔ خدا اس طرح کا علم تو رکھتا ہے مگر وہ بے نیاز کان کا، اور ہوا کے تموّج کا محتاج نہیں۔ اور
اسی طرح پر خدا کی دوسری صفتوں کو قیاس کر لو۔ یہ صفتیں ہم نے اپنے اُوپر قیاس کر کے خدا میں
مان لی ہیں۔ مگر ہماری صفات ناقص ہیں خدا کی کامل واکمل۔ جیسے ذرّے کی چمک اور آفتاب
کی چمک کا مبحث۔ مزید توضیح کے لئے اسماء الحسنیٰ کے تین نقشے درجِ کتاب ہوتے ہیں۔

ان نقشوں کے ذریعے سے خدا کے اسماء ذاتی و صفاتی معلوم ہوں گے، اور یہ بھی کہ خدا کے
کون کون نام ایسے ہیں جو قرآن میں بعینہٖ تو مذکور نہیں، مگر اُن کے مادّے اور مشتقات مذکور ہیں
اور نیز ہر ایک کے ترجمے اردو میں بھی معلوم ہوں گے۔

اَلْبَصِيْرُ ـــــ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ـــــ (آل عمران ۲)

اَللَّطِيْفُ ـ اَلْخَبِيْرُ ـــ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ـ (الانعام ۶)

اَلْحَلِيْمُ ـــــ يَتْبَعُهَآ اَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ـــــ (بقرہ ۲۶۵)

اَلْعَظِيْمُ ـــــ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ـــ (بقرہ ۲۶)

اَلْغَفُوْرُ ـ اَلشَّكُوْرُ ـــ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ـ (فاطر ۲۱)

اَلْعَلِيُّ ـ اَلْكَبِيْرُ ـــ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ـــــ (سبا ۳)

اَلْحَفِيْظُ ـــــ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ـــــ (ھود ۵)

اَلْمُقِيْتُ ـــــ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ـــــ (النساء ۱)

اَلْحَسِيْبُ ـــــ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ـــــ (النساء ۱۱)

اَلْكَرِيْمُ ـــــ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ـــــ (النمل ۳۶)

اَلرَّقِيْبُ ـــــ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ـــــ (النساء ۱)

اَلْمُجِيْبُ ـــــ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ـــــ (ھود ۶)

اَلْوَاسِعُ ـــــ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ـــــ (نجم ۲)

اَلْوَدُوْدُ ـــــ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ـــــ (بروج ۱)

اَلْمَجِيْدُ ـــ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (ھود ۷)

اَلشَّهِيْدُ ـــــ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ـــــ (مائدہ ۱۶)

اَلْحَقُّ ـــــ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ـــــ (الانعام ۸)

اَلْوَكِيْلُ ـــــ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ـــــ (آل عمران ۱۸)

اَلْقَوِيُّ ـ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ (الشوریٰ ۲)

اَلْمَتِيْنُ ـ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ـــــ (ذاریٰت ۳)

اَلْوَلِیُّ۔ اَلْحَمِیْدُ — وَیَنْشُرُ رَحْمَتَہٗ وَھُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ — (شوریٰ ع۴)

اَلْمُحْیِیْ — اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ — (روم ع۵)

اَلْحَیُّ۔ اَلْقَیُّوْمُ — الٓمّٓ۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ — (آل عمران ع۱)

اَلْوَاحِدُ — وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ — (ص ع۵)

اَلصَّمَدُ — قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ — (اخلاص ع۱)

اَلْقَادِرُ — قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ — (انعام ع۸)

اَلْمُقْتَدِرُ — فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ — (قمر ع۳)

اَلْاَوَّلُ۔ اَلْاٰخِرُ۔ اَلظَّاھِرُ۔ اَلْبَاطِنُ — ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ — (حدید ع۱)

اَلْمُتَعَالِیْ — عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالِ — (رعد ع۲)

اَلْبَرُّ — اِنَّہٗ ھُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ — (طور ع۱)

اَلتَّوَّابُ — اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ — (بقرہ ع۱۵)

اَلْعَفُوُّ — اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا — (النساء ع۷)

اَلرَّءُوْفُ — اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ — (بقرہ ع۱۷)

مٰلِکُ الْمُلْکِ — قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ الخ — (آل عمران ع۳)

ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ — تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ — (الرحمٰن ع۳)

اَلْجَامِعُ — رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ — (آل عمران ع۱)

اَلْغَنِیُّ — وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ — (البقرہ ع۳۶)

اَلنُّوْرُ — اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — (النور ع۵)

اَلْحَکِیْمُ — یٰمُوْسٰٓی اِنَّہٗٓ اَنَا اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ — (النمل ع۱)

اَلْوَالِیْ — مَا لَھُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّالٍ — (رعد ع۲)

ے متعال آیت میں المتعالی کی ی رعایت سجع کی وجہ سے حذف ہوگئی

ذیل کے اسماء بعینہٖ قرآن میں موجود نہیں مگر اُن کے مشتقات مذکور ہیں

اَلْقَابِضُ اَلْبَاسِطُ ــــ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ــــ (بقرہ ع ۳۲)

اَلرَّافِعُ ــــ یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ ع۲)

اَلْمُعِزُّ اَلْمُذِلُّ ــــ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ــــ (اٰل عمران ع۳)

اَلْحَکَمُ ــــ وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَامُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ ــــ (رعد ع۶)

اَلْبَاعِثُ ــــ وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ــــ (حج ع۱)

اَلْمُحْصِیْ ــــ وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ــــ (جن ع۲)

اَلْمُبْدِئُ اَلْمُعِیْدُ ــــ اِنَّہٗ ھُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ ــــ (بروج ع۱)

اَلْمُمِیْتُ ــــ وَاللّٰہُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ــــ (اٰل عمران ع۱۷)

اَلْمُنْتَقِمُ ــــ فَاِنَّا مِنْھُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ــــ (زخرف ع۴)

اَلْمُقْسِطُ ــــ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ــــ (اٰل عمران ع۲)

اَلْمُغْنِیْ ــــ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِھِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ــــ (النور ع۴)

اَلْبَاقِیْ ــــ وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ــــ (الرحمٰن ع۱)

اَلْھَادِیْ ــــ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ــــ (المائدہ ع۵)

اَلصَّبُوْرُ ــــ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ــــ (سبا ع۲)

اَلْوَارِثُ ــــ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ــــ (حجر ع۲)

ذیل کے اسماء نہ مذکور ہیں نہ ان کے مشتقات بعینہٖ بلکہ ان کے ہم معنی الفاظ پائے جاتے ہیں

اَلْخَافِضُ. اَلْعَدْلُ. اَلْجَلِیْلُ. اَلْوَاجِدُ. اَلْمَاجِدُ. اَلْمُقَدِّمُ. اَلْمُؤَخِّرُ.
اَلْمُعْطِیْ. اَلْمَانِعُ. اَلضَّآرُّ. اَلنَّافِعُ. اَلرَّشِیْدُ۔

جس طرح کارخانہ عالم خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلالت کرتا ہے، اور ہر بڑی چھوٹی چیز سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی نے اُس کو بنایا اور پیدا کیا، اور اسی کا نام ہے خدا۔ اِسی طرح انتظام دُنیا ان صفتوں پر دلالت کرتا ہے جن کے اعتبار سے اِسماء صفاتی وضع کیے گئے ہیں یعنی یہ تمام صفتیں نہ ہوں تو کارخانہ عالم کے انتظام کا چلنا ناممکن ہو جائے۔ غرض یہی دُنیا اور اس کا انتظام ہم کو خدا کی ذات و صفات کی طرف رہبری کرتا ہے۔ ہمارے پاس عقلی شہادت خدا کی ہستی کی دلیل ہے، اور وہی عقلی شہادت ان صفات کے ساتھ خدا کے متصف ہونے کی۔ تصرفاتِ عالم پر نظر کرنے سے خدا کے صفاتی نام ہم بھی بنا لیے جا سکتے ہیں۔ مگر ننانوے ۹۹ نام حدیث سے ثابت ہوئے ہیں، اور ان میں اتنی جامعیت ہے کہ دوسرے نام بنانے کی ضرورت نہیں۔ بعض اسماء صفاتی ایسے ہیں کہ آدمی اپنے اوپر قیاس کر کے خدا کو ان ناموں سے پکارتا ہے۔ مگر خدا کے صفات انسانی صفات سے نرالے اور کمال میں ہیں۔ مثلاً خدا کو سمیع و بصیر کہتے ہیں تو اُس کے یہ معنی نہیں کہ خدا کے کان ہیں اور وہ سنتا ہے یا اس کی آنکھیں ہیں اور وہ دیکھتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو علم ہم بنی نوع بشر کو سمع و بصر کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے کامل تر خدا کو ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ خدا کے اسماء صفاتی کے صفت مشبہ کے صیغوں میں ہیں، اس واسطے کہ صفتِ مشبہ کا صیغہ ثبات و استمرار پر دلالت کرتا ہے اور اسم فاعل کہ حدوث پر، سامع اور سمیع، قادر اور قدیر میں تجدد اور استمرار حدوث اور ثبات کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔

آدمی منطقی خدا کا منکر تو ہو نہیں سکتا، اِس لئے کہ خدا نے آدمی کو عقل دی ہے، اور وہ بدیہی اس سے موافق ہے کہ ضرور کوئی زبردست اور ہے جس نے اِس مشین کو بنایا اور وہی اِس مشین کو چلا رہا ہے۔ یہاں تک تو تمام بنی آدم کا اجماع ہے، اور اجماع ہے تو ایک امرِ صحیح و قطعی یقینی پر ہے وہ حق۔ لوگ مسلمانوں کی طرح اتنے ہی پر قناعت کرتے لیکن وہ شرہ بال کی کھال نکالنے اور اوہام سے جنگ کرتے ہیں نہ جانے کب تک تحقیق، کہ جا سپر باید انداختن

پہنچے، بال، ناخن وغیرہ میں تبدیل کرنا اور ہر ایک عضو کو تائید پہنچانا۔ ان میں سے کوئی سا کام بھی آدمی
کے اختیار کا نہیں ہوتا۔ اور ان کاموں کے بدون جسم کی عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ ارادہ تو ارادہ
آدمی کو تو خبر تک بھی نہیں ہوتی اور اندرونی قوتیں خدا کے حکم سے اپنی اپنی خدمتوں کی بجا آوری کرتی
رہتی ہیں۔ یہ تو ایک غذا کا حال ہے کہ قدرتی خدمتگاروں کا ذکر نہیں۔ بونے سے لے کر پیٹ بھرنے
تک کتنے آدمی، کتنے جانور اس کام کو انجام کرتے ہیں تب کہیں جا کر لقمہ آدمی کے منہ تک لگتا ہے۔
پھر غذا کے علاوہ اور کتنی ضرورتیں ہیں جو آدمی کے پیچھے لگی ہیں۔ اس نے خود تکلف، آرائش،
آسائش کے لئے اپنے پیچھے لگا لی ہیں۔ فضولوں اور لا یعنی چیزوں کے لئے تو آدمی کو تھوڑے
بہت ہاتھ پاؤں بھی ہلانے پڑتے ہیں۔ نہایت ضروری چیزیں خدا نے اپنی قدرت سے مہیا کر دی ہیں۔ مثلاً
زندگی کی ضرورتوں میں سب سے زیادہ ضروری چیز ہوا ہے۔ کوئی متنفس دو منٹ بھی سانس لئے
بغیر زندہ نہیں رہتا۔ سو آدمی گھر میں ہو یا بازار میں، جنگل بیابان میں، تہ خانہ میں ہو یا پہاڑ پر
سانس لینے کے لئے ہوا ہر جگہ موجود۔ ہوا کے بعد دوسرے درجے پر پانی ہے۔ وہ بھی [illegible] دوبار
خدا برساتا ہے۔ دریا اور نالے بڑے بڑے بہتے ہیں۔ کہیں بھی زمین کو کھودو پانی نکل آتا ہے۔
کھانے کے لئے جنگل میں خودرو پھل پیدا ہوتے ہیں۔ [illegible] پانی کی بدولت بہت کچھ پیدا ہو۔
اور پہننے کی حاجت ہو تو خدا نے یہ توفیق دی کہ [illegible] کے عہد میں [illegible]
[illegible] بنا بنایا [illegible] آسمان سے برسے [illegible]
[illegible] ضروریات [illegible] زندگی کا [illegible] لیا ہے۔
نیز خدا تعالیٰ نے آدمی کو ایک خاص طرح کی مخلوق بنا کر پیدا کیا ہے۔ تو اس کی ضرورتوں
[illegible] مہیا کر دیا ہے۔ بہت کچھ اپنی قدرت سے اور کچھ [illegible] آدمی کے ابنائے جنس
کے ذریعے سے۔ [illegible] نے آدمی میں یہ طرح کے [illegible] کر دیتا ہے کہ لوگ دوسروں کے

[illegible] سب [illegible] کا ذکر ہے۔

بہم پہنچانے میں اُس کی مدد کریں، اور یہ لوگوں کی۔ بڑے شہروں میں ہزاروں لاکھوں آدمی بستے ہیں۔ اور ان میں بہتیرے ایسے ہیں کہ ظاہر میں ایک دوسرے سے کچھ تعلق نہیں۔ مگر حقیقۃً وہ سب ایک دوسرے کا کام کر رہے ہیں غرض آدمی کے لئے جو کام ظاہر میں دوسرے آدمی کرتے ہیں وہ بھی خدا ہی اِن سے کراتا ہے کہ اِن کو اِس کی توفیق دی ہے، اِن کو اس قابل کیا ہے، ان کے دل میں یہ بات ڈالی ہے۔ آدمی ان باتوں کو سوچے سمجھے تو ضرور تسلیم کرے گا کہ آدمی کے تعلقات تو بہت ہیں۔ مگر کوئی تعلق اس تعلق کو نہیں پاتا جو آدمی کو خدا کے ساتھ ہے۔ آدمی کے دوسرے تعلقات عارضی اور چند روزہ ہیں، مگر اِس کا تعلق خدا کے ساتھ ہر وقت کا تعلق ہے اور ابدی ہے۔ اور یہ بات تو دیباچے میں ثابت کی جا چکی ہے کہ ہر ایک تعلق کے دو پہلو ہوتے ہیں حق کا، اور ذمہ داری کا۔ سو بندوں کا تو کوئی دعویٰ اور کوئی حق خدا پر نہیں۔ ہاں اُس نے از خود بندوں کی روزی کا ذمہ لیا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا[1] اور مہربانی کا کَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ[2] سو خدا اپنی ذمہ داریوں کو جو اُس نے اپنے اُوپر لازم کر لی ہیں، بے طلب و بے تمنا باحسن الوجوہ پورا کر رہا ہے۔ رزق کے اعتبار سے وہ خیر الرازقین ہے اور مہربانی کے لحاظ سے اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْن۔

رہے اُس کے احسان بندوں پر۔ بندوں کا تو مقدور نہیں کہ اُن کو گن سکیں[3]۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا تو جیسے اُسکے بے شمار احسان، ویسے ہی اُس کے بے شمار حقوق، اور ویسے ہی اُس کی نعمتوں کے مقابلے میں بندوں کے فرائض[4] هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ دنیا میں اگر کوئی ہم پر احسان کرتا ہے، تو ہم بدل سے، خدمت سے کبھی کسی طرح اُس کا بدلہ اُتار بھی سکتے ہیں۔ مگر خدا کی نہ تو ہم سے خدمت ہی ہو سکتی ہے اور نہ وہ ہماری خدمت کی

---

[1] اور جتنے جاندار زمین میں چلتے پھرتے ہیں اُن سب کی روزی اللہ ہی کے ذمے ہے [2] جس نے از خود لوگوں پر مہربانی کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے [3] اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ان کو پورا نہ گن سکو [4] بھلا نیکی کے سوا نیکی کا بدلہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔

پرواکرتا ہے ؎[1] اِنَّ اللہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ہاں اُس کے بندوں کی خدمت بھی اُس کی خدمت ہے - اور یہی خدا ہم سے چاہتا بھی ہے ؎

دِل بدست آور کہ حجِ اکبر ست ○ از ہزاران کعبہ یک دل بہتر ست

اور یہی وجہ ہے کہ جس کو خدا نے اپنی عبادت قرار دیا ہے اُس میں بھی مقصودِ اصلی خلائق کا نفع ہے مگر کتنے آدمی ہیں جو اس نقطے کو سمجھتے ہیں شاید سو میں ایک یا دو۔

عبادتیں تین قسم کی ہیں قلبی[1] - بدنی[2] - مالی[3] قلبی عبادت سے مُراد ہے دِلی عقیدہ، دلی یقین، کہ خدا واقع میں ہے - اور عالم سارا اُسی کا بنایا ہوا ہے، اُسی کا پیدا کیا ہوا ہے - اُسی کی مخلوقات میں ایک مخلوق ہم بنی آدم بھی ہیں - مگر عقل سے سرفراز فرما کر خدا نے ہم کو ایک خاص طرح کی برتری دی ہے ؎[2] وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا کہ ہم عقل ہی کے برتے پر دُنیا میں چین سے زندگی بسر کرتے ہیں - سچ ہے کہ آدمی کو دُنیا میں تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں، بلکہ لوگ اکثر تکلیفوں کے شاکی پائے جاتے ہیں، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

در عالم بے وفا کسے خُرم نیست ○ شادی و نشاط در بنی آدم نیست
آنکس کہ دریں زمانہ اُو را غم نیست ○ یا آدم نیست، یا دریں عالم نیست

تو کیا خدا نے ہم لوگوں کو بے خطا، بے قصور، گوناگوں تکلیفوں میں مبتلا رہنے کے لئے پیدا کیا ہے؟ ایسا خیال کرنا معاذ اللہ خدا کو ظالم ٹھہرانا ہے - حالانکہ واقعی بات تو یہ ہے کہ دُنیا کی بناوٹ، دُنیا کے واقعات سے بے شائبہ اشتباہ ظاہر ہوتا ہے کہ دُنیا کے پیدا کرنے کی مصلحتوں کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے، مگر اُن میں سب سے بڑی مصلحت اظہار رحمت ہے - سرے سے پیدا کرنا ہی رحمت ہے اور پھر مخلوق کی تمام ضرورتوں کو مہیا کرنا مزید رحمت -

---

؎[1] بے شک خدا دُنیا جہان سے بے نیاز ہے ؎[2] اور جتنی مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے اُن میں بہتیروں پر اُن کو برتری دی ہے

تو آدمی کسی طرح سبکدوش تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اب رہا۔ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ
تو مصیبتیں جو آدمی کو زندگی میں پہنچتی رہتی ہیں، بہت تو اسی کی بے احتیاطی کے سبب سے ہیں مثلاً وہ
حفظ صحت کے قاعدوں کی تعمیل نہیں کرتا اور طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہوتا رہتا ہے۔ قاعدوں کے
تعمیل نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اُن قاعدوں سے واقف نہیں۔ دوسرے یہ کہ واقف تو ہے
مگر اُن پر عمل نہیں کرتا۔ تو جیسے واقف ہو کر عمل نہ کرنا اُسکا قصور ہے، ویسے ہی ناواقف رہنا بھی
اُسکا قصور ہے۔ کیوں نہیں پوچھا اور کیوں نہیں واقفیت پیدا کی۔ دریا میں رہنا ہے تو تیرنا سیکھنا ہی
پڑے گا۔ اور نہیں سیکھے گا تو ڈوبے گا ہی ضرور، اور لوگ اسی کو اُلہنا بھی دیں گے ضرور۔

یہ جو کچھ ہم نے کہا امراض جسمانی کے متعلق تھا۔ اب ان تکلیفوں پر نظر کرو جو آدمی کو ابنائے جنس
کے ہاتھوں پہنچتی ہیں۔ یہ بھی تھوڑی نہیں، اور بسا اوقات بیماری سے بڑھ کر تکلیف دہ ثابت
ہوتی ہیں۔ ان میں بھی اگر آدمی انصاف کے ساتھ دیکھے تو بہت سی ایسی نکلیں گی جو اس کی اپنی بے تدبیری
سے اسکو پہنچتی ہیں۔ ان سب کو حساب سے خارج کر کے دیکھا جائے تو عجب نہیں گنتی کی چند
تکلیفیں اضطراری بھی ہوں جن میں اس شخص تکلیف رسیدہ کو کچھ بھی دخل نہیں۔ یا شاید نہ بھی ہوں
لیکن فرض کرو کہ ہیں تو بھی خدا کی بے شمار نعمتوں کے مقابلہ میں ان کا وزن پاسنگ سے زیادہ
نہ ہوگا۔ ورنہ ان کا الزام بھی اس پر نہ ہوگا تو اس کے ابنائے جنس پر ہوگا۔ بس تو یہ بات ٹھیک
کہ آدمی پر خدا کے بے شمار احسان ہیں، اور چونکہ آدمی کی طبیعت احسان شناس واقع ہوئی ہے
اس کو ہر وقت اور ہر حال میں خدا کا احسان ماننا اور اس کا شکر کرنا چاہئے۔ بڑی بات تو خدا
کا جاننا پہچاننا، اور اس کی ہستی کا یقین کرنا ہے۔ اور اسی پر انسان کی زندگی کی کامیابی کا منحصر
ہے۔ کیونکہ آدمی خدا کا یقین رکھے گا تو ضرور اُس کے حقوق اور اپنے فرائض کو بھی سمجھے گا، اور سمجھے گا
تو تھوڑا بہت عمل بھی کرے گا۔ اور عمل کرے گا تو آپ بھی راضی رہے گا، اور اوروں کو بھی
راضی رکھے گا، اور خدا بھی اس کی فرمانبرداری سے خوش ہوگا۔ اسلئے کہ خدا نے جو حکم دیئے ہیں خود آدمی

بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِیْلًا ۔ خدا نے جو عبادت کو اپنا حق اور ہم بندوں کا فرض قرار دیا ہے، تو اِس کا اصل مطلب اِس بات کا ظاہر کرنا ہے کہ ہم اُس کے بندے ہیں۔ پھر بندگی کے ظاہر کرنے کے اس نے طریقے بتا دیئے ہیں۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ان تمام طریقوں سے خلق اللہ کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے ع راحت بدل رساں کہ ہمیں مذہب ست و بس۔ اور بعض طریقے سے صاف طور پر یہ بات ظاہر نہیں ہوتی، تو کم سے کم اِتنا تو ہے کہ خدا کا خیال تازہ ہوتا ہے۔ اور عبادت گزار کی، بلکہ سارے مسلمانوں کی، بلکہ کُل عالم کی، فلاحِ دارین اِسی خیال پر منحصر ہے۔

ممانعتِ شرک

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا

(یوسفؑ نے اُن دو قیدیوں سے جنہوں نے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھی تھی یہ بھی کہا) اور میں اپنے باپ دادوں (یعنی) ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کے دین پر چلتا رہا ہوں۔ ہم کو شایاں نہیں کہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنائیں۔ یہ (عقیدۂ توحید) خدا کا ایک فضل ہے جو اُس نے ہم پر اور لوگوں پر کیا ہے، مگر اکثر لوگ اُس کی نعمت کا شکر نہیں کرتے۔ اے یارانِ مجلس! بھلا دیکھو تو سہی کہ جدا جدا معبود اچھے یا خدائے یگانہ و زبردست؟ تم لوگ خدا کے سوا جن چیزوں کی پرستش کرتے ہو وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیے ہیں۔ خدا نے تو ان کے معبود ہونے کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ (سن رکھو کہ) حکومت تو بس ایک خدا ہی کی ہے، اُس نے حکم دیا ہے کہ صرف اُسی کی

ف عقیدۂ توحید پیغمبروں کے حق میں فضلِ خاص تو یوں ہے کہ وہ اُس کی تبلیغ کا ذریعہ ہیں اور لوگوں کے حق میں یوں ہے کہ ان کی بدولت وہ اُمت کو عقیدۂ توحید کی تعلیم دے کر نجات کے رستے پر لے چلتے ہیں۔

توحید اور ممانعتِ شرک دونوں کا مطلب ایک ہے۔ توحید کے بارے میں جو آیتیں ہیں، وہ حکم کے
پیرایے میں ہیں کہ خدا کو اس کی ذات و صفات میں یگانہ مانو۔ اس سے ممانعتِ شرک مستنبط ہوتی ہے۔
لیکن چونکہ توحید کا معاملہ بڑا اہتمام بالشان ہے، اس لئے نہی کے پیرایے میں بھی ممانعتِ شرک کی بہت سی
آیتیں قرآن میں پائی جاتی ہیں۔ دینِ الٰہی آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر بالتغیر و تبدل چلا آتا ہے، اور
اس کا اصل الاصول توحید ہے کہ خدا کو ایک مانا جائے۔ مگر دین کے اسی ایک رکن توحید میں ایسا ضعف
آگیا تھا کہ جو لوگ بت پرست تھے سو تھے، اہلِ کتاب بھی توحید میں رخنہ اندازیاں کرنے لگے تھے،
یعنی یہود عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا، اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی خدا کا بیٹا اور بعض
مستقل خدا ماننے لگے تھے۔ نصاریٰ میں جو لوگ حضرت عیسیٰ کو مستقل خدا مانتے ہیں وہ عجیب
طرح پر خدا کے بارے میں تثلیث اور توحید دو متناقض باتوں کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں۔ نہ اس
نکتے کو خود سمجھتے ہیں اور نہ دوسرے کو سمجھا سکتے ہیں۔ ظاہر بات یہ ہے کہ انسان کو صرف وجود عاقل
ہونے کی وجہ سے دین و مذہب کی تکلیف دی گئی ہے۔ مگر چونکہ عقلِ انسانی محدود عقل ہے، بہت سی
باتیں ہیں جن کو انسان نہیں سمجھتا۔ مثلاً دور کیوں جاؤ، خود اسی کی روح ہے کہ آج تک کسی نے
روح کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ مگر خیر یہی روح ہے، لیکن سمجھ میں نہ آنا اور بات ہے اور انکار
عقلی بالکل دوسری بات ہے۔ خدا کی ذات اور اس کی صفات عقلِ انسانی میں آنے کی باتیں نہیں، مگر شرک کہ اس میں
بت پرستی اور عقیدۂ تثلیث سب داخل ہیں، ایسی باتیں ہیں کہ عقل ان کو قبول نہیں کرتی، نہ یہ کہ سمجھتی نہیں۔ بس ضعفِ توحید کو
دور کرنے کے لئے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اسلام اور یہودیت اور نصرانیت میں اور بھی چند در چند
اختلافات ہیں۔ وہ حقیقت میں فروعی ہیں، مثلاً سبت کے دن کا لحاظ، ادائے عبادت کے اوقات، بعض جانوروں کی حلت و حرمت، تشبیہ، قبلہ،
پاکی ناپاکی کے اور بعض مسائل۔ بڑا اختلاف جو اسلام اور اہلِ کتاب کے عقائد میں ہے، وہ توحید ہے۔
قرآن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید اصلِ دین ہے اور اسلام اس کے بارے میں کسی طرح کی
کوتاہی اور تاویل کو جائز نہیں رکھتا۔ ہم نے جو کچھ اس کتاب کے دیباچے اور عنوانِ توحید کے

کے ذیل میں لکھا ہے، وہ ممانعتِ شرک کے لئے بھی بس کرتا ہے۔ خداشناسی کا سیدھا راستہ
جو اسلام نے تعلیم کیا ہے یہ ہے کہ کارخانۂ عالم پر نظر کرکے ادنےٰ تامل سے ہمارا دل گواہی دیتا ہے
کہ اس کارخانے کا بنانے والا اور سنبھالنے والا کوئی ہے۔ اور وہ کوئی ان چیزوں میں سے نہیں
جن کو ہم دیکھتے اور دیکھ سکتے ہیں۔ ہم اپنے تئیں عقل و دانش کے اعتبار سے اشرف المخلوقات پاتے
ہیں لیکن ہم خود اپنی جگہ درماندہ ہیں مجبور ہو کر ہم کو ایسی ہستی کا قائل ہونا پڑتا ہے جو ہماری اور مخلوقات
کی جنس میں سے نہیں ہے۔ پس خدا کے ہونے کی ہمارے پاس ایک یہی دلیل ہے، ہمارے دل
کی گواہی۔ ہم نے اپنے دل کی گواہی کو جب جب آزمایا صحیح ثابت ہوئی۔ مثلاً ہم صبح کے وقت
مشرق کی طرف روشنی ہوتی دیکھتے ہیں، اور ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ آفتاب نکلنے والا ہے،
اور اس گواہی کے صحیح ثابت کرنے کیلئے واقع میں بھی آفتاب نکلتا ہے۔ یا مثلاً ہم کو دور سے
دھواں اٹھتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اور ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ دھواں کسی آگ سے پیدا ہوا
ہے۔ ہم موقع پر جا کر دیکھتے ہیں تو واقع میں آگ پاتے ہیں۔ ہم نے لوگوں کو مرتے دیکھا ہے، اور
ایک شخص خاص کی نسبت ہم حکم لگاتے ہیں کہ یہ بھی مرے گا، اور وہ واقع میں آخر کو مرتا ہے۔
اسی طرح جب ہم ایک بنا ہوا مکان یا ایک چلتی گھڑی دیکھتے ہیں تو ہمارا ذہن فوراً اس طرف منتقل
ہوتا ہے کہ اس مکان کا بنانے والا کوئی معمار، اور گھڑی کا بنانے والا کوئی گھڑی ساز ضرور ہے،
اور تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ واقع میں مکان کا تعمیر کرنے والا معمار، اور گھڑی کا بنانے والا
گھڑی ساز ہے ہی۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے دل کی گواہی، یا ہماری عقل کا حکم کسی بات میں غلط ہو
اور کرے تو خدا کے بارے میں۔ ہم نے ثابت کیا کہ مخلوقات جن کو دیکھ کر ہم نے سمجھا ہے کہ
ان کا بنانے والا مرئیات اور مشاہدات میں سے نہیں ہے، بلکہ ایک ہستی ہے جس کو ہم چشمِ سر سے
نہیں دیکھ سکتے۔ اور اسی کو ہم لوگ خدا کہتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہم نے خدا کی ذات کو پہچانا،
اسی طرح اس کی صفات کو پہچانا۔ اور جس دلیل سے ہم نے خدا کو مانا اسی دلیل سے ہم نے اس کو ایک

بھی ہوتا۔ ایک ہونا خدا کے لئے شرطِ ضروری ہے۔ اگر اُس کی ذات یا صفات میں کوئی اور شریک ہو، تو ایسا خدا خدا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ شرکت گر ہوئی تو خود خدا میں کسی طرح کا ضعف ہوگا جس کی تلافی شرکت کی جاتی ہے۔ اور ضعف کا نام آیا، اور خدائی گئی گزری ہوئی جس کے سر میں عقل ہے یعنی جس نے انسانیت کا جامہ پہنا ہے۔ وہ خدا کا منکر تو ہو نہیں سکتا۔ خدا کے خیال کو دل میں جگہ نہ دینا انکار ہی نہیں ہے بلکہ غفلت ہے۔ اور اس سے کوئی فردِ بشر خالی نہیں، اِلَّا ماشاءاللہ، یہاں تک کہ خود جنابِ رسالت مآب فرماتے ہیں عہ لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ شرک ایک اعتبار سے انکار نہیں ہے، مگر دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو وہ بھی داخلِ انکار ہے۔ شرک ایسی بلا ہے کہ اس سے محفوظ رہنا بہت دشوار ہے، اِسلئے کہ شرک کی دو قسمیں ہیں۔ شرکِ جلی، اور شرکِ خفی۔ بتوں کو پوجنا، فرشتوں اور پیغمبروں، اور بزرگانِ دین، یا سوائے خدا کے کسی چیز میں خدا کی صفتوں میں سے کسی صفت کا ہونا تسلیم کرنا شرکِ جلی ہے۔ اور شرکِ خفی کے بہت سے اقسام ہیں ازاں جملہ لوگوں کے نام ایسے رکھنا جن سے بوئے شرک پیدا ہوتی ہو۔

اصل میں شرک کی تین قسمیں ہیں، شرک فی الذات۔ شرک فی الصفات۔ شرک فی الاسماء۔ شرک فی الذات تو یہ ہے کہ کئی خدا مانے جائیں۔ اور منکرِ خدا بھی مشرک فی الذات کے ذیل میں ہے۔ شرک فی الصفات یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی دوسرے کو ان صفات سے متصف مانا جائے جو خدا کے ساتھ خاص ہیں۔ شرک فی الاسماء کو ہم نے شرک کی ثالث قسم قرار دیا ہے۔ مگر از بسکہ اسماء مشتق ہیں۔ شرک فی الاسماء حقیقت میں شرک فی الصفات ہے۔ شرک فی الاسماء کو قسم مستقل قرار دینا ایک آیت کی وجہ سے ہوا ہے۔ جو مع ترجمہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا

عہ یعنی میرے لئے خدا کے ساتھ ایک وقتِ خاص ہے جس میں نہ تو مقرب فرشتے کو گنجائش ہوتی ہے نہ نبی مرسل کو۔

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی اور اللہ کے سب ہی نام اچھے ہیں۔ تو اُس کے نام لے کر اُس کو جس نام سے چاہو پکارو۔ اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کفر کرتے ہیں اُن کو اُن ہی کے حال پر چھوڑ دو۔ کوئی دن جاتا ہے کہ وہ اپنے کئے کا بدلہ پائینگے"۔

ناموں میں کفر کرنے کے بہت پیرائے ہیں ازاں جملہ جو بدنصیبی سے مسلمانوں میں بھی بکثرت شائع ہے یہ کہ خدا کے سوا کسی اور کو اُن صفتوں سے پکارا جائے، جو خدا کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جیسے مشکل کشا۔ دستگیر۔ اَن داتا۔ شہنشاہ وغیرہ۔

رب

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (یوسف ع ۱۰ پ ۱۳)

یعقوب نے اپنے بیٹوں سے یہ بھی کہا کہ بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اُس کے بھائی کو ڈھونڈو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ خدا کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوا کرتے ہیں جو کافر ہیں۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ (حجر ع ۴ پ ۱۴)

اے پیغمبر! ہمارے بندوں کو آگاہ کردو کہ بیشک ہم بخشنے والے مہربان ہیں اور دوسری طرف ہمارا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (زمر ع ۶ پ ۲۴)

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتی کر کے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ اللہ تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور وہ بے شک بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

عنوان جا میں ذیل کی چند آیتیں بھی داخل ہو سکتی ہیں:-

۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (یونس ع ۱ پ ۱۱) ۲۔ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا (بنی اسرائیل ع ۶ پ ۱۵)

۳۔ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ (زمر ع ۱ پ ۲۳)

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (نحل ع ۱۳ پارہ ۱۴)

اور جب تم لوگ آپس میں قول و قرار کر لو، تو اللہ کی قسم کو پورا کرو اور قسموں کو پکا کرنے کے پیچھے نہ توڑو، جب کہ تم اللہ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو۔ کچھ شک نہیں کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔

ایفاء عہد کے عنوان میں ذیل کی آیتیں بھی ملاحظہ ہوں۔

۱۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا الخ (نحل رکوع ۱۳ پارہ ۱۴)

۲۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (احزاب ع ۳ پارہ ۲۱)

انابت و رجوع

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ (ہود ع ۸ پارہ ۱۲)

وَاَنِيْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (الزمر ع ۶ پارہ ۲۴)

شعیب نے کہا بھائیو! بھلا دیکھو تو سہی اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں، اور وہ مجھ کو اپنے فضل سے عمدہ یعنی حق و حلال روزی دیتا ہے (تو کیا میں ان سے روگردانی کر کے تمہاری طرح حرام کی کمائی کھانے لگوں؟) اور میں نہیں چاہتا کہ جس (کام کے کرنے) سے تم کو منع کروں خود تمہارے برعکس آپ اس کو کرنے لگوں۔ میں تو اپنے مقدور بھر (تمہارے معاملے کی) اصلاح چاہتا ہوں اور بس۔ اور اس ارادے میں میرا کامیاب ہونا تو بس خدا ہی کی تائید سے ہو سکتا ہے۔ میں تو اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہو اور اس کی فرمانبرداری کرو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب نازل ہو اور پھر تم کو کسی طرف سے مدد بھی نہ پہنچ سکے۔

ف لوگوں میں جو قول و قرار اکثر قسم کھا کر ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ قول قرار کرو تو اللہ کی قسم کو پورا کرو ...

وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ○ (آل عمران ع ۹ پارہ ۳) — اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

اس عنوان کے متعلق ذیل کی آیتیں بھی ہیں۔

۱۔ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ الخ (آل عمران ع ۲ پارہ ۳)

۲۔ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ الخ (النساء ع ۱۸ پارہ ۵)

۳۔ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى الخ (لقمان ع ۳ پارہ ۲۱)

۴۔ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (مومن ع ۷ پارہ ۲۴)

توکل

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ○ (رعد ع ۴ پارہ ۱۳)

(اے پیغمبر!) جس طرح ہم نے اور پیغمبر بھیجے تھے اسی طرح ہم نے تم کو بھی (اِس زمانے کے) لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، جن سے پہلے اور لوگ بھی ہو گزرے ہیں اور تمہارے بھیجنے سے غرض یہ ہے کہ جو (قرآن) تم پر وحی کے ذریعہ سے ہم نے اتارا ہے، وہ ان کو پڑھ کر سناؤ اور یہ لوگ (صرف تمہاری پیغمبری کے منکر نہیں بلکہ سرے سے) خدائے رحمٰن ہی سے منکر ہیں۔ (تم ان سے) کہو کہ وہی میرا پروردگار ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور (ہر بات میں) اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (ہود ع ۱۰ پارہ ۱۲)

اور آسمانوں اور زمین میں جو غیب کی باتیں ہیں ان کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اور ہر ایک کام (کا دارومدار) آخر کار اسی پر جا کر ٹھیرتا ہے۔ تو اے پیغمبر! اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اے پیغمبر! تمہارا پروردگار اس سے غافل نہیں۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

اور جو شخص اللہ پر بھروسہ رکھے گا تو خدا اس کی کفایت

---

۱ بعض عنوان اشتراک کی وجہ سے وابستہ کر کے قائم کئے گئے ہیں مثلاً استقامت اور توکل کہ یہ دونوں اعمال قلبی و اعمال لسانی میں مشترک ہیں کیونکہ استقامت عام ہے استقامت قولی اور استقامت قلبی کو۔

إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○ (الطلاق ع ۱ پارہ ۲۸)

کے عمل کرنے کو کافی ہے بے شک جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ اس کو پورا کر کے رہتا ہے اللہ نے تو ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھیرا ہی رکھا ہے۔

توکل کے بارے میں قرآن کے مختلف مقامات میں سب کچھ مذکور ہوا ہے منجملہ ان کے چند آیتیں ہیں

۱۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (انفال ع ۱ پارہ ۹)

۲۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ الخ (ہود ع ۸ پارہ ۱۲)

۳۔ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ الخ (ابراہیم ع ۲ پارہ ۱۳)

۴۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ (فرقان ع ۵ پارہ ۱۹)

۵۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (شعراء ع ۱۱ پارہ ۱۹)

۶۔ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ الخ (النمل ع ۶ پارہ ۲۰)

۷۔ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (عنکبوت ع ۶ پارہ ۲۱)

۸۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ الخ (احزاب ع ۶ پارہ ۲۱)

۹۔ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ الخ (الشوریٰ ع ۲ پارہ ۲۵)

۱۰۔ فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (شوریٰ ع ۴ پارہ ۲۵)

۱۱۔ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (التغابن ع ۲ پارہ ۲۸)

۱۲۔ قُلْ هُوَ الرَّحْمَٰنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا (ملک ع ۲ پارہ ۲۹)

۱۳۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (آل عمران ع ۱۷ پارہ ۴)

استقامت

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۗ وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ○ (حم السجدہ ع ۱ پارہ ۲۴)

(اے پیغمبر) تم ان لوگوں سے کہو کہ میں (بھی) تم ہی جیسا بشر ہوں۔ مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود بس وہی ایک معبود ہے۔ پس سیدھے اسی کی طرف متوجہ رہو اور اس سے (اپنے گناہوں) کی معافی مانگو۔ اور شرک کرنے والے پر افسوس جو زکوٰۃ نہیں دیتے، اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔

فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ آمَنْتُ

تو (اے پیغمبر) تم لوگوں کو اسی (دین) کی طرف بلاتے رہو اور خود بھی جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے اس پر قائم رہو اور ان (یہودی و نصاریٰ) کی خواہشوں پر نہ چلو۔ اور کہو (صاف

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ؕ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ؕ اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ؕ (شوریٰ ع ۲ پارہ ۲۵)

کہہ دو کہ کتاب (کی قسم) میں سے جو کچھ خدا نے اتارا ہے میرا تو سب پر ایمان ہے۔ اور مجھ کو (خدا کی طرف سے) حکم ملا ہے کہ میں درمیان تمہارے اختلاف کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کروں۔ وہی اللہ تو ہمارا پروردگار ہے اور وہی تمہارا بھی۔ ہمارا کیا ہم کو اور تمہارا کیا تم کو، ہم میں اور تم میں کچھ جھگڑا نہیں، اللہ ہی قیامت کے دن ہم کو اور تم کو یکجا جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

استقامت کے باب میں یہ آیتیں بھی شامل ہیں:-

۱۔ فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَکَ (ہود ع ۱۰ پ ۱۲)
۲۔ فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ (روم ع ۴)
۳۔ فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ (روم ع ۵)
۴۔ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا (یونس ع ۱۱)
۵۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (حم سجدہ ع ۴ / احقاف ع ۲)

گیا۔ ان فصلوں میں سے پہلی تین کی بابت تو جو کچھ ہم کو لکھنا تھا لکھ چکے۔ باقی ماندہ آٹھ فصلوں کو ہم ایک جگہ لکھے دیتے ہیں کیونکہ ہم کو ان فصلوں میں کچھ زیادہ لکھنا نہیں ہے۔ ہر فصل کے متعلق چند آیتیں اس فصل کے عنوان کے ذیل میں قرآن سے نقل کر دی گئی ہیں اور بس کرتے ہیں۔ جب آدمی نے خدا کو خدا کر کے مانا تو وہ اس کی نافرمانی سے ڈرے گا بھی، اور اسی کا نام ہے خشیۃ اللہ، اور وہ اس کے احکام و اوامر و نواہی پر عمل آور بھی ہو گا۔ چوتھی فصل اطاعت ہے، اور وہ بندہ خداشناس ایفائے عہد بھی کرے گا۔ اس عنوان کے متعلق ہم کو یہ کہنا ہے کہ ایفائے عہد کے ذیل میں جو آیتیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے کسی میں تو مطلق عہد ہے کسی میں عہد اللہ، جہاں مطلق عہد ہے وہاں بھی مفسروں نے اسے عہد اللہ ہی سمجھا ہے، اور عہد اللہ سے مراد ہے عہدِ فطرت جو قرآن کی ان دو آیتوں سے لیا گیا ہے[1] وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ

[1] اور اے پیغمبر ان لوگوں کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی نسلوں کو باہر نکالا اور ان کے مقابلے میں خود انہی کو گواہ بنایا (اور ان سے پوچھا) کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب بولے ہاں ہم اس بات کے گواہ ہیں (اور یہ اقرار ہم نے) اس غرض سے لیا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں قیامت کے دن کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر ہی رہے یا کہنے لگو کہ ہم کو کیا پتہ، شرک تو ہمارے باپ دادا نے پہلے کیا تھا اور ہم ان کی اولاد تھے کہ ان کے بعد پیدا ہوئے، تو کیا جیسا ان گمراہوں نے کیا ہم بھی ویسا ہی کر گزرے، تو کیا خدا ہم کو ان لوگوں کے جرم کی پاداش میں ہلاک کئے دیتا ہے جنہوں نے پہلے غلطی کی۔

خوش دلی اور رضامندی کے ساتھ اختیار کرے۔ جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے ایک بہتر
ایوب کی رضا و تسلیم کا واقعہ قرآن مجید کے کئی موقعوں پر مذکور ہوا ہے منجملہ ایک سورۂ انبیاء
کی اس آیت میں وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ○
یعنی اور اے پیغمبر، ایوب کی وہ حالت یاد کرو، جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا
کہ مجھ کو یہ، بیماری لگ گئی ہے۔ اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے،
(تو میرے حال پر رحم فرما)

ایوب علیہ السلام بڑے خوش حال پیغمبر تھے۔ سب طرح کی برکتیں، مال اولاد اور تندرستی
وغیرہ، خدا نے ان کو دے رکھی تھیں اور وہ حالتِ خوشحالی میں خدا کے شکر گزار بندے تھے۔
پھر خدا نے ان کو مصیبت سے آزمانا چاہا۔ مال اور اولاد سب فنا ہو گئے۔ اپنے تئیں کوڑھ کا
مرض لگ گیا۔ اور مشہور یہ ہے کہ بدن میں کیڑے بھی پڑ گئے تھے۔ مگر اس حال میں بھی وہ خدا
کا شکر کرتے رہے اور امتحان میں پورے اترے، تو خدا نے اپنے فضل سے ان کی پھر ویسی ہی خوشحالی
کی حالت کر دی۔ بلکہ اس سے بہتر۔

یہ مرتبہ تو خاصانِ خدا کا ہے کہ مصیبت میں بھی دل میں خدا کی طرف سے کسی طرح کی شکایت
کا خیال نہ آئے۔ تاہم کوشش کرنی چاہیئے کہ "ہر چہ از دوست میرسد نیکو است"۔ خدا تعا
خدا نے ہم کو دشمنی کرنے کے لئے پیدا نہیں کیا۔ اگر کوئی امر ناملائم پیش آجاتا ہے، تو وہ ہمارے
ہی کردار بد کا نتیجہ ہوتا ہے مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ[1]
کسی گھر میں کوئی موت واقع ہو جاتی ہے، تو خاص کر عورتیں رونے پیٹنے میں ایسی باتیں بکنے لگتی ہیں کہ
ہائے میں لٹ گئی، یا خدا نے مجھ کو برباد کر دیا۔ اس قسم کے کلمات کفر تک پہنچتے ہیں۔ گرچہ
ایسی باتوں سے اعتقاد میں خلل نہیں آتا۔ مگر آدمی اس طرح کی بے صبری ظاہر کر کے اپنے دین کا بھی نقصان

۱ے اے بندے، حقیقت حال تو یہ ہے کہ تجھ کو کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ کہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور تجھ کو کوئی نقصان پہنچے تو سمجھ کہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

کر لیتا ہے۔ پھر جب آدمی نے خدا کو خدا کر کے مانا، تو وہ ہر وقت خدا کی رحمت کا بھی امیدوار رہے گا۔ اور ہر ایک مطلب کے حاصل کرنے میں خدا کی توفیق، خدا کی امداد پر بھروسہ کرے گا۔

توکل کی اصل تو یہ ہے کہ آدمی کو غیب کا تو علم نہیں۔ تو اس کو چاہیئے کہ اپنے مدعا کے حاصل کرنے میں سعی و طلب کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے۔ اور سعی و طلب بھی کرے تو اس یقین کے ساتھ کہ خدا اس کی ضرور مدد کرے گا۔ یہ تو اصل حقیقت توکل کی ہے۔ مگر لوگوں نے اس کو کاہلی کا حیلہ بنا رکھا ہے۔ اور بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے توکل کے یہ معنی سمجھے ہیں کہ دست و پا شکستہ ہو کر خود کچھ نہ کریں، خدا ہم تک رزق کو لیتا ہے کہ بے شک خدا نے فرمایا[۱] وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ رزقِ عباد کے ذمہ داری کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے زمین میں سب طرح کا غلہ اور میوہ اور پھل پیدا کرنے کی صلاحیت دی ہے، اور آدمی کو اس کا سلیقہ دیا کہ زمین کو جوتے، اس میں بیج ڈالے، بیج کے پھوٹنے کے بعد روئیدگی کی خبر رکھے، کھاد اور آبپاشی سے اس کو قوت پہنچاتا ہے، پھر فصل کی حفاظت رکھے، اس کے بعد خدا پر اعتماد کرے کہ وہی اپنے فضل سے اس کی کوشش کو کامیاب کرتا ہے اور کرے گا۔[۲] مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ۔ کسان متوکل وہی کاشتکار ہے جو اپنے بس کے تمام عمل، جوتنا، بونا وغیرہ کر کے خدا کے فضل پر نظر رکھتا ہے۔ لیکن جو شخص ان عملوں کی زحمت نہ اٹھائے، وہ ہرگز متوکل نہیں۔ اور جس نے توکل کے معنی یوں سمجھا ہے، بلکہ وہ غافل اور کاہل ہے۔ اور عبث بیجا توقعات لگائے بیٹھا ہے۔ دینی پیشواؤں میں جو یہاں ہے وہ گروہِ علما ہوں یا گروہِ مشائخ، بہت سے مدعی توکل ہوتے ہیں۔ اور انہوں نے عوام کالانعام کو بڑے مغالطے میں ڈال رکھا ہے

---

۱ اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا نہیں مگر اس سب کی روزی اللہ کے ذمے ہے۔
۲ جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کی کھیتی میں اس کے لئے برکت دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس میں سے اس کو دیتے ہیں مگر پھر آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

اور قومی دولت کو اُن کی وجہ سے بڑا نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور جو لوگ ثواب سمجھ کر اُن کی خدمتیں کرتے ہیں، وہ ثواب کے عوض خدا کے حضور میں عجب نہیں کہ اُن کی جواب دہی میں پکڑے جائیں۔ بہرکیف لوگوں کو توکل کے بارے میں اپنے خیالات ٹھیک کرنے چاہئیں

استقامت کے معنی ہیں قیام و ثبات، جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ یعنی اصل سچے مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا اور اللہ کے رستے میں اپنے جان و مال سے کوشش کی۔ حقیقت میں یہی سچے مسلمان ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اَحَبُّ الْعَمَلِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُہٗ یعنی خدا کو سب عملوں سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی اور مداومت کی جائے۔ اور واقع میں گنڈے دار نمازیں ایسی ہیں جیسے مدرسے میں لڑکوں کی غیر حاضری۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ ایسے لڑکے ہمیشہ ناکام رہتے ہیں۔ عمل تو عمل، عقائد کا یہ حال ہے کہ ایک آواز مخالف عقائد کی تمام عمارت کو ایک دم سے مسمار کر دیتی ہے۔ اور آج کل مخالف آوازوں کا بڑا غُل مچا ہوا ہے۔ اور اسلام شروع سے اختلافوں کا ہدف بنتا رہا ہے۔ بے توفیق الٰہی استقامت حاصل نہیں ہو سکتی رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۔ اے ہمارے پروردگار، ہم کو راہِ راست پر لائے پیچھے ہمارے دلوں کو ڈانواڈول نہ کر، اور اپنی سرکار سے ہم کو رحمت کا خلعت عطا فرما۔ کچھ شک نہیں کہ تو بڑا دینے والا ہے۔

حمد و ثنا کے متعلق ذیل کی آیتیں بھی داخلِ عنوانِ مذکورۂ بالا ہو سکتی ہیں۔

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (انعام ع ۱ پ ۷)

۲۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (ابراہیم ع ۶ پ ۱۳)

۳۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (کہف ع ۱ پ ۱۵)

۴۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا الخ (النمل ع ۲ پ ۱۹)

۵۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (لقمٰن ع ۳ پ ۲۱) ۶۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (سبا ع ۱ پ ۲۲)

۷۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ (فاطر ع ۱ پ ۲۲) ۸۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (فاطر ع ۴ پ ۲۲)

۹۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ الخ (زمر ع ۸ پ ۲۴) ۱۰۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (یونس ع ۱ پ ۱۱)

۱۱۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا (اعراف ع ۵ پ ۸) ۱۲۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (انعام ع ۵ پ ۷)

۱۳۔ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (صٰفّٰت ع ۵ پ ۲۳) ۱۴۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (جاثیہ ع ۴ پ ۲۵)

تسبیح و تقدیس

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی (طٰہٰ ع ۸ پارہ ۱۶)

تو اے پیغمبر! جیسی جیسی باتیں یہ کافر کہتے ہیں اُن پر صبر کرو اور آفتاب نکلنے سے پہلے اور نیز اس کے ڈوبنے سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس کیا کرو۔ اور نیز رات کے وقتوں میں، اور اطرافِ دن کے یعنی ظہر کے وقت بھی تسبیح و تقدیس کیا کرو تاکہ تم اس عبادت کے صلہ پر خوش ہو جاؤ۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ (الروم ع ۲ پارہ ۲۱)

پس جس وقت تم لوگوں کو شام ہو اور جس وقت تم کو صبح ہو اللہ کی تسبیح و تقدیس کرو۔ اور آسمان و زمین میں اُسی کی تعریف ہے اور تیسرے پہر اور جب تم لوگوں کو دوپہر ہو اللہ کی تسبیح و تقدیس کرو۔

تسبیح تقدیس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تمام عیوب سے بری اور نقص سے پاک ہے۔ تسبیح عام ذکرِ الٰہی پر بھی بولا جاتا ہے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

(آل عمران ع ۲۰ پارہ ۴)

(کارخانہ عالم کو بے فائدہ تو نہیں بنایا۔ تیری ذات ایسے فعل عبث کے کرنے سے پاک ہے۔ اور یہ کارخانہ خبر دے رہا ہے کہ آخرت میں نیکی کی جزا اور بدی کی سزا ہونی ہے تو اب ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ)

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ○

(اعراف ع ۲۴ پارہ ۹)

اور اے پیغمبر اپنے جی ہی جی میں گڑگڑا کر اور ڈر کر اور پست آواز سے بھی صبح و شام اپنے پروردگار کی یاد کرتے رہو اور اس کی یاد سے غافل نہ ہونا

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ○ (عنکبوت ع ۵ پ ۲۱)

(اے پیغمبر) یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے رہو کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے۔ اور یاد خدا بہت بڑی چیز ہے اور جو کچھ بھی تم لوگ کرتے ہو خدا جانتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ○ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○

(احزاب ع ۶ پارہ ۲۲)

مسلمانو! کثرت سے اللہ کو یاد کیا کرو۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح (و تقدیس) کرتے رہو۔

عنوان ذکر اللہ میں ذیل کی آیتیں بھی شامل ہیں:-

۱۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ [illegible]

۲۔ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ [illegible]

۳۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ [illegible]

۴۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰۤى [illegible]

۵۔ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا [illegible]

۶۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [illegible]

۷۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا [illegible]

۸۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا [illegible]

۹۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا [illegible]

ذکرِ نعمت

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ۠ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (آل عمران - ع - پارہ ٤)

اور سب مل کر مضبوطی سے اللہ (کے دین) کی رسی پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ رہنا۔ اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے، اور تم آگ کے گڑھے (یعنی دوزخ) کے کنارے پر کھڑے تھے، پھر اس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم راہِ راست پر آجاؤ ف۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (مائدہ ع پارہ ٦)

مسلمانو! اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو کہ جب کچھ لوگوں نے تم پر ہاتھ دراز کرنے کا قصد کیا، تو خدا نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور مسلمانوں کو چاہئیے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں ف۲۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ز

لوگو اللہ کے احسان جو تم پر ہیں ان کو یاد کرو۔ بھلا اللہ کے سوا کوئی اور بھی پیدا کرنے والا ہے جو آسمان و زمین سے تم کو روزی دے؟ (تو) اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم (لوگ) کدھر

ف پیغمبر صاحب کی بعثت سے پہلے عرب [illegible] لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ مدینے کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں سینکڑوں برس تک لڑائی رہی تھی۔ [illegible] اسلام کی برکت سے لوگ اپنی اگلی عداوتیں بھول گئے۔
ہم نے آیات کا ترجمہ [illegible] ہے (اور قدرت کی) نشانیاں بھی ہو سکتا ہے۔
ف۲ [illegible] خون بہا طلب کرنے گئے یہود نے اقرار کیا [illegible] کر دیں۔
[illegible]

ومن كفر فان الله غنى حميد ○ (لقمان ع ۲ پارہ ۲۱)

اور جو ناشکری کرتا ہے تو خدا بھی بے پروا اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔

شکر کے متعلق ذیل کی آیتیں بھی ہیں۔

۱۔ وعلمنه صنعة لبوس لكم لتحصنكم من باسكم فهل انتم شكرون (انبیاء ع ۶ پارہ ۱۷)

۲۔ اعملوا ال داود شكرا وقليل من عبادى الشكور (سبا ع ۲ پارہ ۲۲)

۳۔ قال يموسى انى اصطفيتك على الناس برسلتى وبكلامى فخذ ما اتيتك وكن من الشكرين

۴۔ وقال رب اوزعنى ان اشكر نعمتك التى انعمت على وعلى والدى وان اعمل صالحا ترضه وادخلنى برحمتك فى عبادك الصلحين (نمل ع ۲ پارہ ۱۹)

۵۔ ووصينا الانسان بوالديه حملته امه وهنا على وهن وفصله فى عامين ان اشكر لى ولوالديك (لقمان ع ۲)

۶۔ ووصينا الانسان بوالديه احسنا حملته امه كرها ووضعته كرها وحمله وفصله ثلثون شهرا حتى اذا بلغ اشده وبلغ اربعين سنة قال رب اوزعنى ان اشكر نعمتك التى انعمت على

دُعا

واذا سالك عبادى عنى فانى قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبوا لى وليؤمنوا بى لعلهم يرشدون ○ (البقرہ ع ۲۳ پارہ ۲)

اور (اے پیغمبر) جب ہمارے بندے تم سے ہمارے بارے میں دریافت کریں تو (اُن کو سمجھا دو کہ) ہم (اُن کے) پاس ہیں۔ جب کبھی کوئی ہم سے دعا کرے تو ہم (ہر ایک) دعا کرنے والے کی دعا کو سنتے اور (مناسب ہو تو) قبول بھی کر لیتے ہیں تو اُن کو چاہئیے کہ ہمارا حکم (بھی) مانیں اور ہم پر ایمان لائیں تاکہ وہ سیدھے رستے لگ لیں ف

ادعوا ربكم تضرعا وخفية انه لا يحب المعتدين ○

(لوگو!) اپنے پروردگار سے (گڑگڑا گڑگڑا کر) اور چپکے چپکے دعا کرتے رہو، کیونکہ وہ حد سے باہر قدم رکھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ف

ف [illegible] کے بارے میں [illegible] خیالات [illegible] کئے جاتے تھے۔ [illegible] دور کر دیا۔

ف کا حاشیہ صفحہ آئندہ پر

لَمْ يَنْفَعُوكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوكَ بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ (ترمذی)

تو نفع نہیں پہنچا سکیں گے، مگر اس چیز سے جو خدا تیرے لئے مفید لکھ چکا۔ اور اگر سب جمع ہو کر تجھے کسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکیں گے، مگر اس چیز سے جو خدا تیرے حق میں مضر لکھ چکا۔ قلم کو جو لکھنا تھا لکھ چکا اور کاغذ خشک ہو گئے۔

خشوع[1] و خضوع

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (البقرہ ع ۵ پارہ ۱)

اور (لوگو) مصیبت کی برداشت کے لئے صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔ اور البتہ نماز شاق ہے مگر ان پر (نہیں) جو عاجزی کرنے والے ہیں (اور) جو یہ خیال (پیش نظر) رکھتے ہیں کہ وہ آخر کار اپنے پروردگار سے ملنے والے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (آل عمران ع ۲۰ پارہ ۴)

اور اہل کتاب میں سے بے شک کچھ لوگ ایسے (بھی) ہیں جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کتاب تم (مسلمانوں) پر اتری ہے اور جو ان پر اتری ہے ان (سب) پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور ہر وقت اللہ کے آگے جھکے رہتے ہیں اور اللہ کی آیتوں کے عوض میں (دنیاوی) فائدوں کے تھوڑے دام نہیں لیتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اجر ان کے پروردگار کے ہاں (تیار موجود) ہیں۔ ان کو اجر حاصل کرنے میں زحمت نہ اٹھانی پڑے گی کیونکہ اللہ جلدی حساب کرنے والا ہے۔

---

[1] خشوع و خضوع میں فرق یہ ہے کہ آواز اور نگاہ کو پست کرنے کو خشوع کہتے ہیں۔ قال تعالیٰ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ اور بدن و جوارح سے سکنت و فروتنی ظاہر کرنے کا نام خضوع ہے۔ [illegible] فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ۔ وہ ایک ایسی خصلت ہے کہ جو اس کو اختیار کر لیتا ہے دنیا کی تکلیفیں اس پر آسان ہو جاتی ہیں [illegible] اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت تھی کہ جب آپ کو کسی طرح کی تشویش ہوتی تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ مگر جن لوگوں کے دل میں خدا کی عظمت کا خیال نہیں ان کو نماز کی پابندی بھی بجائے خود ایک مصیبت معلوم ہوتی ہے۔

وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ۝

(انبیاء ع ۶ - پارہ ۱۷)

اور (اے پیغمبر!) زکریا کو (یاد کرو) جب انہوں نے (اولاد کی طرف سے مایوس ہو کر) اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اکیلا (یعنی بے اولاد) نہ چھوڑ اور (لوں تو) تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے۔ تو ہم نے ان کی (فریاد) سن لی اور ان کو یحییٰ (فرزند) عنایت کیا، اور ان کی بی بی کو ان کے لئے بعد چنگا کر دیا[1]۔ یہ لوگ (جن کا اوپر مذکور ہوا یعنی نوح۔ ابراہیم۔ لوط۔ اسحٰق۔ یعقوب۔ داؤد۔ سلیمان۔ ایوب۔ اسمٰعیل۔ ادریس۔ ذوالکفل۔ ذوالنون۔ یونس۔ زکریا۔ یحییٰ) نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو (ہمارے فضل کی) توقع اور (ہمارے عذاب کے) خوف سے پکارتے رہتے تھے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔

فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ (الحج ع ۵ پارہ ۱۷)

سو (لوگو!) تم سب کا معبود ہی (خدائے) واحد ہے، تو اسی کے فرماں بردار ہو۔ اور (اے پیغمبر!) عاجزی کرنے والے بندوں کو (جنت کی) خوشخبری سنا دو (جو) ایسے (نیک) ہیں، کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے ان کے دل لرز اٹھتے ہیں۔ اور جو مصیبت ان پر آ پڑے، اس پر صبر کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں، اور جو ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔

عنوان مذکورہ میں ذیل کی آیتیں بھی پڑھو:-

۱۔ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ع ۱ پارہ ۱۸)

۲۔ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا (بنی اسرائیل ع ۱۲ پارہ ۱۵)

۳۔ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ (ع پارہ ۱۷)

تضرع و عجز

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ

(لوگو!) اپنے پروردگار سے گڑگڑا کر اور چپکے

[1] یعنی ان بی بی کا بانجھ پن جو تھا اس کو اپنی قدرت سے دور کر دیا۔

اس باب کی پہلی پانچ فصلیں یعنی خدا کی عظمت۔ حمد و ثنا۔ تسبیح و تقدیس۔ ذکر اللہ۔ ذکرِ نعمت،
یہ ایسی ہیں کہ اس قدر ملتی جلتی ہیں کہ ان میں صرف لفظی فرق ہے، ورنہ مفہوم سب کا ایک ہے۔ سب سے
پہلے خدا کی عظمت کا خیال ہوتا ہے جو پہلی فصل ہے۔ اس کے بعد باقی کی چار فصلوں کے مضامین عمل میں
آتے ہیں۔ اور وہ سب قریب قریب ایک ہی قسم کے ہیں۔ تسبیح و تقدیس بھی ایک خاص طرح کی حمد و ثنا
ہی ہے۔ کیونکہ تسبیح کے معنی یہ ہیں کہ خدا تمام عیوب سے بری اور نقصانات سے پاک ہے۔ پھر ذکر اللہ
سے بھی خدا کی حمد و ثنا ہی مقصود ہے۔ کیونکہ بندہ جب خدا کا ذکر کرے گا تو حمد و ثنا اور تسبیح
و تقدیس ہی کے ساتھ کرے گا۔ بلکہ محض اللہ کا نام لینا بھی داخل حمد و ثنا ہے۔ اگرچہ اللہ کو اسم ذات
مان لیا گیا ہے۔ مگر اُس کے معنی بھی معبود کے ہیں اور معبود ہونا سب سے بڑی تعریف ہے۔ پھر جہاں بندہ
خدا کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس کرتا ہے، اُسی کے ضمن میں وہ اُس کی نعمتوں کو بھی بیان کرتا ہے اور
اس بیان سے اظہارِ احسان مندی مقصود ہوتا ہے۔

ہم نے حقوق اللہ کی چار قسمیں لکھی ہیں۔ ۱ اعمالِ قلبی۔ ۲ اعمالِ لسانی۔ ۳ اعمالِ بدنی۔ ۴ اعمالِ مالی۔
اس تقسیم سے ایسا خیال کیا جا سکتا ہے کہ ایک طرح کے عمل کو دوسرے طرح کے عمل میں دخل نہیں۔ لیکن اصل
حقیقت یہ ہے کہ پہلے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ پھر اُس کا اثر اعضاء اور جوارح اور مال
پر ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس اعتبار سے قلب ہر ایک عمل میں شریک ہے۔ اعمالِ قلب میں ہم نے اُن
ہی مضامین کو لیا جو خیال سے متعلق ہیں۔ اور جب وہ خیال اپنا اثر ظاہر کرنے لگا تو وہ عمل اعمالِ
باقی ماندہ میں سے کسی قسم میں داخل ہو جائے گا۔ اعمالِ لسانی کے باب کی چھٹی فصل شکر ہے اور یہ نتیجہ
ہے پہلی پانچ فصلوں کا۔ یعنی جب آدمی خدا کو یاد کرے گا، اور خدا کو یاد کرنا ہوتا ہے اُس کی عظمت
کے تصور اور حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس کے ذریعے سے اُس کی نعمتوں اور احسانوں کا اقرار کرے گا۔ تو ضرور
ہے کہ وہ خدا کا شکر بھی کرے۔ شکر کے معنی ہیں احسان مندی جو اکثر زبان کے ذریعے سے ہوتا ہے۔
یہ بھی انسانی فطرت ہے کہ آدمی اپنے محسن کا احسان مانے۔ دنیا میں کوئی کسی پر احسان کرتا ہے تو اکثر

وہ خدمت وغیرہ سے احسان کا معاوضہ کر دیتا ہے؟ مگر خدا بندوں کی خدمت سے بے نیاز ہے۔ اُس کے احسانات کا معاوضہ اقرارِ نعمت کے سوائے اور کیا ہو سکتا ہے اور چونکہ اُس کی نعمتیں بے حد ہیں نتیجہ یہ ہے کہ بندے بقدرِ واجب اُس کا شکر نہیں کر سکتے ؎

گر کسے شکرِ حق فزوں گوید ○ شکرِ توفیقِ شکر چوں گوید

شکر گزاری اور اظہارِ احسان مندی خود شکر گزار کے حق میں موجب مزید نعمت ہوتی ہے۔ دنیا میں تو اس کا نتیجہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کے احسان کا شکر کیا جائے تو محسن کو مزید احسان کی طرف ترغیب ہوتی ہے۔ اور کفرانِ نعمت کی صورت میں محسن کے دل میں یک مخالفت کی پیدا ہو جاتی ہے، تا بحدیکہ وہ دی ہوئی نعمت کو بھی چھین لینا چاہتا ہے اور وَلَئِن شَکَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ[1] سے ثابت ہے کہ بندوں کے ساتھ خدا کا معاملہ بھی اسی طرح پر ہے۔

انسان اگر فطرتاً شکر گزار پیدا کیا گیا ہے تو یہ فطرتِ سلیم کا مذکور ہے۔ ورنہ عام طبیعتیں تو اِس قسم کی واقع ہوتی ہیں کہ خدا کی نعمتوں کو بھول کر بھی یاد نہیں کرتیں۔ "قدرِ نعمت بعد زوال" ایک مشہور مقولہ ہے اور بالکل مطابق واقع ہے۔ بیمار کو تندرستی کی، مفلس کو تونگری کی، بھوکے کو سیری کی، مسافر کو وطن کی، اُس وقت قدر معلوم ہوتی ہے جب اُس کی حالت بہتر سے بدتر ہو جائے۔

شکر گزاری کی صفت کو ترقی دینے کی آسان تدبیر یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اپنے سے بدتر پر نظر کرتا رہے، اور اُس کو اپنے سے بدتر اُسی طرح کے آدمی ہر وقت ہر جا مل سکیں گے، بلکہ اگر آدمی اپنی حالت کا مقابلہ دوسری مخلوقات سے کیا کرے تو بھی شکر گزاری کا خیال اُس کے دل میں ضرور پیدا ہوگا۔ مسلمانوں میں کھانا پانی پینے کے بعد الحمد للہ کہا کرنے کے بعد

[1] لوگو! اگر تم ہمارا شکر کرو گے تو ہم اور زیادہ نعمتیں دیں گے۔ اور اگر تم نے ناشکری کی تو ہمارا عذاب بڑا سخت ہے۔
[2] حدیث ابو سعیدؓ میں یہ ہے: [illegible] الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین [illegible] کا ترجمہ دونوں کے سلسلے میں دیکھو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ[1]، یا نیا کپڑا پہن کر، یا چھینک کے بعد
کہ وہ دلیل تندرستی ہے، الحمد للہ کہنا بڑی عمدہ تعلیم ہے۔ اور مسلمان کو چاہیئے کہ اس کے التزام کا
اہتمام رکھے۔ باب کی ساتویں فصل دعا ہے۔ اور آٹھویں فصل توبہ و استغفار، اور نویں استعاذہ، اور دسویں
استعانت ہیں، یہ بھی دعا میں داخل ہیں۔ توبہ کے معنی ہیں رجوع یعنی بندے سے کوئی قصور ہو گیا، اور
اس کی ندامت ہوئی، اور وہ اپنی اس حرکتِ بیجا سے باز آیا، یہی توبہ ہے۔ استغفار طلبِ معافی
ہے۔ استعاذہ خدا سے پناہ مانگنا ہے، وساوسِ شیطانی سے، دشمنوں کی ایذا سے، اور ہر طرح کے
شر سے۔ استعانت خدا سے مدد مانگنا ہے ہر ایک نیک ارادے کے عمل میں لانے پر۔ رہی مطلق
دعا، اس میں کل دنیاوی اور اخروی مطالب، چھوٹے ہوں یا بڑے، داخل ہیں۔ قرآنی دعائیں بعض تو
خدا کی تعلیم کی ہوئی ہیں اور بعض پیغمبروں کی ہیں۔ اور چونکہ پیغمبر بھی دوسری طرح کے آدمیوں کی طرح
آدمی تھے، ان میں اور دوسرے آدمیوں میں اگر فرق تھا تو صرف اسی قدر کہ ان پر وحی نازل ہوتی تھی،
ورنہ بشر ہونے کی حیثیت سے ان کو وہی حاجتیں اور ضرورتیں پیش آتی تھیں جو دوسرے لوگوں کو آتی
آتی ہیں۔ ان کو بیماریاں ہوتی تھیں اور وہ تندرستی کی آرزو کرتے تھے، بعض لاولد تھے اور ان
کو نہ صرف اولاد کی تمنا تھی کہ ہمارے متروکات کے مالک ہوں گے بلکہ دینِ الٰہی کی خدمت
و حفاظت کے لئے وہ اپنا معین و مددگار چاہتے تھے۔ طرح طرح کی ایذائیں پاتے تھے اور
چاہتے تھے کہ ان کو کسی طرح ان ایذاؤں سے نجات ہو۔ بعض سے بتقاضائے بشریت کچھ لغزشیں
بھی ہو جاتی تھیں جو ان کی شان کے شایاں نہ تھیں، اور وہ خدا سے ان لغزشوں کی معافی مانگتے تھے۔
غرض پیغمبروں کو بھی اسی طرح کی حاجتیں پیش آتی تھیں جو عموماً لوگوں کو پیش آتی رہتی ہیں۔ اور وہ

---

[1] عن ابی سعید الخدری قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا استجد ثوبًا یقول اللّٰھم لک الحمد انت
کسوتنی ھذا اسألک خیرہ وخیر ما صنع لہ واعوذ بک من شرہ وشر ما صنع لہ۔ یعنی حضرت
ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نیا کپڑا پہنتے تو فرماتے خداوندا تیرے ہی لئے حمد و ثنا ہے، تو نے
یہ کپڑا مجھے پہنایا ہے، میں تجھ سے اس کپڑے کی بھلائی اور جس لئے یہ بنایا گیا ہے اس کی بھلائی کا
طالب ہوں اور اس کی برائی اور جس کے لئے بنایا گیا ہے اس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔

ہوتا ہے، مگر اُسکے حصول میں کسی سببِ خفی کو دخل ہو تو ہم پر منکشف نہیں۔ وہ سب سے بڑی بات
یہ ہے کہ کوئی سا کام بھی ہو چھوٹا ہو یا بڑا، اُسکے سرانجام پانے کے کچھ نہ کچھ اسباب ہوں، اُس کے
حصول کا بڑا سبب ہے آدمی کا ارادہ مثلاً ایک مکان بنانا ہے۔ بے شک اس کی تعمیر کے اسباب بہت
سے درکار ہیں، ہر شخص نہیں کہ اول مسالہ ہے تو تعمیر میں لگ جاتا ہے۔ مگر کسی کا ذہن بھی اس طرف
منتقل ہوتا ہے کہ سبب اوّل مالکِ مکان کا ارادہ ہے؟ اسی طرح جب آدمی کے ارادے
کو اتنا بڑا دخل ہے، تو خدا کے ارادے کو کیوں نہ ہو؟ ایک دہریہ، ملحد، لامذہب ایسے شکوک
پیدا کرے تو کر سکتا ہے۔ مگر جو شخص خدا کا قائل ہے، اُس کو ایسے شکوک کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اور
ہمارا خیال تو یہ ہے کہ جس نے آدمی کی جون میں جنم لیا ہے یعنی انسانیت کا جامہ پہنا ہے، وہ خدا
کا منکر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جو منہ سے انکار کرتا ہے یہ اُس کے نفس کا مکر ہے جیسا کہ فرعون پر
گذرا تھا کہ وہ ساری عمر اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی[1] کہتا رہا۔ مگر جب دریا میں ڈوبنے لگا تو خدا کا اور اُس کے
معبود ہونے کا اقرار کیا۔[2] وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا
حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ
آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ
اٰیَةً وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ خدا کا انکار اور خدا کی کسی صفت کا انکار دونوں

---

[1] میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں [2] اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتار دیا۔ پھر فرعون اور اس کے
لشکریوں نے سرکشی اور شرارت کی راہ سے اُن کا پیچھا کیا یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا پانی میں
تو کہنے لگا اب مجھ کو یقین آیا کہ جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لے آئے ہیں اُس کے سوا کوئی اور معبود نہیں اور
اب میں بھی اُس کے فرمانبرداروں میں ہوں۔ تو خدا نے ملامت کی اور فرمایا کیا اب ایسے وقت میں ایمان
اور تیرا حال تو یہ تھا کہ اس سے پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا۔ اور تو مفسدوں میں کا ایک بڑا مفسد تھا۔ تو آج ہم تیری
جان کو تو نہیں مگر تیرے بدن کو پانی میں غرق ہونے سے بچا دیں گے تاکہ جو لوگ تیرے بعد
آنے والے ہیں تو اُن کے لئے نشانی عبرت ہو۔ اور یقیناً بہت سے لوگ ہماری قدرت کی نشانیوں سے
غافل ہیں۔

ایک درجے میں ہیں۔ خدا کی صفتوں میں سے ایک صفت قدرت ہے کہ وہ مسبب الاسباب ہے۔ یعنی سبب میں سبب ہونے کی صلاحیت اُس نے پیدا کی ہے۔ وہ خود کسی سبب کا محتاج نہیں۔ آخر اُس نے دُنیا کا اتنا بڑا کارخانہ بے ساز و سامان بے تقدم سبب پیدا کر ہی دیا

اب رہا دُعا کا مقبول و نامقبول ہونا، تو بے شک خدا کا فرمودہ ہے[1] اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ قال تو قبول کرنے کے وہ معنی نہیں جو لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں بلکہ یہ آیت اُن لوگوں کے رد میں نازل ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ جو خدا کی طرف سے بوجہ من الوجوہ مایوس تھے۔ اور ایسا اتفاق ایک بڑے خداشناس کو پیش آچکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڈھے ہو گئے تھے توالد و تناسل کی عمر سے متجاوز اور اُن کی بی بی بوڑھی ہونے کے علاوہ بانجھ بھی تھیں اور اس پر حضرت ابراہیم کو اولاد کی تمنا تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قصہ قرآن کی ان آیتوں میں مذکور ہے[2] وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ۝ قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ تو مطلب یہ ہے کہ بتقاضائے بشریت پیغمبروں تک کو بعض وقت یاس و ناامیدی ہوتی ہے۔ ایسی حالت کی اصلاح کے لئے آیہ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کا نازل ہونا قرین قیاس ہے۔ دوسرے یہ کہ شاید اُن لوگوں کا رد منظور ہو جو حاجت پڑنے پر خدا کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں۔ تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم سے دعا کرو ہم دعائیں قبول کرتے ہیں یعنی قبول کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ تو یہ آیت ہم مطلب

---

[1] ہوا ہم سے دُعا میں مانگتے رہو ہم تمہاری دُعا قبول کریں گے [2] اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنا دو۔ جب ابراہیم کے پاس آئے تو پہلے سلام کیا۔ ابراہیم نے جواب سلام کے بعد کہا کہ ہم کو تو تم سے ڈر لگتا ہے وہ بولے آپ خوف نہ کیجیے ہم آپ کو ایک فرزند کے پیدا ہونے کی خوشخبری سناتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا کیا تم مجھے بڑھاپے میں خوشخبری دیتے ہو اور مجھ کو تو بڑھاپے نے آ دبایا ہے تو اب کس بات کی خوشخبری سناتے ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم آپ کو سچی خوشخبری سناتے ہیں تو آپ ناامید نہ ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ گمراہوں کے سوا ایسا کون ہے جو اپنے پروردگار کی رحمت سے ناامید ہو؟

ان آیتوں کے ترجمے لہ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ
أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۝ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ
كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ
لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ

کو وعدہ قبول دعا بھی سمجھا جائے تو پیرایہ قبول دعا کی صراحت نہیں۔ آدمی کو علم غیب کی خبر تو ہے نہیں
تو وہ ضرورت پڑے پر بھی مضطر ہو کر ایسی بات کے لئے دعا کرتا ہے کہ انجام کار اس کے حق میں مضر
ہوگی۔ اور اگر اس کو پہلے سے خبر ہوتی تو وہ ہرگز دعا نہ کرتا جیسا کہ ایک واقعہ حضرت خضر کو پیش
آیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بحکم خدا ان کی شاگردی کرنے گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے شرط کر لی تھی
کہ میری کسی بات میں از خود دخل نہ دینا۔ اور جو کچھ بھی میں کروں۔ اس پر اعتراض نہ کرنا اور نہ اس کی وجہ
پوچھنا۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے غریب ملاحوں کی کشتی کو اس کا تختہ اکھاڑ کر بیکار کر دیا۔
پھر ایک لڑکے کو مار ڈالا۔ پھر ایک گاؤں میں گئے لوگوں سے طالب ضیافت ہوئے۔ انہوں نے
ٹھینگا دکھا دیا۔ ایک دیوار دیکھی کہ وہ گرنے کو ہو رہی تھی۔ اس کو بے مزدوری درست کر دیا۔ حضرت خضر
کی یہ حرکتیں موسیٰ علیہ السلام نے دیکھیں۔ اول بار کشتی بیکار کر دینے کی وجہ پوچھی۔ خضر نے
ڈانٹ بتائی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے لڑکے کے بے وجہ مار ڈالنے کا سبب دریافت کیا تو خضر نے
ناخوش ہو کر کہا کہ تم بڑے چلبلے آدمی ہو۔ تم سے ضبط نہیں ہو سکتا۔ اگر پھر تم نے میری کسی بات

لہ اور ہوا جب سمندر میں تم کو کسی طرح کی تکلیف پہنچتی ہے۔ تو جن معبودوں کو تم پکارا کرتے تھے وہ سب
بھولے بسرے ہو جاتے ہیں۔ مگر وہی ایک خدا یاد رہتا ہے۔ پھر جب خدا تم کو سمندر سے خشکی کی طرف نکال لاتا ہے
تو اس سے منہ پھیر لیتے ہو۔ اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے [illegible]

بیٹے کو نالائق اور ناسعادتمند کیا۔ اسی طرح خدا نے آدمی کو بااختیار پیدا کیا ہے، اُس کو نیکی اور بدی کے دونوں رستے دکھا دیئے ہیں اور اُس کو پوری آزادی دی ہے کہ نیکی کو اختیار کرے یا بدی کو مگر خدا جو عالم الغیب ہے، وہ پہلے سے جان چکا ہے کہ یہ شخص اپنے کرنے سے نیک ہوگا یا بد۔ لوگ اپنے ارادے سے بُرے بھلے بنتے ہیں، خدا اُن کے ارادے کو جانتا ہے، مگر خدا نے اُن کے ارادوں پر اپنا اختیار اُٹھا لیا ہے۔ یا ایک طبیب مہربان ایک بیمار مزمن کی تندرستی کے لئے تدبیریں کرتا ہے مگر بیمار کی طبیعت بدپرہیزی واقع ہوتی ہے، اور طبیب کو معلوم ہے کہ یہ شخص ضرور بدپرہیزی کریگا اور ضرور ہلاک بھی ہوگا۔ تو اگر وہ شخص واقع میں بدپرہیزی کرے اور ہلاک ہو جائے، طبیب کو اُس کے ہلاک ہونے کا الزام نہیں دیا جائے گا۔ ہم تقدیر کو جس کے معنی جبر کے ہیں، آدمی کے اُن افعال میں تسلیم کرتے ہیں جو اُس کے اختیار سے خارج ہیں، مثلاً ایک شخص ایک وقت خاص میں اور ایک خاص ملک میں، اور ایک خاص خاندان میں پیدا ہوا۔ تو یہ اُسکے اختیار سے خارج ہے۔ اور اسی کو ہم تقدیر سمجھتے ہیں اور جو امور آدمی کے اختیار میں ہیں، اُن کو تقدیر الٰہی سے کچھ تعلق نہیں۔

اسی بحث سے ملتی ہوئی ایک بات یہ بھی ہے کہ قرآن میں پہلی اُمتوں کے بہت سے حالات بیان کیے گئے ہیں جن پر اُن کی نافرمانی کی وجہ سے وقتاً فوقتاً عذابِ الٰہی نازل ہوتے رہے۔ مثلاً قوم عاد جن کے پیغمبر ہود علیہ السلام تھے، یہ لوگ بڑے توانا اور قدآور تھے، اور اپنی توانائی اور قدآوری پر مغرور ہو کر خدا سے باغی ہو گئے تھے۔ ہود علیہ السلام نے اُن کو بہت کچھ سمجھایا۔ اُنہوں نے ہود کے سمجھانے کی مطلق پروا نہ کی۔ اس نافرمانی اور سرکشی کی سزا میں خدا نے ایسے زور کی آندھی چلائی کہ جو جہاں تھا دب کر رہ گیا اور قوم کی قوم ہلاک کر دی گئی۔ یہی حال حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا ہوا کہ وہ بھی طرح طرح کی بدکرداریاں کرتے تھے۔ صالح علیہ السلام نے پیغمبری کا دعویٰ کر کے اُن کو سمجھایا۔ اُنہوں نے معجزہ طلب کیا۔ پہاڑ سے ایک اونٹنی ظاہر ہوئی اور صالح علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ بس یہی معجزہ

ہے۔ دیکھو اس کو ہاتھ نہ لگانا۔ کمبختوں نے براہِ شوخی و شرارت اُونٹنی کو ذبح کر ڈالا۔ ایک کڑک کی آواز ہوئی کہ سارے کے سارے مر کر رہ گئے۔ فرعون خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بنی اسرائیل پر طرح طرح کے ظلم روا رکھتا تھا۔ آخر کو ڈبو دیا گیا۔ قارون کو کبر و نخوت اور بخل کی سزا میں زمین میں دھنسا دیا گیا۔ بنی اسرائیل کی بہت سی شرارتیں قرآن میں مذکور ہیں۔ ادھر شرارت کی اور ادھر عذاب آیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو یہ بیماری تھی کہ وہ ناپ تول میں کمی کر کے لوگوں کا نقصان کرتے تھے۔ ایک ابرِ سیاہ آیا اور آگ برسا کر سب کو ہلاک کر گیا۔ لوط علیہ السلام کی قوم کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ یہ حالات قرآن میں اس غرض سے مذکور ہوئے ہیں کہ لوگ خدا کی نافرمانی اور سرکشی اور گناہ اور فساد سے باز آئیں اور عذابِ الٰہی سے ڈرتے رہیں۔ غرض گناہ اور عذاب میں جو خدا نے علت و معلول کا تعلق رکھا ہے بہت لوگ اس میں اشتباہات کرتے ہیں۔ سبب یہ کہ انہوں نے اپنے نزدیک علت و معلول کے علاقے کی کوئی وجہ نہ پائی اور لگے شبہ کرنے۔ حالانکہ آدمی کوئی سی دو چیزوں میں جو علاقہ علیت و معلولیت کی وجہ نہیں سمجھ سکتا۔ مثلاً یہ تو ہم جانتے ہیں کہ مقناطیسی سوئی کا ایک سرا ہمیشہ شمال کی طرف رہتا ہے جیسا کہ قبلہ نماؤں میں دیکھتے ہو، مگر اس کی وجہ جاننے سے ہمارا فہم قاصر ہے اور یہی حال علیت و معلولیت کے تمام علاقوں کا ہے۔ ہر وزنی چیز زمین پر تو گرتی ہے، مگر کیوں گرتی ہے۔ بنا بریں اشتباہات جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اُن کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنی معلومات کو جامع اور اپنی عقل کو رسا خیال کرتے ہیں۔ برعکس اس کے عقل خود بکمال اور وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا[1] کی طرف اُن کا ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ بسا اوقات کسی مصلحت سے دنیا میں گناہ کا نتیجہ واقع نہیں بھی ہوتا اور آخرت پر ملتوی رکھا جاتا ہے۔ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ[2] لیکن گناہ اور عذاب میں جو علاقہ ہے، آخر عذاب سے اس علاقے میں کچھ ضعف نہیں آتا۔ دنیا میں ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک بدکرداری کا نتیجہ بد کئی کئی پشتوں کے بعد ظاہر

---

[1] [illegible] تم کو علم الٰہی میں سے بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے۔ [2] اور ہم اُن کو دنیا میں مہلت دیتے ہیں۔ بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔

ہو جاتا ہے۔ مگر ہوا ہے نہ ہو جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جیسے کہ قبر تک میں نکل کر رہتی ہے۔ غرض گناہ کرکے آدمی کو سزا کی حرکت سے مطمئن نہ ہونا چاہئے۔ ہاں اس کا تدارک اگر ہے تو توبہ و استغفار ہے۔

اس جگہ وہ دعائیں جمع کر دی گئی ہیں جو جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر کام و ہر وقت کے لئے منقول ہیں۔ وہ جن کی مسلمانوں کو نماز روزے وغیرہ عبادت و کھانے پینے، سوتے، جاگتے، یہاں تک کہ نشست و برخاست کرتے وقت ضرورت پڑتی ہے۔

نماز کی دعائیں:— نماز شروع کرتے وقت جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرات سے پہلے یہ دعا پڑھا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ[1] بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ. اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ (اخرجه الخمسة الا الترمذي) اور کبھی پڑھتے [2]إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَقِنِي سَيِّئَ الْأَعْمَالِ وَسَيِّئَ الْأَخْلَاقِ لَا يَقِي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ۔

رکوع و سجود کی دعائیں:— حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ[3] اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّهُ وَجِلَّهُ وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَسِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ کبھی سجدے میں یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ[4] إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَأَعُوذُ بِمُعَافَاتِكَ

---

[1] اے خداوند تو مجھ میں اور میرے گناہوں میں اتنی ہی دوری ڈال دے جتنی مشرق اور مغرب میں دوری ڈالی ہے۔ اے خداوند مجھے گناہوں سے ایسا پاک صاف کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل سے پاک صاف کیا جاتا ہے۔ اے خداوند مجھے گناہوں سے پانی اور برف اور اولے سے دھو دے۔ [2] بیشک میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے۔ اور میں سب سے پہلے فرمانبرداری کرنے والا ہوں۔ اے خداوند مجھے بہترین اعمال اور بہترین اخلاق کی ہدایت دے، تیرے سوا کوئی بہترین اعمال و اخلاق کی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور مجھے بدترین اعمال اور بدترین اخلاق سے بچا لے۔ تیرے سوا کوئی بدترین اعمال و اخلاق سے نہیں بچا سکتا۔ [3] اے خداوند میرے سب گناہ چھوٹے اور بڑے اگلے اور پچھلے ظاہر و پوشیدہ سب بخش دے۔ [4] اے خداوند میں تیری رضامندی کے ذریعہ سے تیری ناخوشی سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور تیری معافی کے ذریعہ سے تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور تیرے

تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں تیری تعریف کا شمار نہیں کر سکتا۔ تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف خود کی ہے۔

مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ حالتِ رکوع میں اکثر تو یہ دعا پڑھتے۔ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اور کبھی یوں فرماتے اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ اَنْتَ رَبِّیْ خَشَعَ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَعَظْمِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

قومے کی دعا: — جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے کھڑے ہو کر فرماتے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ۔

جلسے کی دعا: — جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے بیچ میں بیٹھ کر یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ۔

تشہد کے بعد کی دعا: — حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ (رواہ ابوداؤد)

سلام پھیرنے کے بعد کی دعا: — حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد تین دفعہ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ کہتے اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (اخرجہ الخمسہ)

کعب بن عجرہ کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تینتیس [۳۳] دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ

[illegible]

اور اسی قدر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور چونتیس دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے اور فرماتے کہ یہ کلمے معقبات ہیں جو شخص انہیں ہر نماز کے پیچھے کہے گا وہ کبھی ناکام نہیں رہنے کا۔

عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ مجھے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے پیچھے معوذتین یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھنے کا حکم فرمایا۔

رات کو اُٹھنے کے بعد کی دُعا: ــــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کیلئے اُٹھتے تو یہ دُعا پڑھتے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ الْحَقُّ وَلِقَآءُکَ حَقٌّ وَقَوْلُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ (اخرجہ الستۃ)

صبح وشام کی دعائیں: ــــــ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام یہ دُعا پڑھا کرتے تھے رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا

ا خدا کو سب تعریف ہے ۲ اللہ بہت بڑا ہے ۳ خداوندا اے ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے تعریف ہے، تو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے سب کا برپا رکھنے والا ہے۔ اور تیرے ہی لئے تعریف ہے تو آسمانوں اور زمین کا اور جتنی چیزیں ان میں ہیں سب کا روشن کرنے والا ہے۔ اور تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ تو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے سب کا مالک ہے۔ اور تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ تو سچا ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تجھ سے ملنا برحق ہے اور تیری بات سچی ہے اور جنت حق ہے، اور دوزخ حق ہے، سارے نبی سچے ہیں اور محمد برحق نبی ہیں، اور قیامت حق ہے۔ خداوندا میں نے تیرے آگے گردن جھکا دی ہے۔ اور تجھ پر ایمان لایا ہوں، اور تجھ ہی پر بھروسہ کیا ہے، اور تیری ہی طرف رجوع ہوا ہوں۔ اور میں تیری ہی مدد سے دشمنوں سے جھگڑا کرتا ہوں، اور تیری ہی طرف فیصلہ لاتا ہوں۔ تو تو میرے وہ گناہ بخش دے جو میں نے پہلے کئے اور جو پیچھے، اور جو میں نے پوشیدہ کئے اور جو ظاہر، اور وہ گناہ بخش دے جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو اپنے نیک بندوں کو آگے بڑھانے اور بدوں کو پیچھے ہٹانے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ۴ ہم خدا سے راضی ہوئے اس کے پروردگار ہونے کے اور اسلام سے راضی ہوئے اس کے دین ہونے کے، اور محمد سے راضی ہوئے ان کے پیغمبر ہونے کے راضی ہوئے۔

حضرتِ حذیفہؓ سے روایت ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بچھونے پر آکر یہ دعا پڑھتے تھے۔ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى اور نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔

حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد کیا کہ جب تو بچھونے پر آکر لیٹے تو یہ دعا پڑھ۔ اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِىْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِىْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِىْ اِلَيْكَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِىْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِىْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِىْ اَرْسَلْتَ۔

حضرت براءؓ کا بیان ہے کہ بعد کو حضرت نے فرمایا کہ براءؓ اگر تو اس رات میں مرے گا تو سیدھی فطرت پر مرے گا، اور اگر صبح کو زندہ اٹھے گا تو بھلائی کو پہنچے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب کو بیدار ہوتے تو فرماتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِىْ وَاَسْئَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِىْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِىْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِىْ وَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

گھر میں آمد و رفت کرنے کی دعائیں:— حضرت ام المومنین بی بی ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلتے وقت فرمایا کرتے تھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ۔

۱؎ خدایا میں تیرے ہی نام پر جیتا اور مرتا ہوں۔ [illegible] خدا کے لئے ہے جس نے ہمیں [illegible] کے بعد زندہ کیا [illegible] خدایا میں نے اپنی جان تجھے سونپ دی اور اپنا منہ تیری طرف [illegible] پشت [illegible] تیری رحمت [illegible] تیرے [illegible] خدایا [illegible] رحمت [illegible] مجھے [illegible]

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ۔[۱] صحیحین: حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک دن کا ذکر ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، وہاں ایک انصاری بیٹھا تھا جس کا نام تھا ابو امامہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابو امامہ تو بے وقت مسجد میں کیوں بیٹھا ہے"، عرض کیا "یا رسول اللہ طرح طرح کے رنج و غم اور لوگوں کے قرض میرے پیچھے چمٹے ہوئے ہیں"، فرمایا "میں تجھے ایسے چند کلمے بتائے دیتا ہوں کہ ان کے پڑھنے سے خدا تیرا رنج دور اور قرض ادا کر دے گا۔ تو صبح شام یوں کہا کر[۱] اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ"۔ ابو امامہ کا بیان ہے کہ میں چند ہی روز ان کلمات کو پڑھنے پایا تھا کہ خدا نے میرا غم و اندوہ بھی دور کر دیا۔ اور قرض بھی ادا کرا دیا۔

مجلس میں بیٹھنے اور وہاں سے کھڑے ہونے کی دعا:۔۔۔۔۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جہاں کثرت سے تسبیح و ناشائستہ باتیں ہو رہی ہوں تو کھڑے ہونے سے پہلے ذیل کے کلمات پڑھ لے۔ بس سے وہ تمام گناہ بخش دیئے جائینگے جو اس مجلس میں ہوئے تھے[۲] سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔

سفر کے وقت کی دعائیں:۔۔۔۔۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ سند کے ساتھ حدیث پہنچی ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں جانا چاہتے تو رکاب میں پاؤں مبارک رکھتے وقت یوں فرماتے[۳] بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ

---

[۱] اے خدا ... [illegible] ... میں پناہ مانگتا ہوں رنج و غم سے، اور پناہ مانگتا ہوں [illegible] ... سو کوئی معبود نہیں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں، تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

[۳] اللہ کے نام سے، اے خدا تو ہی سفر میں رفیق ہے اور اہل و عیال پر جانشین ہے۔ [illegible]

وَاَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا تَعْلَمُ۔

کھانا کھانے اور نیا کپڑا پہننے کے وقت کی دعائیں: —— حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیا کپڑا پہن کر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ كَسَوْتَنِيْ هٰذَا اَسْئَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جدید لباس پہن کر پڑھا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا اُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ پھر اس کے بعد کہا کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص نیا لباس پہن کر یہ دعا پڑھے اور پرانے کپڑے خیرات کر دے، تو وہ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں خدا کی حفظ و حمایت میں رہے گا۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے یا پانی نوش کرتے تو یہ دعا پڑھتے:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

پاخانے میں آمد و رفت کی دعائیں: —— حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے بیت الخلا میں جاتے وقت فرمایا کرتے کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا سے نکلتے وقت فرماتے تھے:۔ غُفْرَانَكَ۔

مسجد میں آمد و رفت کی دعائیں: —— بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جاتے وقت پہلے درود پڑھتے پھر فرماتے:

اے خدا تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ تو نے ہی مجھے یہ کپڑا پہنایا، میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس کام کے لئے یہ بنایا گیا ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں، اور اس کی برائی اور جس غرض سے یہ بنایا گیا ہے اس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔ سب تعریف خدا کو ہے جس نے مجھے وہ لباس پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانکتا اور زندگی میں اس سے زینت حاصل کرتا ہوں۔ سب خدا کی تعریف ہے جس نے ہم کو کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا۔ اے خدا میں تیرے ساتھ ناپاک جنات (مرد و عورت) یا پلیدی سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے خدا ہم تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۔ اور جب مسجد سے باہر آتے تو فرماتے رَبِّ اغْفِرْلِیْ[2] ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ۔

چاند دیکھتے وقت کی دعا: ــــــ طلحہ بن عبیداللہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم چاند دیکھ کر یہ دعا پڑھتے تھے[3]۔ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ۔

قتادہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیا چاند دیکھتے تو اول تین دفعہ فرماتے ھِلَالُ[4] خَیْرٍ وَّرُشْدٍ پھر تین دفعہ فرماتے اٰمَنْتُ[5] بِاللّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَکَ اس کے بعد کہتے اَلْحَمْدُ[6] لِلّٰہِ الَّذِیْ ذَھَبَ بِشَھْرِ کَذَا وَجَآءَ بِشَھْرِ کَذَا۔

کڑک اور بادل اور سخت ہوا کے وقت کی دعائیں: ــــ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کڑک اور بجلی کی آواز سن کر فرماتے:

اَللّٰھُمَّ[7] لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کے کنارہ پر ابر اٹھتا ہوا دیکھتے تو آپ جس کام میں مشغول ہوتے فوراً اسے چھوڑ دیتے۔ اور نماز میں ہوتے تو اس میں بہت تخفیف کر دیتے۔ پھر فرماتے اَللّٰھُمَّ[8] اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا۔ اگر مینہ برستا تو فرماتے اَللّٰھُمَّ[9] صَیِّبًا ھَنِیْئًا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب شدت کے ساتھ ہوا چلتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

اَللّٰھُمَّ[10] اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا

---

[1] اے خداوند میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے [2] الٰہی میرے گناہ بخش دے، اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔ [3] خداوندا اس چاند کو ہم پر امن و برکت، اور ایمان و سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع کر۔ میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔ [4] خیر اور بھلائی کا چاند ہے [5] میں اس خدا پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا۔ [6] سب تعریف خدا کو ہے جو فلاں مہینا لے گیا اور فلاں مہینا لایا۔ [7] خداوندا ہمیں اپنے غضب سے قتل نہ کر، اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر، اور ہمیں اس سے پہلے عافیت دے۔ [8] خداوندا میں تجھ سے اس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔ [9] الٰہی پے در پے اور خوشگوار مینہ برسا [10] خداوندا میں تجھ سے اس ہوا کی بھلائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی اور جس چیز کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کی برائی، اور جس چیز کے ساتھ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں

وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ۔

شبِ قدر اور عرفے کے دن کی دعائیں: —— عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین دعا عرفے کے روز کی دعا ہے اور بہترین جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہا ہے۔ سب سے بہتر یہ کلمات ہیں: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اگر میں شبِ قدر کو پا جاؤں تو کیا دعا مانگوں؟" فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ۔

چھینک لیتے وقت کی دعائیں: —— عامر بن ربیعہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں چھینک لی تو کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا حَتّٰى يَرْضٰى رَبُّنَا وَبَعْدَ مَا يَرْضٰى مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ یہ کلمات کس نے کہے ہیں؟ وہ شخص خاموش ہو رہا۔ حضرتؐ نے پھر فرمایا کہ یہ کلمے کس نے کہے ہیں؟ اب بھی اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ نبی کریمؐ نے تیسری مرتبہ فرمایا کہ یہ کلمے جس نے کہے ہیں اسے فوراً بول اٹھنا چاہئیے۔ کیونکہ اس نے کوئی بری بات نہیں کہی۔ وہ شخص بول اٹھا کہ حضرت میں نے کہے ہیں اور میں نے ان سے بجز بھلائی کے اور کچھ ارادہ نہیں کیا۔ فرمایا یہ کلمات سیدھے عرش تک پہنچ گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی کو چھینک آئے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ کہے اور سننے والا يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہے اور جب

---

[1] خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کی تعریف ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ [2] اے خدا تو بڑا درگزر کرنے والا ہے اور درگزر کو دوست رکھتا ہے۔ تو مجھ سے درگزر کر۔ [3] سب تعریف خدا کے لئے ہے۔ [illegible] [illegible]

سننے والا یرحمک اللہ کہے، تو اسکے جواب میں کہے۔ یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ۔[1]

مُبتلائے مصیبت کو دیکھ کر دُعا۔ —— حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر کہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا[2] تو وہ جب تک زندہ رہے گا اس بلا میں مبتلا نہ ہوگا۔

ہم نے دُعا کو اس وجہ سے حق اللہ سمجھا کہ آدمی کیا دنیا اور کیا دین، ہر طرح پر سراپا احتیاج پیدا کیا گیا ہے۔ بے نیازی خدا کی صفت ہے، اور اُسی کو زیبا بھی ہے۔ آدمی بڑا ہو خواہ کیسی رتبے کا ہو کوئی وقت ایسا نہیں گذرتا کہ اُسکو کوئی حاجت نہ ہو۔ جب آدمی کی یہ حالت ہے تو اُس کو چار و ناچار حاجت روائی کے لئے کسی دُوسرے کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ وہ دُوسرا سوائے خدا کے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ جو مطلب ابنائے جنس کی مدد سے برآتے ہیں حقیقت میں اُن مطالب کا برلانے والا بھی خدا ہے کیونکہ اُس نے برآرندہ مطالب کو قدرت اور توفیق مطلب برآری کی دی ہے۔ اب اگر آدمی خدا سے اپنی حاجت طلب نہیں کرتا تو اُس کے دو محمل ہو سکتے ہیں یا یہ کہ خدا کے سوائے دُوسرے سے حاجت روائی چاہتا ہے۔ تو یہ کفر صریح ہے اور دُوسرے لفظوں میں انکارِ خدائی۔ یا وہ خدا سے نا اُمید ہے اور یہ بھی کفر صریح نہیں تو کفر کی حد میں جا پہنچتا ہے۔ لَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ[3] وَقَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ[4]۔ اگر خدا کو خدا کر کے مانتا

---

[1] خدا تمہیں ہدایت دے اور تمہارے دل سنوارے۔ [2] خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اس مصیبت و تکلیف سے عافیت دی جس میں تجھے مبتلا کیا۔ اور مجھے بہت سی مخلوق پر فضیلت و بزرگی عنایت کی۔ [3] اس آیت میں یعقوب علیہ السلام کی اس نصیحت کا ذکر ہے جو انہوں نے [illegible] بیٹوں کو بھیجتے وقت کی تھی کہ بیٹا جاؤ اور یوسف اور ان کے بھائی کو [illegible] رحمتِ خدا سے نا اُمید نہ ہو۔ [4] یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے جو انہوں نے فرشتوں کے جواب میں کہا تھا [illegible] خوشخبری دی [illegible] تعجب [illegible] ابراہیم نے فرشتوں کے جواب میں [illegible] تعجب [illegible]

خدا کا حق ہے۔ تو اسی سے اپنی تمام حاجتیں طلب کرنا بھی بدرجۂ اولیٰ اس کا حق ہے۔ ایک حالتِ خاص یہ بھی ہے کہ جب آدمی اپنے سب کام خدا کے حوالے کر کے فکر سے فارغ ہو بیٹھتا ہے

کارسازِ ما بسازِ کارِ ما ○ فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

تو یہ نہ مانگنا ہزار مانگنے کے برابر ہے۔ اور ایک نہ مانگنا کبر و نخوت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور وہ اشد الکفر ہے۔ اور اسی کے حق میں فرمایا ہے۔[1] اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَہَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ○ ایمان باللہ میں ایک بات یہ بھی ہے کہ خدا تمام اُمم و مِلَل [illegible] ہے۔ وہ سب بولیاں سمجھتا ہے[2] عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّہَا کی رو سے سمجھایا ہے بلکہ اسی نے سب بولیاں سکھائی ہیں۔ بولی بحیثیت بولی ہونے کے ذریعہ اظہارِ مطلب کا ہے۔ وہ خدا اپنے کمالِ علم کی وجہ سے اس کا بھی محتاج نہیں، وہ دلوں کی بولی جس کے لئے حرف و صوت نہیں، سمجھتا ہے۔[3] وَھُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اصلی دعا دل کی دعا ہے، اور اسکی تکمیل زبان کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ کوئی سی زبان بھی ہو۔ تاہم عربی عبارت میں دعا کرنا اولیٰ بقبول ہے اور قبولیت میں حروف و اصوات کو دخل عظیم ہے، اور یہ ایک راز ہے جو ہر شخص پر منکشف نہیں۔

آنحضرتؐ کی دعائیں جو ہم نے جمع کر دی ہیں ان سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت کسی حالت میں یادِ خدا سے غافل نہ تھے۔ یہ درجہ سوائے اُن کے کسی فردِ بشر کا نہیں۔ یہاں تک ہم نے کمالِ بشریت کا ایک انتہائی درجہ بتا دیا ہے۔ اگر آدمی اسکو پیشِ نظر رکھے اور جتنی انابت الی اللہ کر سکتا ہے اس کے لئے کوشش کرے اور ہم نے آزما کر دیکھا ہے کہ انابت الی اللہ دنیا کے کاروبار میں کسی طرح حارج و مزاحم نہیں وہ صرف ایک خیال ہے جو دنیوی مشاغل کے ساتھ بآسانی جمع ہو سکتا ہے۔

[1] جو لوگ ہمارے غرور کی بنا پر عبادت سے سرتابی کرتے ہیں عنقریب ہمارے پیچھے ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ [2] اور خدا نے آدم کو سب چیزوں کے نام بتا دیئے۔

[3] اور وہ یعنی خدا لوگوں کے دل تک کی باتوں کو جانتا ہے۔

باب سوم

اعمال بدنی

آدمی کو خدا نے چیزوں کے جاننے پہچاننے کے لئے یہی پانچ حواس دیئے ہیں۔ دیکھنے کے لئے آنکھ[۱]۔ سننے کے لئے کان[۲]۔ سونگھنے کے لئے ناک[۳]۔ چکھنے کے لئے زبان[۴]۔ چھونے کے لئے جلدِ بدن[۵]۔ سو آدمی حواس کے ذریعے سے چیزوں کے خواص معلوم کر سکتا ہے۔ چیزوں کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے آدمی کے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ مثلاً پانی روزمرہ کے استعمال کی چیز ہے اور ہم اسکو خوب جانتے پہچانتے ہیں لیکن پانی کے جاننے پہچاننے کے یہی معنی ہیں کہ ہم اسکو سفید سفید نشیب کی طرف بہتا ہوا دیکھتے ہیں۔ گیلا کرنے سے ہم اسکو معلوم کر سکتے ہیں۔ میٹھا ہے یا کھاری۔ بو سونگھ کر پہچان سکتے ہیں۔ خدا کے بارے میں تو ہماری معلومات اتنی بھی نہیں ماعرفناک حق معرفتک کیونکہ ہمارے حواس خدا کے جاننے پہچاننے میں کچھ کام نہیں دیتے۔ صرف ایک عقل گواہی دیتی ہے کہ خدا کو متصف بجمیع الصفات الکمالیہ ہونا چاہیئے اور وہ یہ دنیا میں کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی تو کارخانہ عالم کا بھی کوئی بنانے والا ہے اور وہی خدا ہے ہم بنی نوع بشر کے لئے یہ معرفتِ الہی کی انتہا ہے ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم ○ فروغِ تجلی بسوزد پرم

خدا کے خیال کو اس قدر وسیع کرنا کہ بات بات میں اور ذرّے ذرّے سے خدا کی طرف ذہن منتقل ہونے لگے۔ اسی معرفتِ عقلی کی مشاقی کی دلیل ہے۔ اس معرفت کی نوعیت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ غرض جب انسان نے خدا کو جانا پہچانا جیسا کہ وہ جان پہچان سکتا ہے اور جو اس تعلق کا خیال کیا جو عالم کے ذرّے ذرّے کو اور خود آدمی کو خدا کے ساتھ ہے۔ تو پھر آدمی کی طبیعت

آپ سے آپ متقضی ہوتی ہے کہ اُس کے آگے عجز و احسانمندی کا اظہار کرے۔ اسی کا نام ہے عبادت پھر عبادت کی قسمیں ہیں۔ اوّل اعمالِ قلبی جن کا ماحصل یہ ہے کہ آدمی خدا کے بارے میں اپنے خیال کو ٹھیک رکھے۔ دوسرے اعمالِ بدنی۔ تیسرے اعمالِ مالی۔ اعمالِ لسانی بھی اعمالِ بدنی میں داخل ہیں مگر چونکہ عبادت کا بڑا حصہ ذکرِ الٰہی ہے۔ اور وہ زبان کا کام ہے اسلئے اعمالِ لسانی کا علیحدہ باب قرار دیا گیا۔ اعمالِ بدنی کا ماحصل یہ ہے کہ ہر ہر عضوِ بدن خدا کے سامنے عجز و مسکنت کا اظہار کرے۔ اور یہ بات صرف نماز ہی میں پائی جاتی ہے۔ اسی لئے نماز کو افضل العبادات کہا جاتا ہے اور شریعت میں اسکی بڑی تاکید ہے۔ اس کے ارکانِ قیام اور رکوع اور سجود اور قعود تمام مؤدبانہ حرکات ہیں۔ قرأت بھی خدا کی حمد و ثنا ہے، شکرِ نعمت ہے، عرضِ حاجت ہے، اظہارِ عجز و درماندگی ہے۔ اوقات بھی ایسے حساب سے مقرر کئے ہیں کہ دن رات میں خدا کی یاد بار بار تازہ ہوتی رہتی ہے۔ نماز موقوف ہے جسمانی طہارت اور شرعی نظافت پر۔ اس لئے ہم پہلے طہارت اور طہارت کے ساتھ مقدماتِ نماز کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرہ۔ ع۔ پ ۱)

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ

اور اے پیغمبر! بنی اسرائیل کو وہ وقت یاد دلاؤ جب ابراہیم کو اُن کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے ان کو پورا کر دکھایا تو خدا نے رضامند ہو کر فرمایا کہ ہم تم کو لوگوں کا امام یعنی پیشوا بنانے والے ہیں۔ ابراہیم نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا ہاں مگر ہمارے اس قرار میں وہ نافرمان شامل نہیں جو تمہاری اولاد میں ہوں گے۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل سے عہد لیا کہ ہمارے گھر (یعنی خانہ کعبہ) کو طواف کرنے والوں اور وہاں اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں (یعنی نمازیوں) کے لئے

ف نماز میں ضروری ہے کہ [illegible] ستر [illegible] جسمانی طہارت [illegible] جیسے [illegible] ناخن ترشوانا، مونچھ اور بغل و زیرِ ناف کے بال دور کرنا [illegible] وغیرہ۔

عناصر کی کشمکش کی وجہ سے عمارتِ بدن ہمہ وقت گرنے کو تیار رہتی ہے۔ مگر حکمِ الٰہی کے
انجینیر نے ایسا سوچ سمجھ کر اس کا جوڑ بٹھایا ہے کہ وقت سے پہلے نہیں گر سکتی[1] اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ
لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۔ یہ عناصر کسی وقت فساد سے نہیں چوکتے۔ مدارِ حیات
ہے غذا۔ غذا سے جو خون اور بلغم اور صفرا اور سودا کی چار خلطیں پیدا ہوتی ہیں، وہی عناصر کا
سارا اختلاف ان میں بھی موجود۔ کچھ خدا ہی کی قدرت ہے، کہ اس ہر دم کی خانہ جنگی میں آدمی اکثر
ساٹھ ساٹھ ستر ستر اور شاذ و نادر سو برس تک زندہ رہتا ہے۔ الٰہی اُن لوگوں کے عناصر کس قسم
کے رہے ہوں گے جو اسی زمین پر سینکڑوں برس زندگی کر گئے؟ زندگی کی تو اور بات ہے یوں
تمام اجزائے بدن میں کون و فساد لگا رہتا ہے کہ پرانے اجزاء فنا ہو کر اُن کی جگہ نئے اجزاء
قائم ہوتے جاتے ہیں۔ طب والوں نے یہ بات تحقیق کی ہے کہ ہر سات برس کے بعد آدمی
کا جسم سر سے لے کر ناخنِ پا تک بالکل نیا ہو جاتا ہے۔ یوں طبیعت مادۂ فاسدہ کو، جس کا
دوسرا نام نجاست و گندگی ہے، مختلف شکلوں میں مختلف رستوں سے دور کرتی رہتی ہے اور
اسی وجہ سے طبیب لوگ طبیعت کو مدبّرِ بدن مانتے ہیں، اور وہ مدبّرِ بدن ہے بھی۔ اگر طبیعت
ان گندگیوں کو جو جسم میں پیدا ہوتی ہیں دور نہ کرتی رہے، تو یہ گندگیاں جمع ہو کر عمارتِ بدن
کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ غرض پوری پاکیزگی اور ستھرائی تو آدمی کو کسی وقت میں بھی میسّر
نہیں ہو سکتی۔ وہ ایسا گندہ ہے کہ گندگیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور جو چیز اس کو چھو جاتی ہے
اُس کو بھی گندہ کر دیتا ہے۔ صاف ستھری ہوا سانس کے ساتھ اس کے پیٹ میں جاتی ہے، اور جب
باہر آتی ہے تو اس میں ایک طرح کی سمیت ہوتی ہے۔ تنگ مکانوں میں بہت سے آدمی جمع
ہو کر رہیں تو اُن کے تنفس سے ہوا خراب ہو جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر شہر کے مقابلے میں
دیہات کے لوگ بیمار بھی کم پڑتے ہیں۔ اور توانا و تندرست بھی ہوتے ہیں۔ تہ دل شگفتہ

---

[1] جب اُن کا وہ وقت آ پہنچتا ہے تو اس سے ایک گھڑی بھی نہ پیچھے ہٹ سکتے، نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

لطیف اور عمدہ سے عمدہ غذا کھاتا ہے اور وہ بول و براز بن کر جسم سے خارج ہوتی ہے۔
ایک حکایت یاد آئی۔ ایک بزرگ کو کسی ضرورت سے شہر کی ایک تنگ گلی میں سے گزرنے
کا اتفاق ہوا۔ خادموں اور مریدوں کی جماعت ساتھ تھی۔ تنگی کے علاوہ گلی میں ایک مقام پر ڈلاؤ
بھی پڑتا تھا۔ وہ بزرگ ڈلاؤ پر پہنچکر ٹھٹکے اور دیر تک کچھ کھڑے سوچا کئے۔ ساتھ والوں کو اُن کا
ایسی گندی جگہ ٹھیرنا ناگوار تو ہوا، مگر مارے ادب کے کوئی دم نہیں مار سکتا تھا۔ آخر ان بزرگ
نے آپ ہی فرمایا کہ یہ نجاست زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ میں تو اصل میں ایک تحفے لطیف
تھی۔ آدمی نے ایک وقت خاص تک مجھے پیٹ میں رکھا اور میرا یہ حال کر دیا۔ پھر اُن
بزرگ نے اپنے ڈھب کی ایک بات کہی کہ جو اثر بد معدہ غذا پر کرتا ہے۔ اُس سے بڑھ کر
گندہ کار دل آدمی کے افعال پر کرتا ہے۔

داخلی نجاستیں جو خود آدمی کے جسم پر پیدا ہوتی ہیں اُن کے علاوہ کچھ خارجی نجاستیں ہیں اور وہ بھی داخلی نجاستوں
کا اثر اور حکم رکھتی ہیں۔ پھر نجاستیں داخلی ہوں یا خارجی بعض حقیقی ہیں، اور بعض حقیقی نہیں۔ بلکہ شارع نے
اپنے حکم سے اُن کو نجاست قرار دیا ہے اور اُن کا ہم نے حکمی نجاست نام رکھا ہے۔ نجاستوں کی تیسری قسم
بھی نجاست حسی ہے جس سے نفس ناطقہ آدمی کی طبیعت کراہیت کرتی ہے۔ ہم نے اُن کا نام مکروہ رکھا ہے۔
ذیل کے نقشوں سے یہ سب باتیں اچھی طرح سمجھ میں آجائیں گی۔

نجاستِ حقیقی داخلی

نمبر شمار	قسم نجاست	محل نجاست	طریقہ ازالہ نجاست	کیفیت
۱	بول و براز	مخرج بول	ڈھیلوں یا ڈھیلوں کے ساتھ پانی یا صرف پانی سے نجاست دور کرنا	

کیفیت	طریقہ ازالۂ نجاست	محل نجاست	قسم نجاست	نمبر شمار
	ڈھیلوں اور ڈھیلوں کے بعد پانی یا صرف پانی سے نجاست دور کرنا	مخرج بول	بول	۲
	کھرچ کر جو منی کو دور کر کے پھر فیضہ پانی سے خوب مل کر صاف کرنا اگر رقیق ہو	"	منی	۳
[illegible]	کپڑے سے پونچھنا یا پانی سے دھونا	"	مذی	۴
	" " " "	"	ودی	۵
	کپڑے سے پونچھنا یا پانی سے دھونا	عورت کا مخرج بول	خون حیض	۶
	" "	"	خون نفاس	۷
	" "	"	خون استحاضہ	۸
	" "	جسم	خون جراحت	۹
	" "	"	پیپ	۱۰

ہم اس کتاب کے پڑھنے والے کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینی چاہتے ہیں کہ ایک تو ہے ازالہ نجاست اور ایک ہے طہارت۔ ازالہ نجاست سے طہارت کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ نماز کے لئے ازالہ نجاست کافی نہیں بلکہ طہارت درکار ہے۔ تو پانی مینہ کا ہو یا دریا کا یا کنوئیں کا، جب تک کسی گندگی کے پڑنے سے اس کا رنگ یا بو یا مزہ یا دونوں یا تینوں خصلتیں متغیر نہ ہوں مزیل نجاست بھی اور مطہر بھی ہے۔ اور متغیر پانی مزیل نجاست تو ہو سکتا ہے، مگر مطہر نہیں ہو سکتا۔ یعنی اس سے وضو اور غسل وغیرہ جائز نہیں۔ اور یہی حکم ہے مستعمل پانی کا۔ یعنی اگر کسی نے سینچی میں وضو کر لیا تو وہ پانی مکرر وضو کے قابل نہ رہا۔ اسی طرح غسل کا مستعمل پانی لیکن یہ مستعمل پانی ازالہ نجاست کرے گا۔ پانی کے لئے اس کا بنفسہٖ بھی رقیق اور سیال کا ہونا بھی ضرور ہے۔ ورنہ کوئی آدمی دودھ سے استنجا کرے تو وہ استنجا درست نہیں اور نہ دودھ مزیل نجاست سمجھا جائے گا۔ اور مطہر تو ہو ہی نہیں سکتا۔

اسی طرح ان جانوروں کے مر جانے سے بھی پانی نجس نہیں ہوتا جو پانی ہی میں زندگی بسر کرتے ہیں مثلاً مچھلی، مینڈک، کیکڑا وغیرہ۔ کنوئیں میں گندگی گر پڑے تو اُس کا سارا پانی بقول حناف نکال دینا چاہیئے۔ چوہا یا چڑیا یا مولا یا ابابیل یا چھپکلی وغیرہ کنوئیں میں گر کر مر جائیں تو اُس کا پانی بیس۲۰ ڈول کھینچنے سے اگر بڑا ڈول ہو اور تیس۳۰ ڈول تک کھینچنے سے اگر چھوٹا ہو پاک ہو جاتا ہے۔ کبوتر یا بلی گر کر مر جائے تو چالیس سے ساٹھ۶۰ تک ڈول کھینچے جائیں۔ کتا یا بکری یا آدمی گر کر مر جائے تو کنوئیں کا سارا پانی کھینچنا پڑے گا۔ ڈول سے ہماری مراد چرس نہیں ہے بلکہ وہ ڈول جو کنوئیں میں عموماً استعمال ہوتا ہے اور اُن میں بھی وہ ڈول جو درمیانی اور متوسط ہو نہ بہت بڑا ہو یا چھوٹا، کنوئیں میں گر کر مر جائے اور مر کر پھول جائے یا پھٹ جائے یا اس کے اجزا بکھر جائیں تو کنوئیں کا سارا پانی نکالنا پڑے گا۔ یہ حکم اس کنوئیں کا ہے جو معین یعنی چشمہ دار نہ ہو یا اس کی اتنی سوتیں نہ ہوں کہ سارا پانی نکالنا مشکل ہو جائے۔ اگر کوئی ایسا کنواں ہو تو اُس کے پانی کا جو اُس وقت اُس میں موجود ہو اندازہ کر لیا جائے اور پھر اُسی اندازے کے مطابق پانی نکال دیجئے۔

آدمی اور حلال جانور کا جھوٹا پانی اور اسی طرح ہر ایک جھوٹی چیز پاک ہے۔ کیونکہ ان کا جسم پاک ہے۔ آدمی سے ہماری مراد مطلق آدمی ہے جنبی ہو یا طاہر، کافر ہو یا مسلمان، عورت حائضہ ہو یا صاحبِ نفاس، مگر کتے اور خنزیر اور بہائم درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔ کیونکہ ان کا لعاب نجس ہے۔

اس کو قاعدہ کلیہ سمجھو کہ جس کا گوشت حلال ہے اُس کا جھوٹا پاک ہے۔ بلکہ بہت جگہ اس سے بالمستثنیٰ ہے اور سواکن بیوت[1] جن کا گوشت حرام ہے۔ جیسے چوہے وغیرہ بلی کے جھوٹے کو بھی قیاس اُسکے گوشت کے حرام ہونا چاہئے تھی مگر دفع حرج کے لئے حرمت سے نکال کر مکروہات میں داخل کر دیا گیا ہے جن باتوں میں چوہا وغیرہ۔ مرغی حلال ہے بایں ہمہ اس

۱؎ گھر میں رہنے والے جانور۔

کا جھوٹا مکروہ اس لئے کہ مرغی نجاست خوار بھی ہے۔ کوّے اور طوطے وغیرہ کا بھی جھوٹا ناپاک ہونا چاہیئے تھا کیونکہ ان کا گوشت حرام ہے، مگر دفعِ حرج کے لئے یہ بھی مکروہات میں شامل کر دیا گیا ہے۔ بہائم درندوں میں ان تمام جانوروں کا گوشت حرام ہے جو کچلیاں رکھتے ہیں جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ۔ اور پرندوں میں وہ جو پنجہ رکھتے ہیں جیسے باز، شکرا، طوطا وغیرہ۔ حدیث میں آیا ہے نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ۔ یعنی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں میں سے ہر کچلی والے کے اور پرندوں میں سے ہر پنجے والے کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ حرام اور ناپاک گوشت کھانا قطع نظر شرعی حرمت کے طبّاً بھی مضرِ صحت ہے، اور اخلاق پر بُرا اثر ڈالتا ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ بحث کہ حقوقِ نفس میں لے جانی چاہیئے تھی۔ اور انشاء اللہ وہاں لے بھی جائیں گے مگر چونکہ یہاں آدمی اور جانوروں کے جھوٹے کا بیان تھا۔ اور جھوٹے کی پاکی اور ناپاکی موقوف تھی جانوروں کی پاکی و ناپاکی کے بیان کرنے پر۔ اس مناسبت سے ناپاک اور حرام گوشت کا یہاں ذکر ہوا استقلالاً نہیں بلکہ تبعاً۔

گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے۔ وجہ یہ کہ اس کی اباحت و حرمت میں صحابہ کا اختلاف ہے۔ مشکوک اور مکروہ میں فرق یہ ہے کہ مکروہ اُسے کہتے ہیں جس کی نجاست دلیل سے ثابت ہوئی ہو، اور دلیل بھی وہ جس کے مقابلے میں دوسری دلیل اس کے مخالف ہو۔ مثلاً بلی اور سواکنِ بیوت سے جانور ہیں، جن کا گوشت نجس ہے اور نجاست ہی کی وجہ سے ان کا جھوٹا بھی نجس ہونا چاہیئے تھا، مگر چونکہ اس سے احتراز مشکل تھا، اس لئے مکروہ قرار دیا گیا۔ پھر یہاں کوئی یقینی دلیل بھی نہیں جو اس کی طہارت کو ثابت کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ان جانوروں کے جھوٹے کو [illegible] مکروہ کہتے ہیں اور مشکوک وہ ہے جس کی طہارت و نجاست کی دلیلیں متعارض ہوں۔

ان مسائل میں تین حیثیت سے بحث کی ضرورت تھی۔ ایک لحاظ ازالۂ نجاست، دوسرے

بلحاظ طہارت تیسرے بحیثیت اکل و شرب چوتھے بلحاظ کراہت۔ کراہت کے متعلق ہم نے مکروہاتِ خارجی کے نقشے کے خانہ کیفیت میں لکھا ہے۔ اور اکل و شرب کے متعلق حقوق العباد میں لکھیں گے انشاءاللہ تعالیٰ کیونکہ شارع نے اگر کسی چیز کے کھانے پینے کی مناہی کی ہے تو اُسکے ضرر کے لحاظ سے کی ہے۔ اور جب یہ ہے تو حقوق نفس میں داخل ہے اور اسکا بیان حقوق عبد

ازالہ نجاست کے بارے میں ہم کہہ چکے ہیں کہ پانی میں جب تک رقت و سیلان باقی ہے مُزیل نجاست ضرور ہے۔ باقی رہی طہارت اسکا بیان یہ ہے کہ نجس جانور اگر پانی یا کسی رقیق چیز میں مُنہ ڈالدے۔ اُسے پھینک دے اور برتن کو پاک کر دھو ڈالے۔ جامد اور بستہ چیز ہے تو اُسکو اور اُسکے ماحول کو الگ کر کے پھینک دے۔ اور باقی کو استعمال میں لانا جائز ہے کہ وہ پاک ہے۔ مثلاً جاڑے کے موسم میں جمے ہوئے گھی میں چوہا اگر کہ مر گیا۔ تو لتھڑے ہوئے جز کو نکال پھینک دے۔ اور اس کے ارد گرد گھی کو نکال کر دے۔ باقی کو استعمال میں لے آئے۔ اور یہ بھی دفع حرج کے لئے ہے کہ گھی قیمتی چیز ہے سب کا ضائع کرنا مشکل ہے۔ ورنہ جس کی نفاست طبع اس سے نفرت کرتی ہو وہ اس کا استعمال نہ کرے۔

نجاستِ حقیقی خارجی

نمبر شمار	قسم نجاست	طریقہ ازالہ نجاست	کیفیت
۱	بول و براز آدمی کا اور منی مذی، ودی وغیرہ	کپڑے سے پونچھنا اور پانی سے دھونا	خارجی نجاستوں کا آدمی کی طہارت میں کچھ دخل نہیں یعنی ان سے آدمی کی طہارت میں کچھ خلل نہیں پڑتا۔ مثلاً ایک شخص پاک و صاف باوضو نماز کے لئے آمادہ ہے۔ کسی بچے نے اس پر پیشاب کر دیا۔ یا اس کا کپڑا یا جسم نجاست سے آلودہ ہو گیا۔ تو ان سب صورتوں میں جیسا وہ پہلے طاہر تھا اب بھی ہے ہاں یہ نجاست کا اثر جو خارج سے لگ گئی ہے اسکو جسم یا کپڑے کو پانی سے دھو ڈالے ورنہ نماز پڑھنے کو [illegible]

نمبر شمار	قسم نجاست	طریقہ ازالہ نجاست	کیفیت
۶	لعاب خنزیر	پانی سے دھونا	
۷	خچر اور گدھے کا لعاب	" "	خچر اور گدھے کا لعاب مشکوک النجاست ہے کیونکہ اس کے نجس اور پاک ہونے میں صحابہ نے اختلاف کیا ہے، اور اس کی اباحت و حرمت کی دلیلیں مختلف فیہ ہیں۔ بہرصورت خچر اور گدھے کا لعاب نجس حقیقی خارجی نہیں ہو تو مگر وہ خارجی ہونے میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔

نجاستِ حکمی داخلی

نمبر شمار	قسم نجاست	حکم نجاست	کیفیت
۱	حدث	وضو کرنا	اس کا حکم یہ ہے کہ نماز کے لئے وضو کرے۔ کیونکہ نماز میں قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے اور بارگاہ حق میں پاک صاف ہو کر جانا چاہئے۔ حدث سے پاکی جبھی حاصل ہوتی ہے کہ تمام و کمال وضو کیا جائے۔ اور اسی سے حدث کو حکمی نجاست کہتے ہیں۔
۲	قے	وضو کرنا	قے منہ بھر کر ہو تو اس کا ازالہ تو پونچھنے یا دھونے سے ہو جاتا ہے مگر نماز کے لیے وضو کرنا پڑتا ہے۔
۳	خون سائل	وضو کرنا	خون جسم کے خواہ کسی حصے سے نکل کر بہے تو وہ اس جگہ پہنچے کہ جس کا غسل میں یا وضو میں دھونا ضروری ہے۔ خون کی نجاست کا ازالہ تو پونچھنے یا دھونے سے ہو جاتا ہے۔ لیکن نماز کے واسطے دل پاک صاف اس وقت ہوتا ہے جب وضو کرے۔
۴	منی	غسل کرنا	منی نجس ہے اور اس کی نجاست کپڑے سے پونچھنے یا دھونے سے دور ہو اور غلیظ ہو تو کھرچ دینے سے دور ہو جاتی ہے۔ لیکن عبادت کے لئے جب تک غسل نہ کرے جسم پاک نہیں ہوتا۔
۵	مذی	وضو کرنا	مذی کی نجاست کا ازالہ تو پانی سے دھونے یا کپڑے سے پونچھنے کے بعد ہو جاتا ہے۔ لیکن نماز کے واسطے وضو کرنا چاہئے۔
۶	ودی	وضو کرنا	" " " " "
۷	خون حیض	غسل کرنا	خون حیض کی نجاست کا ازالہ پانی سے دھونے یا کپڑے سے پونچھنے کے بعد تو ہو جاتا ہے مگر نماز کے لئے جسم کی تطہیر جب ہی

سلہ یعنی مخرج بدن سے خروج منی۔

گرد و غبار ہے تو وہ پسینے سے مل کر جلد پر جم گیا ہے جسم کے وہ مقامات جہاں گوشت سے گوشت
ملتا ہے اُن میں زیادہ پسینا پیدا ہوتا ہے اور اگر ایسے مقامات میں بال بھی ہیں اور ان کو وقتاً
فوقتاً دُور نہ کیا جائے تو پسینا متعفن ہوجاتا ہے اور بالوں کی جڑوں میں میل کو بُہت بننے کے لئے
پناہ ملتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ بوئے بد اور گرد و غبار اور دھواں کہ وہ بھی ایک قسم کا گرد و غبار ہے تندرستی
کے دشمن ہیں۔ بوئے بد کچھ تو آدمی سے پیدا ہوتی ہے کچھ جانوروں سے اور کچھ نباتات سے
کہ درختوں کے پتے بند پانی میں گل سڑ کر بدبو پیدا کرتے ہیں جہاں تک ممکن ہو بدبو اور گرد و غبار
سے اپنے تئیں بچائے مسامات جاڑوں میں سکڑتے اور گرمیوں میں پھیلتے ہیں اسی وجہ سے گرمیوں
میں پسینا بہت آتا ہے۔

مونچھوں کو عربی میں شوارب کہتے ہیں شوارب جمع ہے شارب کی، اور شارب کے معنے ہیں
پینے والا۔ مونچھوں کا نام شوارب اس سے رکھا کہ مونچھیں بڑھی ہوئی ہوں، اور آدمی کچھ پینا چاہے،
تو پہلے مونچھیں پانی وغیرہ میں بھیگیں گی یہ بھیگنا اُن کا پینا ہے۔ حدیث شریف میں حکم ہے۔
قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰی مونچھیں کترواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ بات تو چھوٹی اور معمولی سی
ہے مگر مضمون بہت سی مصلحتوں پر ہے مونچھیں ایسی بری جگہ پر واقع ہیں کہ ایک طرف تو ناک
کی بدررو اُن کے اوپر ہے۔ اور مُنہ کی موری اُن کے نیچے بس اُدھر سے دونوں طرف سے مونچھوں
کے بال الجھتے اور آلودہ ہوتے رہتے ہیں۔ اور مزاج کی نفاست ہرگز جائز نہیں رکھتی کہ مونچھوں
کو اس حال پر رہنے دیا جائے۔ چائے پینے کی ایک پیالی دیکھنے میں آئی جس میں ایک کنارے
پر ایک چھجا سا بنا ہوا ہے۔ اور چھجے کے بیچ میں ایک سوراخ ہے۔ اسی طرف سے چائے
پی جاتی ہے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ مونچھوں کے بچاؤ کے لئے چھجا بنایا گیا ہے۔ یہ نئی
چیز ہے تو خیر کسی قدر مونچھوں کی حفاظت اس پیالی سے ہوسکتی ہے۔ مگر جو مذاق قدیم ہے۔
اس سے مونچھوں کی حفاظت کی کوئی تدبیر اب تک کسی کو نہیں سوجھی۔ وہی قُصُّوا الشوارب

ایک تمدنی مقتضی ہے۔ کہنے کے لئے تو شخص آزادی کا دم بھرتا ہے مگر تمدنی پابندی ہے

باندھتے ہیں مرد کو آزاد وہ پاؤں ۔ کیسی آزادی کہاں یہ خیال ہے

حال میں ایک ڈاکٹر نے ایک رسالہ شائع کیا ہے اور اب ایسا وقت ہے کہ انگریزی ڈاکٹر

تپ دق اور ہیضہ اور سل اور طاعون کی نسبت یہ رائے رکھتے ہیں کہ ان بیماریوں سے ایک قسم

کے کیڑے ہوتے ہیں اور وہ کیڑے سانس کے ساتھ آدمی کے جسم میں داخل ہو کر خون میں شامل ہوتے

ہیں اور اُن کی نسل اندر ہی اندر پھیلتی اور بڑھتی جاتی ہے۔ ان بیماریوں کا یہی علاج ہے کہ ان کو

ہلاک کر کے جسم سے خارج کر دیا۔ چنانچہ اس ڈاکٹر نے اپنے رسالے میں خود اپنا تجربہ بھی

لکھا ہے کہ مونچھوں کے بڑھانے سے طاعون کے کیڑے بالوں کی جڑوں میں پیدا ہو کر اندر پہنچتے

رہتے ہیں۔ اور سانس کے ساتھ داخل ہو کر مرض طاعون پیدا کرتے ہیں۔ مونچھوں کے بڑھانے

کے نقصانات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے مگر رسم و رواج سے مجبور ہے۔ رسم و رواج کی [illegible]

علاوہ مونچھوں کے بڑھانے اور ڈاڑھی کے منڈانے کی کوئی اور وجہ بھی ہے تو یہ بات سمجھ

میں آتی ہے کہ سوائے تشبہ بالنساء کے اور کوئی وجہ نہیں کسی نے ٹھیک کہا ہے [illegible]

لیکن اگر یہی وجہ ہے تو مردوں کے لئے بات تمام شرم میں تو یہ وجہ ہوتی ہوگی مگر آگے ہو

صرف تقلید رسم و رواج باقی رہ جاتی ہے۔ بات دیکھنے میں تو ڈاڑھی سے چہرہ پر ایک وقار ہوتا ہے

جو مردوں کی حالت کے مناسب ہے۔ مگر تقلید رسم و رواج کے آگے وقار کی قدر ہی کون کرتا ہے۔

مکروہاتِ خارجی

نمبر	قسم مکروہات	طریقہ ازالہ کراہت	کیفیت
۱	[illegible] رینٹ تھوک کی غلیظ	کپڑے یا پانی سے دور کرنا	
۲	بلی، مرغی، سانپ، چوہے اور پھاڑنے والے پرندوں کا جھوٹ۔	پانی بہا دینا	

کپڑے اور بدن کی طہارت کے بارے میں آیۂ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ اور آیۂ حَتّٰی یَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ
فَاْتُوْهُنَّ دونوں آیتیں نیت اور اس کی تائید کرتی ہیں۔ حدیث میں ہے اَلطُّهُوْرُ
نِصْفُ الْاِیْمَانِ اور اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ یعنی دین کا ایک حصہ طہارت بیان ہوا ہے۔
قرآن مجید میں پاک رہنے والوں کی خوبی یوں بیان ہوئی ہے وَاللّٰهُ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ
وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ یعنی خدا بار بار توبہ کرنے والوں اور طہارت کا اہتمام کرنے والوں
کو دوست رکھتا ہے۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی کنجی نماز اور نماز کی
کنجی طہارت ہے۔

پیشاب پاخانے کے آداب: —— پاخانے جانے کے وقت یہ
دعا پڑھنی مسنون ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (خداوندا میں ناپاک بھوتوں
ذکور و اناث سے پناہ مانگتا ہوں) اس دعا کے پڑھنے سے آدمی پاخانے کے جنوں اور شیاطین
کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ پاخانے سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھنی مناسب ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ
اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ (خدا کی تعریف ہے جس نے مجھ سے تکلیف دور کی اور عافیت بخشی)
دوسری روایتوں میں صرف غُفْرَانَكَ آیا ہے یعنی خداوندا ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں۔ کھلے
میں پیشاب پاخانے کے لئے قبلہ رخ نہ بیٹھے لیکن گھر میں یا کسی چیز کی آڑ میں ہو تو مضائقہ
نہیں اور مقصود اس سے خانہ کعبہ کا ادب ہے۔ داہنے ہاتھ سے استنجا کرنا، پیشاب کرتے وقت
داہنے ہاتھ سے پکڑنا منع ہے، کیونکہ استنجا ذلیل ترین کام ہے جو ہاتھ سے لیا جاتا ہے۔
اور داہنا ہاتھ بائیں پر فضیلت رکھتا ہے اس لئے ایسے کام بائیں ہاتھ کے لئے موزوں ہیں
استنجے کے لئے کم سے کم تین ڈھیلے لینے چاہئیں اس سے کم لینے منع ہیں۔ زیادہ کی قید نہیں
کیونکہ مقصود ازالۂ نجاست ہے۔ اور وہ جتنے ڈھیلوں سے حاصل ہو سکے درست ہے۔
گوبر، کوئلہ، ہڈی سے استنجا منع ہے۔ شارع علیہ السلام نے ان تینوں چیزوں سے استنجا منع کرنے

میں جو مصلحت سوچی ہو وہ تو ہمیں معلوم نہیں، لیکن ہمارا خیال ہے کہ عجب نہیں گوبر اور ہڈی کو اس لئے منع کیا ہو کہ ان دونوں میں ایک طرح کی دسومت یعنی چکنائی ہوتی ہے جس کی وجہ سے گوبر اور ہڈی مزیلِ نجاست نہیں ہو سکتے۔ کوئلے سے استنجا کرنے کی ممانعت اس لئے ہے کہ اول تو وہ جلدِ بدن کو سیاہ کر دیتا ہے۔ دوسرے قاطع بھی ہے، جیسے چونا۔ اور محلِ استعمال نہایت نازک مقام ہے، ممکن ہے کہ محلِ استنجا میں اس سے خراش پیدا ہو جائے اور خراش رفتہ رفتہ سوزش کی طرف منجر ہو۔

ملکِ عرب میں چونکہ ہمیشہ پانی کی قلت رہتی تھی۔ اسلئے پیغمبر صاحب کا حکم عام تھا کہ لوگ ڈھیلوں اور پتھروں سے استنجا کیا کریں، مگر پھر بھی پانی سے استنجا کرنے والے زیادہ طاہر اور لطیف سمجھے جاتے تھے۔ اب پانی کی ہر طرف کثرت ہے، جابجا چشمے اور ندیاں پڑی بہہ رہی ہیں۔ گھر گھر نل دوڑے ہوئے ہیں تو اس وقت اگر کوئی شخص ڈھیلوں سے استنجا نہ بھی کرے اور صرف پانی پر بس کرے تو یہ اسکے لئے کافی ووافی ہے۔ اور نہ صرف کافی ووافی ہے، بلکہ انقیٰ و اطہر ہے، کیونکہ عرب کے لوگ اول تو کم خوراک تھے، اور کم خوری کو محاسنِ فضائل میں شمار کرتے تھے، بلکہ ان میں سے اکثر تو فاقہ کشی کے خوگر تھے۔ اور اس عادت کا فخراً اظہار بھی کیا کرتے تھے۔ دوسرے ان کی غذا تیں خاص طرح کی ہوا کرتی تھیں جن میں اکثر حار اور یابس ہوتی تھیں۔ ان غذاؤں کا فضلہ نہایت خشک ہوتا تھا، جیسے اونٹ یا بکری کی مینگنی جس میں نام تک کو رطوبت اور لزوجت نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں چونکہ پانی سے استنجا کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی اسلئے نبی کریمؐ نے ڈھیلوں کے حکم پر اکتفا کیا۔ ہمارا حال اس کے بالکل برخلاف ہے۔ ہماری اکثر غذائیں مرطوب ہوتی ہیں فضلہ میں بھی رطوبت بکثرت موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ پانی ہی سے استنجا کریں، کیونکہ پانی کے علاوہ کسی اور چیز سے ویسا ازالۂ نجاست ہی نہیں ہو سکتا جیسا پانی سے ہو سکتا ہے۔

ایک بات اور لوگوں میں بھی دیکھی جاتی ہے کہ پیشاب کے بعد ڈھیلے سے پیشاب خشک کرتے اور گھر کے صحن میں عورتوں اور بچوں کے سامنے استنجا کرتے ہوئے ٹہلتے اور گلی بازاروں میں جگہ

لگا لیتے ہیں۔ یہ نہایت بے شرمی اور سخت فحش ہے۔ اس سے ضرور پرہیز کرنا چاہیئے۔
جن راستوں میں جہاں لوگ چلتے پھرتے ہیں، اور اُن درختوں کے تلے جہاں لوگ آرام لیتے ہیں،
پیشاب پاخانہ کرنا حرام اور لعنت پڑنے کا سبب ہے۔ کیونکہ لوگ متاذی ہو کر ایسے شخص کو بُرائی اور
لعنت سے یاد کریں گے۔ اسی طرح حمام میں اور پانی کے گھاٹ پر بھی پیشاب پاخانہ منع ہے،
کیونکہ چھینٹیں اُڑیں گی تو بدن یا کپڑے ناپاک ہوں گے۔ بل اور سوراخ میں بھی پیشاب نہ کریں
کیونکہ ممکن ہے کہ اس میں کوئی موذی جانور ہو اور اس سے تکلیف پہنچے، یا وہاں کوئی ضعیف و کمزور
جانور ہو اور اس کو ایذا پہنچے۔ پیشاب اور استنجا کرتے وقت سلام کا جواب دینا یا خود سلام کرنا
منع ہے کیونکہ سلام دُعا ہے۔ اور پیشاب اور پاخانے کی حالت دُعا کے ادب کے منافی ہے۔
انگوٹھی پر نامِ خدا یا کوئی متبرک کلمہ کندہ ہو تو اُسے پہن کر پاخانے میں جانا منع ہے، کہ خدا
کے نام کی بے ادبی ہوتی ہے۔ کہیں بیٹھ کر پیشاب کرنے میں چھینٹیں اُڑنے کا خوف ہو یا اور کوئی
عذرِ شدید ہو تو کھڑے ہو کر پیشاب کر لینا جائز ہے۔ جناب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑی پر
کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے۔ اور اُس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کی پشتِ مبارک میں درد تھا اور
اُسی وجہ سے آپ بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ بہرکیف اگر عذرِ شدید ہو تو کھڑے رہ کر پیشاب کرنے کا مضائقہ نہیں۔
لیکن جو لوگ صرف انگریزوں کی تقلید کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں انہیں سوچنا چاہیئے کہ کھڑے ہو کر پیشاب
کرنے میں نجاست سے احتراز عادتاً بہت مشکل ہے۔ مگر بے ضرورت کو سمجھے وہ جس کو نماز پڑھنی ہو اور
بے نمازیوں میں احتیاط پر عمل کرنے لگا؟ اور تو اور جو خاکساری کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے
جاتے ہیں اور پیشاب جیسی گندی چیز کے بارے میں اس قدر تساہل ہے!
طہارت میں اسی قدر پانی خرچ کریں جس سے طہارت حاصل ہو جائے۔ زیادہ صرف کریں گے
تو اسراف میں داخل ہوگا۔ دو مرد اور اسی طرح دو عورتیں ایک جگہ پیشاب پاخانے کے لئے نہ بیٹھیں کہ کوئی
کسی کا ستر دیکھے۔ نہ باہم باتیں کریں۔ کیونکہ یہ نہایت بے حیائی کی باتیں ہیں اور خدا کو ناپسند۔ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ

میں نماز شمار کیا جائے گا اور ایسی عورت کو مستحاضہ کہیں گے۔ حیض والی عورت کو قرآن پڑھنا، پڑھانا، بے وضو مس کرنا، مسجد میں جانا، بیت اللہ کا طواف کرنا منع ہے۔ مسجد کے باہر سے ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز مسجد سے اٹھا لے تو جائز ہے۔ ایسی عورت کے ساتھ لیٹنا، بیٹھنا اور سب باتیں جائز ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اصنعوا کل شیء الا النکاح یعنی ہمبستری کے علاوہ اور سب باتیں حیض والی عورت سے جائز ہیں۔ جو شخص حالت حیض میں عمداً جان کر عورت سے ہمبستر ہوگا کافر ہو جائے گا یعنی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا[1] کیونکہ اس نے قصداً و ارادۃً حکم شریعت کے خلاف کیا۔ اور حرام جان کر ایسا کرے گا تو مرتکب گناہ کبیرہ ہوگا۔ اور اس پر کفارہ دینا واجب ہوگا جس کی تفصیل یہ ہے۔ اگر ایسے وقت ہمبستر ہوا ہے کہ خون سرخ آرہا تھا تو ایک دینار، ورنہ آدھا دینار۔ ایک دینار پانچ روپے کا ہوتا ہے جبکہ سونے کا بھاؤ سولہ روپے کا ہو۔ حالت حیض و نفاس میں جو مرد و عورت کو مقاربت سے منع کیا گیا ہے تو اس میں مصلحت یہ ہے کہ ان دنوں میں مقاربت کرنے سے امراض خبیثہ کے پیدا ہو جانے کا احتمال قوی ہے۔ اور اگر اس وقت استقرار حمل ہو گیا تو اولاد بھی بیمار پیدا ہوگی۔ حیض و نفاس کی حالت میں نماز روزہ معاف ہے مگر روزے کی قضا ہے اور نماز کی قضا بھی نہیں۔

نفاس: ـــــ ولادت کے بعد جو خون آتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں اس کی زیادہ مدت چالیس روز ہیں۔ اور کم سے کم مدت کا کوئی اندازہ نہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نفاس والی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چالیس روز تک بیٹھی رہتی تھیں۔ جسکی

---

[1] نفاس کے متعلق قرآن مجید میں کوئی مدت مقرر نہیں [illegible]

حالتِ حیض میں نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، قرآن کو چھونا، پڑھنا پڑھانا، خانہ کعبہ کا طواف کرنا، مسجد میں جانا منع اور مرد کو ایسی حالت میں ہمبستر ہونا حرام ہے۔ اسی طرح نفاس کی حالت میں یہ باتیں منع اور حرام ہیں۔

استحاضہ: —— عورت کو معمولی دنوں کے علاوہ خون آئے تو حیض نہیں ہے بلکہ استحاضہ ہے۔ اور مستحاضہ عورت پاک عورت کا حکم رکھتی ہے۔ وہ جو باتیں حیض و نفاس میں کرنا درست نہیں اس کے لئے سب جائز اور درست ہیں۔ ایسی عورتیں اپنے معمولی دنوں میں حیض تک نماز روزے وغیرہ سے باز رہیں اور بعد کو بدن سے خون دھو کر غسل کر کے نماز پڑھیں اور ہر نماز کے لئے تازہ وضو کر لیا کریں۔ اور ممکن ہو تو ہر نماز کے لئے غسل کریں۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جحش کی بیٹی عبدالرحمن بن عوف کی بیوی ام حبیبہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بیماری کی شکایت کی فرمایا "خونِ حیض آنے تک تو ٹھہری رہو اور اس کے بعد ہر نماز کے وقت غسل کر کے نماز پڑھا کرو"۔ عورتیں حیض و نفاس سے فارغ ہو لیں تو فوراً ان پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ غسل کرتے وقت سر کے بالوں کی چوٹی اور مینڈھی کھولنا ضروری نہیں۔ صرف بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا کافی ہے۔ جیسے جنابت کا غسل ویسے ہی حیض و نفاس کا غسل۔ عورتیں اگر بیماری یا کسی اور قوی عذر کی وجہ سے غسل نہ کر سکیں اور غسل سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لیں۔ بچے والیوں کو اگر غسل کرنے سے بچوں کے بیمار پڑ جانے کا خوف ہو تو بھی تیمم کر کے نماز پڑھ لیں۔

غسلِ جنابۃ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى

مسلمانو، تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے پاس بھی نہ جانا، یہاں تک کہ نشہ اتر جائے اور

تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (نساء ع ۔ پ ۵)

جو کچھ منہ سے کہتے ہو اس کو سمجھنے لگو اور اسی طرح نہانے کی حاجت ہو تو بھی نماز کے پاس نہ جانا، یہاں تک کہ غسل کر لو۔ ہاں سفر کی حالت میں رستے چلتے جب بنے اور پانی نہ ملے، اور تیمم کر کے نماز پڑھ لو تو خیر، اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے ہو کر آئے، یا عورتوں سے تم نے صحبت کی ہو، اور تم کو پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی لے کر تیمم یعنی منہ اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔ اور اللہ درگذر کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ

مسلمانو! جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ دھو لیا کرو۔ اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ۔ اور اپنے سر کا مسح کر لیا کرو۔ اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں (بھی) دھو لیا کرو[ف]

اور اگر تم کو نہانے کی حاجت ہو تو غسل کر کے اچھی طرح پاک صاف ہو جاؤ۔ اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے ہو کر آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہو، اور تم کو پانی میسر نہ ہو تو ستھری مٹی لے کر اس سے تیمم یعنی اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔

اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرنی

ف یہ اس وقت کا حکم ہے کہ مسلمانوں میں ابھی شراب [illegible]
[illegible]
[illegible]

کھولنے کی ضرورت نہیں صرف بالوں کی جڑوں کو تر کر لینا اور تین لپیں بھر کر پانی سر پر ڈال لینا کافی
ہے۔ مرد کو غسل کرنے کے بعد جنبی عورت کے ساتھ سونا اور اسکے بدن سے بدن لگانا جائز ہے
کیونکہ جنبی کا بدن پاک اور طاہر ہے۔ آدمی حالت جنابت میں دل اور زبان سے ذکر اللہ کر سکتا ہے
لیکن قرآن شریف نہیں پڑھ سکتا یہ قرآن کا ادب ہے۔ وہ نہ صرف آپ نہیں پڑھ سکتا بلکہ کسی کو تعلیم بھی نہیں دے سکتا اور نہ
اسے چھو سکتا ہے۔ ہاں جزدان کا فیتہ پکڑ کر اٹھا لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ جنبی کو مسجد میں جا کر بیٹھنا کعبے شریف کا طواف کرنا
بھی جائز نہیں۔ غسل کو پانی ناکافی ہو تو مقام نجاست دھو ڈالیں پھر پانی بچے تو وضو بھی کر لیں ورنہ وضو
اور غسل کے عوض تیمم بس کرتا ہے۔ جنبی سے مصافحہ کرنا درست ہے۔ کھلے میدان میں جہاں آبادی ہو ننگا
نہانا حرام ہے۔ البتہ غسلخانے میں یا کسی آڑ اور روک میں ننگے نہانے کا مضائقہ نہیں۔ کوئی حالت بیماری
میں جنبی ہو گیا اور پانی سے نقصان پہنچنے کا خوف ہے، تو تیمم سے نماز پڑھے۔ سر میں تو زخم
ہو سارا بدن تندرست ہو۔ اس صورت میں کیا کریں؟ سر کا مسح کر لو، اور سارے جسم پر پانی بہا دو۔ اگر پیٹ پر
میں زخم ہو تو کیا کریں؟ تیمم کر کے نماز پڑھ لو۔ وضو اور غسل دونوں کے لئے ایک ہی نیت کافی ہے۔
غسل میں چار پانچ سیر پانی سے زیادہ صرف نہ کریں۔ حدیث میں غسل کے لئے ایک صاع[1]۔ اور
وضو کے واسطے ایک مد پانی کافی بتایا گیا ہے۔ عرب میں پانی کی قلت تھی اس واسطے پیغمبر خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کے لئے ایک صاع اور وضو کے واسطے مد مقرر کیا۔ ہمارے ہاں خدا کے
فضل سے پانی کی کثرت ہے اور بے تکلف ہر جگہ دستیاب ہو سکتا ہے اور بہت آسانی سے
ہو سکتا ہے۔ اسلئے تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے کہ غسل اور وضو کے لئے پانی کی کوئی
حد مقرر نہیں پانی تھوڑا ہو تو بہت ہو تو جس میں وضو اور غسل کی شرطیں ادا ہو جائیں کافی و وافی
ہے۔ مگر اسراف سے بچیں کہ یہ بہت بری بات ہے۔ شریعت اسلامی میں چار طرح کے
غسل ہیں۔ عورت کو حیض و نفاس سے فارغ ہونے کے بعد۔ مرد اور عورت کو ہمبستری یا احتلام

---

[1] صاع انگریزی تول کے حساب سے قریباً پونے چار سیر۔ اور مد قریب سوا سیر کے ہوتا ہے۔

کے بعد، جمعے کے دن نماز جمعہ کے لئے، کسی شخص کو شرف باسلام ہوتے وقت، عید الفطر اور
عید الضحیٰ کے دن عیدگاہ جانے سے پیشتر، حج کا احرام باندھتے وقت، بیت اللہ میں
داخل ہوتے وقت، پچھنے لگوانے، مردہ نہلانے کے بعد۔ پہلی قسم کے دو غسل فرض ہیں۔ اور تین سے
پانچ تک سنت مؤکدہ، اور چھ اور سات کے دونوں غسل سنت مستحبہ اور آخر کے دو غسل
احتیاطی ہیں۔ آدمی کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ ہر ہفتے میں کم از کم ایک روز سر اور سارا بدن دھو ڈالا کرے

تیمم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ۝ ([illegible])

مسلمانو! جب نماز کے لئے آمادہ ہو تو اپنے
منہ دھو لیا کرو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ
اور اپنے سر کا مسح کر لیا کرو، اور ٹخنوں تک
اپنے پاؤں دھو لیا کرو۔ اور اگر تم کو نہانے کی
حاجت ہو تو غسل کر کے اچھی طرح پاک صاف
ہو جاؤ۔ اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں
سے کوئی جائے ضرور سے ہو کر آیا ہو، یا تم نے
عورتوں سے صحبت کی ہو، اور تم کو پانی میسر نہ آئے
تو پاک صاف ستھری مٹی لے کر اس سے
تیمم یعنی اپنے منہ اور ہاتھ کا مسح کر لو۔
بیشک اللہ درگزر کرنے والا بخشنے
والا ہے۔

جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے لئے تمام زمین نماز کی جگہ ہے جہاں
چاہیں نماز پڑھیں۔ اور زمین کی مٹی میرے واسطے پاک کرنے والی ٹھیرائی گئی ہے تو جس جگہ نماز
کا وقت آجائے اور پانی میسر نہ ہو یا ہو مگر بیماری بڑھ جانے یا پڑنے کا خوف غالب ہو تو تیمم کر کے

نماز ادا کریں۔ معذور کو پانی نہ ملے، اور گو دس برس تک نہ ملے برابر تیمم کئے جائے
جس وقت عذر دُور ہو یا پانی میسر ہو، فوراً وضو فرض ہو جائے گا۔ جسے پانی مٹی دونوں نہ ملیں
اُسے بغیر وضو اور بغیر تیمم نماز پڑھنی جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں صرف نیت ہی وضو اور
تیمم کے قائم مقام ہو جائے گی۔ تیمم کرتے وقت اوّل دل میں نیت کریں، پھر بسم اللہ پڑھ کر
دونوں ہاتھ ایک دفعہ پاک مٹی یا ڈھیلوں یا کچی دیوار پر ماریں۔ ازاں بعد پھونک سے مٹی اُڑا کر
دونوں ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیں، اور دونوں کفِ دست پہنچوں تک ملیں، یا ایک بار مٹی پر ہاتھ
مار کر منہ پر پھیر لیں۔ پھر دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر کہنیوں تک مسح کریں، دونوں طرح تیمم درست ہے
لکڑی، لوہے، پتھر وغیرہ سے تیمم ناجائز ہے کیونکہ قرآن مجید صَعِیْدًا طَیِّبًا ارشاد ہوا ہے۔
یعنی صرف پاک مٹی سے تیمم کرو۔ ہاں اگر کپڑے وغیرہ پر گرد و غبار پڑا ہوا ہو تو جائز ہے۔
تیمم سے نماز پڑھ چکنے کے بعد پانی مل جائے اور ہنوز نماز کا وقت باقی ہو تو نماز کا دوہرانا ضرور
نہیں لیکن اگر کوئی شخص وضو کر کے دوہرا لے گا تو مضاعف ثواب پائے گا۔ ایک شخص
نے نماز پڑھنی شروع کی، بیچ میں خبر لگی کہ پانی آ گیا۔ تو نماز توڑ دینی اور وضو کر کے از سر نو شروع کرنی
ضرور ہے۔ جو چیزیں ناقضِ وضو ہیں وہی ناقضِ تیمم بھی ہیں۔ حاجت غسل والے کو پانی نہ ملے تو وہ بھی
تیمم کر کے نماز پڑھ لے جس طرح ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنی درست ہیں اسی طرح ایک
تیمم سے کئی نمازیں جائز ہیں۔ جب تک کوئی ناقضِ وضو پیش نہ آئے۔ لیکن یہ صورت جواز کی
ہے۔ اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے جدید وضو اور جدید تیمم کر لے۔

دنیا میں پانی سے بڑھ کر کوئی چیز نجاست کو دُور کرنے والی نہیں ہے اور یہ ایک بدیہی بات
ہے۔ تو جب وضو یا غسل کے لئے پانی میسر نہ ہو، اور پانی کا استعمال نقصان کرتا ہو تو پانی
کے بعد اگر کچھ ہے تو مٹی ہے۔ مٹی میں خدا نے سلبِ عفونت کا خاصہ رکھا ہے۔ یہ بھی ممکن
ہے [illegible] نجاست کہا جا سکتا ہے کہ تیمم کے لئے مٹی کا اختیار کرنا اس چیز کا اختیار کرنا ہے

ہوتی ہے۔ خاص کر سونے کے اوقات میں منہ کی رطوبت دانتوں اور ڈاڑھوں کی جڑوں میں
جمع ہوتی ہے جس سے پائیوریا یعنی مسوڑھوں کا مرض پیدا ہوتا ہے۔ اکثر
بسا اوقات کھانے کے کچھ ذرات یا گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے آدمی کی غفلت سے دانتوں
کی جڑوں یا ریخوں میں رہ جاتے ہیں۔ اگر مسواک کے ذریعے سے انہیں باہر نہ نکالا جائے
تو سڑ کر دانتوں اور ڈاڑھوں میں کیڑے پیدا کر دیں گے۔ اور اس سے درد شدید پیدا ہو جانا
ایک آسان سی بات ہے۔ اس لئے آدمی کو چاہیے کہ وضو کے وقت نہیں تو کم سے کم صبح
اور عشاء کے وقت ضرور مسواک کیا کرے۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر سے
گھر میں تشریف لاتے تو مسواک کرتے۔ اور فرماتے کہ جس وقت میرے پاس جبرئیل آتے ہیں مسواک
کی تاکید کرتے ہیں حتیٰ کہ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں امت پر مسواک کرنا فرض تو نہیں کر دیں گے۔
لیکن مسواک میں بہت سے مبالغہ کرنے سے پرہیز تو نہیں جو باؤں کہ مسواک کے لئے کچھ بھی ضرور
نہیں کہ وہ پیلو ہی کے درخت کی ہو، بلکہ جس درخت کی بھی ہو کافی ہے۔ اور اب تو بالوں کی اور
کٹی ہوئی ہڈیوں کی برش نما مسواکیں چل پڑی ہیں۔ یہ بھی تو مسواک کے حکم میں داخل ہے۔ اسی طرح
دانتوں کو صرف انگلی سے صاف کرنا، یا منجن ملنا، یا جیسے تمام منجن سفوف کا استعمال کرنا بھی
مسواک میں داخل ہے کیونکہ جو فائدہ مسواک سے متوقع ہوتا ہے یعنی ازالہ بخر، وہی ان چیزوں میں
بھی حاصل ہے۔ الغرض جب وضو میں مسواک اور تین کلیاں کر چکے، تو تین دفعہ ناک میں پانی دے۔ بائیں ہاتھ
سے ناک جھاڑے اور ناک کے اندر پانی پہنچانے کی کوشش کرے۔ پھر تین دفعہ منہ دھوئے طول
میں ماتھے کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک، اور عرض میں دونوں کانوں کی لوؤں تک۔ داڑھی
کو تر کرنا اور انگلیوں سے خلال کرنا مسنون ہے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ کہنیوں تک
تین بار دھوئے۔ پھر نیا پانی لے کر سر کا مسح کرے۔ مسح اس طرح کرے کہ پانی سے دونوں ہاتھوں
کو تر کرکے اور سب انگلیاں برابر ملا کر پیشانی کے بالوں پر رکھے اور گُدی تک کھینچتا لے جائے۔

پھر گدی سے کھینچتا ہوا اسی جگہ لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا۔ لیکن یہ صورت اُنہی لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو مُحلّقین ہوں یعنی سر پر بال نہ رکھتے ہوں۔ کیونکہ جن کے سر پر بال ہوں اُنہیں اُتنا ہی بس کرتا ہے کہ ہاتھ کی اُنگلیاں ملا کر پیشانی کے بالوں پر رکھیں اور دونوں ہاتھ گدی تک لے جائیں تاکہ منتشر بال جم جائیں۔ سر کا مسح کر کے کانوں کا مسح اِس طرح کرے کہ کانوں کے دونوں سوراخوں میں دونوں شہادت کی اُنگلیاں ڈال کر انگوٹھوں سے کانوں کی پشت پر مسح کرے۔ زاں بعد داہنا پاؤں ٹخنوں تک تین دفعہ دھوئے۔ اور اسی طرح بایاں پاؤں۔ ہاتھ پاؤں کی اُنگلیوں کا بھی خلال کرنا مسنون ہے تاکہ پانی سب جگہ پہنچ جائے۔ اعضائے وضو کو تین تین بار دھونا افضل و بہتر ہے اور اسی کو اسباغ اور اتمام تکمیل بھی کہتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص دو دو بار یا صرف ایک ایک بار بھی دھوئے گا وضو تینوں وقت درست ہو جائے گا۔ مگر تین تین بار سے زیادہ وضو منع ہے۔ کیونکہ پانی خدا کی بڑی نعمت ہے اور اُس کو بے ضرورت زیادہ بہانا حقیقت میں اُسے ضائع کرنا ہے۔ اور اسی کو اسراف کہتے ہیں۔ اعضائے وضو میں سے کوئی عضو ناخن کے برابر بھی خشک رہ جائے گا تو از سرِ نو وضو کرنا پڑے گا۔ لیکن اعضائے وضو تر ہوں تو خشک جگہ کو مل کر تر کر لینے سے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک وضو سے کئی وقت کی نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ وضو کے لئے اِس زمانے کے تول کے حساب سے سوا سیر ڈیڑھ سیر پانی کفایت کرتا ہے، اِس سے زائد داخلِ اسراف ہے۔ گو پانی کی افراط ہی کیوں نہ ہو اور وضو کرنے والا بہتی ندی پر کیوں نہ ہو۔ وضو سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیئے[1] اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ وضو میں مسواک کرنے کی بابت ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ

---

[1] میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا و یگانہ ہے، وہ کوئی شریک نہیں رکھتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندے اور رسول برحق ہیں۔ خداوندا مجھے اُن لوگوں میں شامل کر دے جو ہمیشہ دل سے توبہ کرتے ہیں اور اُن لوگوں میں داخل کر دے جو پاکی حاصل کرنے میں کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔

شرع میں اس کی بڑی تاکید ہے۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ چار چیزیں پیغمبروں کی سنت ہیں حیا کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا، نکاح کرنا۔ مسواک والی نماز بے مسواک والی نماز سے ثواب میں ستر درجہ بڑھکر

نواقض وضو:—— ریح نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر آواز نہ یا بدبو پیدا نہ ہو صرف شبہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ پاخانے، پیشاب، مذی، ودی نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قے کرنے، نکسیر پھوٹنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لیٹ کر سو جانے یا کسی پر سہارا دے کر سو جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں استرخاء مفاصل ہوتا ہے اور اس وقت بےخبری میں ریح وغیرہ کے نکل جانے کا قوی احتمال ہے۔ ہاں اگر کھڑے کھڑے یا بیٹھے بیٹھے سو جائے اور کسی قسم کی ٹیک نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ نماز میں کھلکھلا کر ہنسنے سے نماز تو بے شک فاسد ہو جاتی ہے لیکن صحیح حدیثوں کی رو سے وضو کا ٹوٹنا ثابت نہیں ہوا۔ البتہ فقہی روایات میں قہقہہ کا ناقض وضو ہونا بتایا گیا ہے۔ مرد و عورت اگر اپنا اپنا ستر ہاتھ سے چھوئیں گے اور بیچ میں کپڑا حائل نہ ہو گا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ خاص کر اونٹ کا گوشت کھانے سے پھر کر وضو کرنا حدیث روایت سے ثابت ہوا ہے اور یہ غالباً اس وجہ سے ہے کہ اونٹ کے گوشت میں لسانہ زیادہ ہوتی ہے۔ عورت کو چھونے اور بوسہ لینے اور آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

مساجد

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۞ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

مشرکوں کو کوئی حق نہیں کہ اپنے جیسے کو دل سے اللہ کی مسجدیں آباد کریں۔ وہ شرک کے فعل و قول سے اپنے اوپر کفر کی گواہی دیتے جاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا کیا دھرا سب اکارت ہوا اور یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے۔ حقیقت میں تو خدا کی مسجدوں کو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لایا

نماز پڑھنے والے کو پچیس نماز کا، اور جامع مسجد میں پانسو نماز کا، اور بیت المقدس اور مسجد نبوی
میں پچاس ہزار نماز کا، اور بیت اللہ میں ایک لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے۔ عورتوں کا گھر میں
نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ ایک صحابی ابو حمید ساعدیؓ تھے۔ اُن کی بی بی نے نبی کریمؐ کی خدمت
میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہوں۔ فرمایا مجھے تیرا شوق معلوم ہے
لیکن تیرا گھر کے اندر یعنی کوٹھری میں نماز پڑھنا دالان میں پڑھنے سے بہتر ہے اور دالان میں نماز
پڑھنا صحن میں پڑھنے سے بہتر ہے اور قوم کی مسجد میں پڑھنا میری مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ خلاصہ یہ ہے
کہ عورت کو پردہ داری کی کوشش کرنی چاہئے جہاں تک ممکن ہو۔ بعض احادیث سے
یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مستورات مردوں کے ساتھ
جماعت میں بھی شریک ہوتی تھیں۔ جہاد میں بھی مردوں کا ساتھ دیتی تھیں۔ عید اور بقرعید
کی نمازوں میں بھی ان کا ہونا پایا جاتا ہے۔ مگر جاننے والے سمجھتے ہیں کہ یہ آزادی ضرورت کی وجہ سے عمل
میں لائی جاتی تھی۔ وہ وقت تھا جبکہ مسلمانوں کا گروہ تھوڑا تھا۔ عورتوں کے شریک کرنے سے
کثرتِ گروہ کا دکھانا منظور تھا۔ اب خدا نے اسلام کو ایسی نمود و نمائش سے مستغنی کر دیا ہے۔
خدا کے فضل سے مسلمان کثرت سے ہو گئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔ علاوہ بریں
جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے مقابلے میں بوجہ بُعدِ زمانہ لوگوں کے دینی
خیالات بھی فاسد ہو گئے ہیں۔ غرض نظر بحالتِ موجودہ عورتوں کا پردے کی رعایت کے ساتھ
مشغولِ عبادت ہونا بہتر ہے۔ جب ہم حصہ دوم "حقوق العباد" میں اداءِ حقوقِ زوجین اور
حقوقِ نفس کے ذیل میں پردے پر بحث کریں گے تو وہاں اس سے زیادہ وضاحت کی جائیگی۔

صلوٰة

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ (بقرہ ع ۵ پارہ ۱)

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو۔ اور جو لوگ (ہمارے حضور میں) بوقتِ ادائے نماز جھکتے ہیں اُن کے ساتھ تم بھی جھکا کرو۔ یہ تم (دوسرے) لوگوں سے نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم کتاب (الٰہی) بھی پڑھتے رہتے ہو۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟ (مصیبت کی برداشت کے لئے) صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔ اور البتہ نماز شاق ہے مگر اُن پر نہیں جو عاجزی کرتے ہیں اور جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔[1]

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○ (بقرہ ع ۳۱ پارہ ۲)

(مسلمانو) تمام نمازوں کا عموماً اور بیچ کی نماز کا خصوصاً تاکید رکھو اور نماز میں اللہ کے آگے ادب سے کھڑے ہو۔[2]

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ○ (ہود ع ۱۰ پارہ ۱۲)

(اے پیغمبر) دن کے دونوں سرے (یعنی صبح و شام) اور اوائلِ شب نماز پڑھا کرو۔ کیونکہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ جو لوگ ذکر کرنے والے ہیں اُن کے حق میں یہ ارشاد ایک نصیحت کی یاددہانی ہے۔

---

[1] [illegible]

[2] [illegible]

کنا وقت اسلام کا ایک پیرایہ تھا۔

ف حدیث سے ثابت ہے [illegible] اور چونکہ یہ وقت دُنیا کے کاروبار میں مشغول رہنے [illegible]

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۹ پارہ ۱۵)

اے پیغمبر آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں پڑھو اور نماز صبح بھی کیونکہ نماز صبح کا وقت نور ظہور کا وقت ہے ف۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ۝ (الروم ع ۲ پارہ ۲۱)

پس جس وقت تم لوگوں کو شام ہو اور جس وقت تم کو صبح ہو اللہ کی تسبیح و تقدیس کرو۔ اور آسمانوں اور زمین میں وہی اللہ تعریف کے لائق ہے۔ اور نیز تیسرے پہر اور جب تم لوگوں کو دوپہر ہو اللہ کی تسبیح و تقدیس کرو ف۔

اِس عنوان کے متعلق قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں منجملہ اُن کے اکثر آیتیں تو ایسی ہیں جن میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ساتھ ہوا ہے۔ اور بعض ایسی ہیں جن میں صرف نماز کا بیان ہے۔ سب آیات کا جمع کرنا تو مشکل ہے نمونے کے طور پر چند آیتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ (البقرہ ع ۱ پ ۱)

۲۔ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ ع ۱۰ پ ۱)

۳۔ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ (البقرہ ع ۱۳ پ ۱)

۴۔ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ … (البقرہ ع ۲۲ پ ۲)

۵۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ (النساء ع ۱۱ پ ۵)

۶۔ لٰكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ … (النساء ع ۲۲ پ ۶)

۷۔ وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ (المائدہ ع ۳ پ ۶)

ف [illegible]

ف [illegible] تسبیح و تقدیس کی جاتی ہے اور پانچوں وقتوں کی [illegible] تمسون میں مغرب و عشاء شامل ہے [illegible] عشیا میں عصر اور تظہرون میں ظہر۔

فجر کا وقت صبح کی پو پھٹنے سے شروع ہوتا اور سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔ سورج کے
ڈھلتے ہی ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یہ نماز ظہر کا اوّل وقت ہے۔ مگر جب ہر چیز کا سایہ
اصلی سایہ کو چھوڑ کر اُسکے برابر ہو جاتا ہے تو یہ نماز ظہر کا اخیر اور عصر کا اوّل وقت ہے۔ اور
جب تک سورج زرد نہ پڑے اور خوب صاف چمکتا ہے عصر کا اخیر وقت ہے۔ سورج
کے ڈوب جانے پر مغرب کا اوّل وقت اور شفق کی سُرخی چھپنے کے قریب تک اس کا اخیر وقت ہے۔
عشا کا اوّل وقت شفق کی سُرخی غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور نصف رات گزرنے تک رہتا ہے۔

ایک دن جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور
نماز کے اوقات دریافت کیے۔ فرمایا کہ تو دو روز ہمارے ساتھ نماز پڑھ لے۔ چنانچہ اُس نے
ایسا ہی کیا۔ صبح کی نماز کا وقت ہوا تو آپ نے فجر کی پو پھٹتے ہی بلال کو اذان دینے کا حکم کیا اور
نماز ادا کی۔ اس وقت لوگ باہم ایک دوسرے کو جھٹ پٹے کے وقت کی وجہ سے پہچان
نہیں سکتے تھے۔ پھر سورج ڈھلا تو ظہر کی نماز پڑھی۔ اُس وقت بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ابھی
دوپہر ہی ہے۔ حالانکہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے اوقات سب سے بہتر جانتے
ہیں۔ اس کے بعد جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو چکا اور ابھی سورج بہت بلند تھا آپ نے
عصر کی نماز پڑھی۔ اور آفتاب کا قرص ڈوبا تو نمازِ مغرب پڑھ کے کھڑے ہو گئے۔ بعد ازاں شفق
کی سُرخی غائب ہوئی تو عشا کی نماز ادا کی۔ دوسرا دن ہوا تو آپ نے صبح کی نماز اس
وقت پڑھی کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کسی نے کہا کہ سورج نکل آیا۔ اور کسی نے کہا کہ
نہیں بلکہ نکلنے کے قریب ہے۔ اور ظہر کی نماز میں یہاں تک تاخیر کی کہ ہر چیز کا سایہ اُسکے
مثل کے قریب قریب پہنچ گیا تھا۔ عصر کی نماز میں اس قدر دیر کی کہ نماز سے فارغ ہونے
کے بعد کوئی کہتا تھا کہ سورج زرد پڑ گیا۔ اور کوئی کہتا تھا کہ زرد ہونے کے قریب ہے۔ اور جب
شفق کی سُرخی غائب ہونے والی تھی تو مغرب کی نماز پڑھی۔ عشا کی نماز میں یہاں تک دیر کی

کہ رات کے نصف اوّل کا تیسرا حصہ گزر چکا تھا۔ تیسرے دن صبح ہوئی تو آپ نے سائل کو بلا کر فرمایا کہ اوقاتِ نماز ان دو وقتوں کے درمیان ہیں۔ (صحیح مسلم)

جمع بین الصلاتین: ـــــــ بحالتِ سفر تو باتفاقِ جمہور علماء ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کرنا درست ہے۔ ہاں مگر بعض علماء محدثین کے نزدیک بغیر سفر اور بے عذر کے یوں ہی موقع آ پڑے تو دو نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے۔ اور وہ صحیح مسلم کے اس اثر سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ اقامت میں بغیر کسی عذر کے دو نمازیں جمع کر کے پڑھیں ظہر و عصر، اور مغرب و عشاء۔ تو اگر کبھی کسی کو یہ صورت پیش آ جائے تو عصر کے وقت ظہر و عصر کو، اور عشاء کے وقت مغرب و عشاء کو جمع کرے اور بہ نیت دو جمع کرے۔ مگر جمہور علماء اسے جمع صوری پر محمول کرتے ہیں یعنی اگر کبھی ایسی صورت واقع ہو تو دو نمازیں اس طرح جمع کرے کہ پہلی نماز کا آخر اور دوسری نماز کا ابتدائی وقت ہو۔ مثلاً ظہر و عصر کی دو نمازوں کے جمع کرنے کا کسی کو موقع پیش آئے تو وہ ظہر کے آخر وقت اور عصر کے ابتدائی وقت میں دونوں نمازیں جمع کرے۔

اذان

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ۝ (المائدہ رکوع ۹)

مسلمانو! جب تم اذان دے کر مسلمانوں کو نماز کے لئے بلاتے ہو تو یہ یہود و نصاریٰ اس کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں اور یہ حرکت بیجا ان سے اس لئے سرزد ہوتی ہے کہ یہ ایسے بیوقوف لوگ ہیں کہ کچھ نہیں سمجھتے۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن

مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد یعنی نماز کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

کہ پورا اور کامل عادت ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذان نماز کی بڑی نشانی ہے۔
اذان کے کلمات یہ ہیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ۔
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔
حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ۔ صبح کی
اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ بھی دو دفعہ کہنا چاہیئے۔ اذان سننے
والے کو مناسب ہے کہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ سن کر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور
اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ سن کر صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کہے۔ اور باقی وہی الفاظ کہتا جائے جو
مؤذن کہتا ہے۔

اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ
اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ۔

جو شخص یہ دعا پڑھے گا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی جناب میں قیامت کے دن
اس کی شفاعت کریں گے۔ اذان کے بعد یہ دعا بھی حدیث میں آئی ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا
اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ
رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا۔

[illegible]

تکبیر کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ
حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ بعض حدیثوں میں الفاظِ تکبیر صرف ایک ایک دفعہ بھی آئے ہیں۔ اور اذان میں
ترجیع یعنی شہادتین کی تکرار بھی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ مگر علمائے حنفیہ اُسے تعلیم وغیرہ پر
محمول کرتے ہیں۔ تکبیر سنتے وقت بھی وہی الفاظ کہنے چاہئیں جو مکبّر کہتا ہے۔ مگر قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ
کے بعد اَقَامَهَا اللّٰہُ وَاَدَامَهَا کہیں۔ اذان اور اقامت میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اذان
میں جہر ہے کیونکہ اس سے دور کے لوگوں کو بلانا اور مطلع کرنا مقصود ہوتا ہے، بخلاف اقامت
کے کہ اس سے صرف مسجد ہی کے لوگوں کو آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اذان میں
ساعات اور وقفات ہوتے ہیں اور اقامت میں نہیں۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے: دو ساعتیں ایسی ہیں جن میں دعا کرنے والے کی دعا رد نہیں ہوتی۔ ایک اقامت نماز کے
وقت، دوسرے جہاد میں صف بندی کے وقت۔ جب تکبیر کہی جاتی ہے تو آسمانوں کے دروازے
کھل جاتے ہیں اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نماز کے شرائط وارکان: ——— جس کپڑے پر نماز پڑھی جائے نجاست سے
پاک اور ستھرا ہو۔ سارا جسم پاک ہو۔ نماز کی جگہ صاف ستھری ہو۔ استقبالِ کعبہ۔ وقتِ نماز میں
نماز پڑھنا۔ جونسی نماز پڑھتا ہو اس کی نیت[2] دل میں کرنی اور نیت سے مراد ہے ارادہ۔ نماز
شروع کرتے وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا۔ کوئی عذر نہ ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا، کیونکہ معذور کو قیام
معاف ہے۔ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا۔ الحمد یاد نہ ہو تو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ [illegible]

---

[1] [illegible] تکبیر [illegible] ثابت ہے۔ مگر [illegible] قد قامت الصلوۃ [illegible]
[illegible] نماز کو [illegible] نیت [illegible] زبان [illegible] نہیں۔ لوگوں نے جو [illegible]
قرار دے رکھا ہے یہ ان کی غلطی ہے۔

پڑھنا۔ رکوع کرنا۔ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا۔ یکے بعد دیگرے دو سجدے کرنے۔ دونوں
سجدوں کے بیچ میں تھوڑے بیٹھنا۔ آخر رکعت میں تحیات اور درود شریف پڑھنے کے لئے
بیٹھنا۔ وغیرہ باتیں ہیں۔ نجیبا! بعض حدیثوں سے جو خشوع و خضوع کا شرطِ نماز ہونا مفہوم ہوتا ہے
تو اس سے مراد یہ ہے کہ بغیر خشوع و خضوع نماز کامل نہیں ہوتی یعنی خشوع و خضوع اصل نماز
کے رکن نہیں ہیں بلکہ کمال اور پورائی نماز کے۔ ستر عورت بھی شرطِ نماز ہے۔ اور عورت سے مراد ہے
جسم کا وہ حصہ جس کا کشف کرنا ناجائز ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات میں لکھتے ہیں۔
سَتْرُ الْعَوْرَةِ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الصَّلٰوةِ وَاِنْ كَانَ فِيْ مَكَانٍ خَالٍ وَفِيْ غَيْرِ حَالَةِ الصَّلٰوةِ
يَجِبُ سَتْرُهَا عَنْ اَعْيُنِ النَّاسِ مِمَّنْ يَحْرُمُ نَظَرُهُ۔ ستر ڈھانکنا صحتِ نماز کے لئے
شرط ہے۔ گو آدمی خالی مکان میں کیوں نہ ہو۔ نماز میں مرد کے لئے زانو سے ناف تک عورت
ہے یعنی اسے زانو سے ناف تک ڈھکنا فرض ہے۔ اسی طرح لونڈی کو زانو سے ناف تک
اور پیٹ پیٹھ ڈھکنا فرض ہے۔ مگر آزاد عورت کو چہرے اور ہاتھ کے پہنچوں کے علاوہ
سارا بدن ڈھکنا فرض ہے۔ اگر نماز میں جسم کا کوئی حصہ کھل جائے تو نماز درست نہ ہوگی
نماز کے علاوہ نامحرموں یعنی ان اجنبیوں سے ستر عورت کرنا واجب ہے جن سے شرعاً نکاح
کرنا جائز ہو۔ دوسرے کپڑے کے ہوتے صرف ایک چادر سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ ستر
چھپا ہوا ہو۔ منہ ڈھانک کر یا کپڑا لپیٹ کر نماز پڑھنی منع ہے مطلب ہے کہ بے پردگی
داخلِ بے شرمی ہے۔ اور خلافِ ادب۔ اس واسطے اس کو مبطلِ نماز ٹھیرایا گیا ہے۔ جب نماز میں
آدمی خدا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ تو اس کو خواہی نخواہی پاسِ ادب ملحوظ رکھنا ہوگا۔ جواز
و عدم جواز کی بحث دوسری ہے۔ آدمی کو عبادت کے وقت باادب ہونا ضروری ہے۔ اور
ہر شخص رسم و رواج و اپنی حالت کے مناسب اپنے لئے ادب کی حد قرار دے سکتا ہے۔
مجھے ایک بزرگ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ وہ خاندانِ شاہی میں سے تھے اور ۱۸۵۷ء کے

خدمت پہلے کی بات ہے۔ تو وہ بزرگ بہ تعلق خدمت ہر روز بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوتے تو دربار میں جانے سے پہلے ہاتھ منہ دھو کر ڈاڑھی میں کنگھی کرتے۔ بہتر سے بہتر لباس پہنتے۔ کمر باندھتے اور میں نے بچشم خود دیکھا کہ پانچوں نمازوں کے لئے وہ یہی اہتمام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خدمتگار درباری تھیلی جوتی لا کر رکھ دیتا۔ اور نماز کے بعد وہ درباری کپڑے اتار دیتے اور خدمتگار وہ جوتی بھی اٹھا کر رکھ دیتا۔ ادب شناس بندے ایسے ہوتے ہیں۔

استقبال قبلہ و ترکیب نماز

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ (البقرہ۔ ع ۱۵۔ پارہ ۱)

اور (اللہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ) ابراہیمؑ کی جگہ کو نماز کی جگہ مقرر رکھو۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰٮهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَـرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ (البقرہ۔ ع ۱۔ پارہ ۲)

(اے پیغمبر حکم تحویل قبلہ کے انتظار میں) تمہارا منہ پھیر پھیر کر آسمان کی طرف دیکھنا ہم دیکھ رہے ہیں تو ہم تم کو اسی قبلہ کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو پھیر دیں گے۔ (اچھا تو اب نماز پڑھتے وقت) مسجد محترم (یعنی کعبہ) کی طرف اپنا منہ کر لیا کرو۔ اور (مسلمانو!) تم بھی جہاں کہیں ہوا کرو اسی کی طرف کو اپنا منہ کر لیا کرو۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَـرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ‏ (البقرہ۔ ع ۱۔ پارہ ۲)

اور (اے پیغمبر) تم کہیں سے بھی نکلو (یہاں تک کہ سفر میں بھی) تو جہاں ہو نماز میں اپنا منہ مسجد محترم کی طرف کر لیا کرو۔ اور یہ (یعنی نیا قبلہ) برحق (اور) تمہارے پروردگار کے حکم سے ہے۔ اور جو (کچھ) تم کرتے ہو اللہ تمہارے عملوں سے بے خبر نہیں۔

[illegible]

نماز پڑھنے کھڑے ہوں تو قبلے کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ کانوں یا مونڈھوں تک اُٹھائیں اور تکبیر تحریمہ یعنی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے پہنچے پر رکھ کر ہاتھ باندھیں۔ پھر آہستہ سے یہ دعا پڑھیں اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ ثُمَّ بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ یعنی خداوندا مجھ میں اور میرے گناہوں میں اتنی دوری ڈال دے جتنی پورب اور پچھم میں دوری ڈال رکھی ہے۔ الٰہی تو مجھے گناہوں سے ایسا ہی پاک کر دے جیسا سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ الٰہی تو میرے گناہوں کو پانی اور برف اور اولوں سے دھو ڈال۔ ازاں بعد آہستہ سے تعوذ پڑھیں یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ اس کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر اَلْحَمْدُ پڑھیں۔ پھر امام اور اکیلا نمازی فجر اور مغرب اور عشاء کی دونوں نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور قرآن کی چند اور آیتیں یا کوئی سورہ پکار کے پڑھے۔ اکیلا آدمی ان نمازوں میں آہستہ قرأت کرے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ ظہر اور عصر کی دونوں نمازوں میں قرأت چپکے سے پڑھیں۔ مسبوق کو چاہئے کہ امام کو جس حالت میں پائے فوراً شریک جماعت ہو جائے۔ اور نماز جتنی ہو باقی رہ جائے امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کر لے۔ غرض کہ جب پہلی رکعت پوری ہو چکی تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کے رکوع میں جائیں۔ رکوع میں سر کو اونچا نیچا نہ کریں بلکہ برابر رکھیں اور گھٹنوں کو ہاتھوں سے مضبوط پکڑیں اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ تین یا زیادہ دفعہ کہیں۔ تین دفعہ کہنا تعدیل کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اور تعدیل کہتے ہیں سکون و اطمینان

[illegible]

ہر رکن کے ادا کرنے کو۔ اور یوں تو ایک دفعہ کے کہنے سے بھی رکوع ادا ہو جائے گا۔ حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے
سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي۔ رکوع کی حالت میں قرآن پڑھنا منع ہے۔ رکوع سے سر اٹھا کر سیدھے
کھڑے ہو جائیں امام ہے تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اور بعض روایات کے مطابق سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ
مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ پڑھے مقتدی ہے تو اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا
مُبَارَكًا فِيهِ کہے۔ ازاں بعد اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر سجدے میں جائیں اور تین دفعہ یا زیادہ سُبْحَانَ
رَبِّيَ الْاَعْلٰى یا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي کہیں۔ سجدے میں کپڑوں کو
سمیٹیں نہیں۔ اور پیشانی اور ناک اور دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں اور قدموں کے دونوں پنجوں
پر سجدہ کریں اور ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھیں پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلہ رخ رہیں۔ اور
دونوں ہاتھ گھٹنوں کے پہلو میں کہنیاں زمین سے اس قدر اونچی رہیں کہ اگر بیچ میں سے بکری
کا بچہ گزرنا چاہے تو آسانی گزر جائے۔ اور دونوں بغلوں کی سفیدی صاف نمایاں ہو۔
کسی شاعر نے سجدے کی کیفیت ایک شعر میں یوں ظاہر کی ہے۔ ع شکم ران سے ران پنڈلی سے دور۔
سجدے میں زمین پر ہاتھ بچھانے منع ہیں۔ سجدے سے فارغ ہوں تو بایاں پاؤں بچھا کر
اس پر بیٹھیں اور دایاں کھڑا رکھیں۔ ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھیں۔ محدثین اس کو جلسہ استراحت
کہتے ہیں اس جلسے میں یہ دعا پڑھنی حدیث سے ثابت ہوئی ہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَ
ارْحَمْنِي وَاجْبُرْنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي۔ اب دوسرا سجدہ کریں اور جو پہلے سجدے
میں پڑھا تھا وہی پڑھیں۔ دوسرے سجدے کے بعد اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر اٹھیں اور زمین

[illegible]

دعا پڑھیں ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ پھر داہنی طرف گردن موڑ کر کہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ تم پر سلامتی اور خدا کی رحمت ہو۔ اسی طرح بائیں طرف گردن موڑ کر کہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ یہ مسلمانوں کا باہمی سلام ہے اور اس میں وہ فرشتے بھی داخل ہوتے ہیں جو اس وقت حاضر ہوتے ہیں۔

سُترہ :—— جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تشریف لے جاتے تو اس وقت عیدگاہ بنی نہ تھی کھلے میدان میں نماز پڑھنی ہوتی تو آپ کے سامنے برچھی گاڑ دیتے اور آپ اسکی آڑ میں نماز پڑھتے۔ جب کوئی جنگل میں یا لوگوں کی گزرگاہ پر نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اپنے منہ کے سامنے کوئی چیز کھڑی کرلے۔ اور نہیں تو صرف ایک لکڑی ہی رکھ لے اور نہیں تو صرف ایک لکیر ہی کھینچ لے۔ اسکے بعد اگر کوئی آگے سے گزرے گا تو نماز میں کچھ خلل نہ آئے گا۔ سترہ اونٹ کے کجاوے کی پچھلی لکڑی کے برابر ہونا چاہئے جو ایک ہاتھ کے قریب لمبی ہوتی ہے۔ صرف امام کے سامنے سترہ ہونا مقتدیوں کے لئے بھی بس کرتا ہے۔ نمازی کے سامنے دیوار یا درخت یا اونٹ ہو تو وہی سترہ ہے۔ نمازی کے آگے سے گزرنا سخت گناہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو اس کی برائی معلوم ہوتا تو سو برس تک کھڑا رہے اور آگے سے نہ گزرے۔

لہ خداوندا میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا تو مجھے اپنے خاص بخشش سے بخشدے، اور مجھ پر رحم فرما، بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔ خدایا میں عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں اور دجال کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ خداوندا میں گناہ و قرض سے بھی پناہ مانگتا ہوں

بلا آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد پڑھنی چاہئیں۔ نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک کوئی نماز نہیں۔ صرف قضا نماز فرض اور
وتر، نمازِ جنازہ بھی پڑھنا درست ہے۔ فجر کی فرض دو رکعتیں ہیں، ان کو پکار کر قرأت پڑھتے ہیں۔ جو
اکیلا نماز پڑھنے والا بھی پکار کر قرأۃ پڑھے تو بہتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جو شخص فجر اور عشاء کی نماز جماعت سے پڑھتا ہے وہ ڈیڑھ رات بھر نماز پڑھتا ہے
ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ صبح کی نماز پڑھنے والا امانِ الٰہی میں آجاتا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ
فجر کی سنتوں کی بہت ہی حفاظت کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا
سے بہتر ہیں۔ آپ فجر کے فرض اکثر ایسے وقت ادا فرماتے کہ عورتیں نماز سے فارغ ہو کر
جاتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں پڑتی تھیں۔

نمازِ ظہر:—— ظہر کی نماز میں فرضوں سے پہلے چار رکعتیں سنت ہیں اور
بعض حدیثوں کی روایت سے دو رکعتیں بھی ثابت ہیں۔ اس کے بعد چار رکعت فرض۔ اور فرض کے
بعد دو رکعت سنت۔ ظہر کے چاروں فرض رکعتوں میں امام اور اکیلے نمازی کو سورۂ فاتحہ کے
ساتھ کوئی اور سورۃ بھی چپکے سے پڑھنا مسنون ہے۔ لیکن پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ
ہی پر اکتفا کریں تو بھی کافی ہے۔ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ظہر کی
پہلی یا آخری سنتوں پر مواظبت کرے گا خدا اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ عین دوپہر
ڈھلتے وقت نماز پڑھنا، میت کو دفن کرنا، نمازِ جنازہ پڑھنا حرام ہے۔

نمازِ عصر:—— عصر کے وقت چار رکعتیں فرض ہیں۔ اس نماز میں الحمد کے
بعد چھوٹی چھوٹی مختصر سورتیں آہستہ سے پڑھیں۔ نمازِ فرض کے پیچھے اور کوئی نماز نہ پڑھیں۔
لیکن ہاں اسی دن کی فرض نماز قضا پڑھنی جائز ہے۔ حدیث میں اس نماز کی بہت تاکید آئی
ہے۔ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی نمازِ عصر ترک ہو گئی اس کے تمام عمل
ضائع ہو گئے۔ اور جو شخص دین کے اعتبار سے اپنا نفس و ذات دیتا ہے گویا اس کا سارا مال

اور اہل و عیال لوٹ لئے گئے۔ فرضوں سے پیشتر چار رکعت سنتیں اور دو بھی آئی ہیں۔ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ جو شخص فرضِ عصر سے پہلے چار رکعت سنّت پڑھے۔ خدا اُس پر رحم فرمائے۔ (ابوداؤد)

نمازِ مغرب: ———— مغرب کی تین رکعتیں فرض ہیں۔ بعد کو دو سنتیں۔ گو مغرب کے فرضوں سے پہلے آفتاب کے غروب ہونے کے بعد بھی دو رکعتیں سنّت ہیں مگر مؤکد نہیں۔ مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں امام اور اکیلے نمازی کو سورۃ فاتحہ اور کوئی اور سورۃ پکار کر پڑھنی چاہیئے۔ اور تیسری رکعت میں خفیہ۔ اس میں اگر صرف الحمد پر اکتفا کیا جائے تو بھی کافی ہے۔ فرض کے بعد جو دو سنتیں پڑھی جاتی ہیں مؤکدہ ہیں۔

نمازِ عشاء: ———— عشاء کے وقت چار رکعت فرض ہیں۔ پھر دو سنتیں۔ فرضوں سے پہلے بھی بعض حدیثوں میں چار اور بعض میں دو رکعتیں سنّت آئی ہیں۔ فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت پکار کر پڑھیں اور پچھلی دو رکعتوں میں آہستہ۔

پانچوں وقت کی نمازوں میں بارہ رکعتیں سنّت مؤکدہ ہیں۔ فجر کے فرضوں سے پہلے دو۔ ظہر کے فرضوں سے پہلے چار بعد کو دو۔ مغرب کے فرضوں کے بعد دو۔ عشاء کے فرضوں کے بعد دو۔ جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص ان بارہ رکعتوں پر مداومت کرے گا۔ اُس کے لئے جنّت میں ہر روز ایک نیا مکان بنایا جائے گا۔ (مُسلم)

نماز کے بعد کے اوراد: ———— اوّل تین دفعہ قدرے بلند آواز سے اَسْتَغْفِرُ اللہ کہے۔ پھر جونسی دُعا چاہے پڑھے۔ صحیح حدیثوں میں جو دُعائیں بالخصوص فرض نماز کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے آئی ہیں اُن کو یہاں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[1] عنوانِ صلوٰۃ کے نمبر ۳ میں آیۃ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی کا ترجمہ دیا گیا ہے وہ بھی دیکھنا چاہیئے۔ [2] میں خدا سے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔

دعائے اوّل: ——— اَللّٰھُمَّ[1] اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ مسلم کی روایت میں اِس دعا کے الفاظ کسی قدر مختصر آئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

دعائے دوم: ——— لَا اِلٰهَ[2] اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

دعائے سوم: ——— اَللّٰهُمَّ[3] اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

دعائے چہارم: ——— اَللّٰهُمَّ[4] اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔

دعائے پنجم: ——— اَللّٰهُمَّ[5] اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے پیچھے تینتیس ۳۳ دفعہ سُبْحَانَ اللّٰهِ تینتیس دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ چونتیس دفعہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور ایک دفعہ لَا اِلٰهَ[6] اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ فرمایا کرتے تھے، اور ارشاد فرماتے تھے کہ جو شخص اِس طرح کہے گا اُس کے گناہ بخش دیئے جائینگے، اگرچہ دریا کے جھاگ کے برابر ہوں۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جو شخص فجر کی نماز کے بعد تین مرتبہ یہ دعا پڑھے گا۔

---

[1] خدا تو [illegible] کے ساتھ زندہ رکھ، [illegible] یعنی جنت میں داخل کر لے [illegible] بخشش والے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبَ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَیُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ فِیْ رِوَایَةٍ لَا یَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ فَاُحَرِّقَ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ یَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّهٗ یَجِدُ عَرْقًا سَمِیْنًا اَوْ مِرْمَاتَیْنِ حَسَنَتَیْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ (رواه البخاری)

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اس ذاتِ مقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں چاہتا ہوں کہ کسی کو لکڑیوں کے اکٹھا کرنے کا حکم کروں، اور جب لکڑیاں اکٹھی ہو جائیں تو نماز کا حکم دوں اور اس کے لئے اذان کہی جائے۔ پھر میں ایک شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرائے اور میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوئے۔ پھر ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔ خدا کی قسم اگر ان میں سے کسی شخص کو ایک گوشت کی فربہ ہڈی یا دو عمدہ کھر ملنے کی امید ہو تو نمازِ عشاء میں ضرور حاضر ہو۔"

جماعت سے نماز پڑھنا اگرچہ سنتِ مؤکدہ ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا یہاں تک اہتمام تھا کہ جو شخص بلا عذر نماز جماعت میں نہ آتا تو وہ منافق سمجھا جاتا اور اس کا خیال کیا جاتا کہ اس کا گھر جلا دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگوں کو جماعت کا یہاں تک اہتمام تھا کہ اپاہج اور معذور اور بیمار تک دو آدمیوں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پہنچتا اور صف میں کھڑا کیا جاتا۔ عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا صحابی تھے اور کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہ رکھتے تھے، وہ بھی نماز با جماعت حاضر ہونے سے معذور نہیں سمجھے گئے۔ نبی کریم نے فرمایا کہ منافقوں پر عشاء اور صبح کی نماز بہت بھاری ہوتی ہے لیکن اگر انہیں ان نمازوں کا ثواب معلوم ہو تو گھٹنوں کے بل چل کر جماعت میں آئیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تندرست اور فارغ آدمی بلا عذر جماعت میں شریک نہ ہو تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ ہاں سردی اور بارش کی شدت میں اگر جماعت میں شریک نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اسی طرح دشمن یا مخالف کا خوف ہو یا بیماری کے زیادہ ہو جانے کا ڈر ہو، تو جماعت کے ترک کرنے کا مضائقہ نہیں۔ اگر پیشاب پاخانے

کی حاجت ہو، یا کھانا سامنے رکھ دیا گیا ہو، تو جائز ہے کہ ان سب کاموں سے فارغ ہو کر اطمینان کے ساتھ شریک جماعت ہو۔ غرضکہ معذور آدمی کو جماعت سے غیر حاضر رہنا درست ہے۔ مسلم میں آیا ہے کہ عتبان بن مالک صحابیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری آنکھیں جاتی رہی ہیں اور ایک قوم کی امامت میرے سپرد ہے۔ لیکن جب مینہ برستا ہے تو میرے اور مسجد کے بیچ میں نالہ بہتا ہے ایسی صورت میں میں امامت کرانے نہیں جا سکتا۔ میری آرزو ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لا کر میرے لئے نماز کی جگہ تجویز فرما دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان شاء اللہ ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ آپ دوسری صبح کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر عتبان کے مکان پر پہنچے اور فرمایا، تم کس جگہ نماز پڑھنا چاہتے ہو؟ انہوں نے مکان کا ایک گوشہ متعین کر دیا۔ آپ نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز نفل جماعت سے ادا فرمائی اور اس خوشی میں عتبان کے گھر والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا تیار کیا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسلام کی ابتدا تھی۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا تو کہیں فتح مکہ کے بعد حضرت کی وفات کے قریب ہوا ہے ورنہ شروع شروع میں تو حضرت کے مسلمان صرف معدودے چند اشخاص تھے۔ اور وہ معدودے چند بھی یا تو وہ لوگ جو حضرت کے اندرونی حالات سے واقف تھے اور حضرت کی صداقت و دیانت کا ان کو کامل یقین تھا۔ جیسے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکرؓ یا حضرت علیؓ۔ اور جو غیر تھے، تو وہ دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے لوگوں کی نظر میں کچھ بھی وقعت اور اعتبار نہیں رکھتے تھے، اور انہوں نے اسلام کے اختیار کرنے میں سبقت بھی اسی وجہ سے کی تھی کہ جاہ و حشم دنیا سد راہ نہ تھا۔ جیسے مغیرہ بن ولید کے غلام بلالؓ جن کو ان کا موذی [illegible] میں سورج کی طرف کا میدان [illegible] طرح طرح کی اذیتیں دیتا تھا، اور آخر کار حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خرید کر مغیرہ کے پنجۂ ظلم سے چھڑایا تھا۔ یا عمار بن یاسر یا اسی طرح کے اور چند ضعفاء تو ایسے

[illegible]

ضعیف کے وقت میں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی ایذا دہی سے بچنے کے لئے تاکیدِ جماعت
کی سخت ضرورت تھی اور نمازِ جماعت تاکید بھی اسی غرض سے تھی کہ جتنے مسلمان ہیں وہ دن رات ایک جگہ
جمع ہو کر نماز پڑھیں تاکہ مخالفوں پر اِس گروہ کا کچھ اثر پڑے۔ سو خدا کے فضل سے اب ویسی ضرورت
تو باقی نہیں رہی مگر پھر بھی اسلامی قوت، اسلامی شوکت مسلمانوں کی کثرت کا اظہار بھی جہاں تک ہو سکے
اور جس طرح پر ہو سکے اسلام کی خدمت ہے۔ اور نمازِ جماعت بھی اسلام کی خدمت کا ایک پیرایہ ہے
خدا غریقِ رحمت کرے شاہجہان بادشاہ کو کہ وہ دہلی میں جامع مسجد بنوا گیا ہے۔ جس کی شان کا معبد
سارے ہندوستان میں کسی قوم کا نہیں۔ الوداع کے دن جب نمازیوں کا ہجوم ہوتا ہے اور اتنی وسعت
پر اندرونِ مسجد جگہ نہیں ملتی۔ اور اللہ اکبر کی آواز کے ساتھ ہزارہا آدمی رکوع میں جھکتے اور سجدے
میں گرتے ہیں تو فرشِ زمین عرشِ بریں کا نمونہ بن جاتا ہے جس کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے
کہ آسمان میں چپے بھر جگہ ایسی نہیں جس پر کوئی فرشتہ جبینِ نیاز سجدے میں نہ رکھے ہو۔

جب نمازِ فرض کی تکبیر کہہ دی جائے تو اب بجز اِس نماز کے اور کوئی نماز درست نہیں۔ اگر کوئی
شخص فرض یا نفل نماز پڑھ رہا ہو اور جماعت کی تکبیر کہہ دی گئی ہو تو نیت توڑ کر شریکِ جماعت
ہو جائے ورنہ گنہگار ہوگا۔ اذان ہونے کے پیچھے مسجد سے نکلنا درست نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص دوسری
مسجد کا امام ہو یا پیشاب پاخانے کی حاجت رکھتا ہو یا مسجد کا امام بدعتی ہو یا مسجد میں کوئی بدعت
ہو رہی ہو، تو ان عذروں کی وجہ سے مسجد سے نکل جانا درست ہے۔

صفوں کے برابر اور سیدھا کرنے کی تاکید میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں منجملہ ان کے ایک
یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو! اپنی صفیں سیدھی رکھو، اور سب مل کر
نزدیک ہو جاؤ میں تمہیں پیٹھ پیچھے سے ویسا ہی دیکھتا ہوں جیسا آگے سے۔ منجملہ ان کے ایک
یہ ہے کہ فرمایا۔ خدا کے بندو! صفیں برابر کرو ورنہ خدا تمہارے دل میں اختلاف ڈال دے گا۔
صفوں کی پابندی نہ کرنا دلیل خودسری کی ہے، اور تمہید اختلاف کی۔

صرف بدگمانی کی وجہ سے کسی مسلمان کی امامت سے انکار کرنا نہ چاہئیے۔ بلکہ ہر مسلمان کے پیچھے
جس کا عقیدہ و طریقہ معلوم نہ ہو نماز پڑھنی درست ہے۔ ہاں بدعتی اور منکرِ حدیث اور فرقہ ضالہ
کے پیچھے نماز نادرست ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے اَلصَّلٰوۃُ وَاجِبَۃٌ عَلَیْکُمْ خَلْفَ کُلِّ مُسْلِمٍ
بَرًّا کَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ۔ یعنی ہر مسلمان کے پیچھے نماز واجب ہے۔ نیکوکار ہو
یا بدکار۔ اگرچہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو۔ امام کو چاہئیے کہ قراءۃ میں تخفیف کرے
کیونکہ جماعت میں چھوٹے بڑے ضعیف و کمزور اور بیمار و حاجتمند سب ہی طرح کے لوگ
ہوتے ہیں۔ البتہ تنہا نماز پڑھنے میں جس قدر چاہے قراءۃ طویل کرے۔ عورت عورتوں کی امامت
کر سکتی ہے۔ مگر اُسے صف کے بیچ میں کھڑا ہونا چاہئیے۔ جناب ام المومنین حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت کی اور اُن کے بیچ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ اسی
طرح حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت کی۔ وہ صف کے بیچ
میں کھڑی ہوئیں۔ افضل امام کے ہوتے کم رتبے والے کو امام بنانا بہتر نہیں۔ مگر ایسی صورت میں
نماز درست ہو جاتی ہے۔ کم رتبے کا کوئی امامت کر رہا ہو اور بڑے درجے کا کوئی آ جائے
تو امام کو جائز ہے کہ خود مقتدی بن جائے اور اُسے امام بنائے۔ نماز میں اگر امام قراءۃ میں بھول جائے
تو مقتدی کو بتانا جائز ہے۔ ابوداود میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ قراءۃ کرتے وقت کچھ آیتیں چھوڑ گئے۔ نماز کے بعد عرض کیا کہ
حضرت! آپ اثنائے قراءۃ میں فلاں فلاں آیتیں چھوڑ گئے۔ فرمایا۔ "تو نے یاد کیوں
نہیں دلا دیا؟" عرض کیا "میں سمجھا تھا کہ شاید ان آیتوں کا پڑھنا منسوخ ہو گیا ہے۔" حنفیوں
کے نزدیک نفل نماز والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنی درست ہے۔ اسی طرح فرض نماز پڑھنے والے
کے پیچھے نفل نماز جائز ہے۔ امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدیوں کو کھڑے
ہو کر نماز پڑھنا چاہئیے۔

مقتدی کو بہر حال امام کی اقتدا کرنی چاہیئے۔ رکوع سجدے قیام وغیرہ میں امام سے سبقت کرنا ناجائز اور بہت برا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص امام سے پیشتر سر اٹھاتا ہے قیامت کے دن اس کا سر گدھے کا سا ہو گا۔ امام مقتدیوں کی رعایت نہ کرے اور نماز میں کوئی بڑی سورۃ شروع کر دے تو حاجتمند اور تھکے ماندے کو جائز ہے کہ نیت توڑ کر علیحدہ نماز پڑھ لے۔ جب کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور ایک شخص پیچھے سے آکر نماز میں شریک ہونا چاہتا ہو تو اُسکے دائیں طرف پہلو میں کھڑا ہو جائے اور اگر کوئی اور بھی آجائے تو دونوں شخص امام سے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوں۔ اگر خود نہ ہٹیں تو امام کو اُنہیں پیچھے ہٹا دینا چاہیئے لیکن پیچھے جگہ نہ ہو تو امام خود آگے بڑھ جائے۔ اور جو آگے پیچھے کچھ بھی جگہ نہ ہو تو سب برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔ جب کوئی شخص جہری نماز آہستہ پڑھ رہا ہو اور دوسرا شخص اس کے پیچھے آکھڑا ہو تو وہ وہاں سے پکار کر پڑھنے لگے۔ جہاں تک پڑھ چکا تھا اور جو کچھ پڑھ چکا اس کا دوبارہ ضرور نہیں۔

مسبوق جو ابتدا سے نماز میں امام کے ساتھ شریک نہیں ہوا پیچھے آکر ملا ہے، اگر امام کے ساتھ ایک رکعت بھی پالے گا تو اُسے تمام نماز کا ثواب حاصل ہو گا۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ اس حدیث کے دو محل ہیں۔ ایک یہ کہ جس نے ایک رکعت بھی جماعت میں پائی اس نے جماعت کی نماز کا ثواب حاصل کیا۔ دوسرے یہ کہ جس نے بقدر ایک رکعت کے نماز کا وقت پایا اس کی پوری نماز ادا ہے۔ پس اگر فجر یعنی صبح کی نماز میں ایک رکعت کے بعد آفتاب طلوع ہو یا عصر کے وقت ایک رکعت کے بعد آفتاب غروب ہوا تو نماز ادا ہو گئی یہی مذہب ہے امام شافعیؒ کا لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسری صورت میں عصر کی نماز تو ہو گئی لیکن فجر کی نماز نکلنے سے باطل

[illegible] و دلائل ہر فریق مبینۃ فی مطولات

اور حقوق اللہ کا غالب نتیجہ ہے کہ خدا کا خیال تازہ ہوتا ہے کیونکہ خدا کا خیال تازہ ہوتا رہے گا
تو اس کے ساتھ یہ خیال بھی ضرور پیدا ہوگا کہ حقوق العباد خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ تو خدا
کا خیال حقوق العباد کو زیادہ مستحکم کرے گا۔ حقوق العباد کو عبادت کی ذیل میں سمجھو۔ اور حقوق اللہ
کو اس کی تمہید۔ تو حقوق اللہ کے قبول سے حقوق العباد کے لئے دو بڑے تقاضے ہو گئے ایک
اپنا اور اپنے ابنائے جنس کا فائدہ۔ دوسرے خدا کا فرمودہ۔ حقوق العباد جو حقوق اللہ کے ملنے سے
مؤکد ہو گئے ہیں۔ اتنے بہت ہیں کہ آدمی ان کی تمام و کمال بجا آوری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا
کسی نہ کسی حق کی فروگذاشت ضرور ہوتی رہتی ہے۔ اور اسی فروگذاشت کا نتیجہ ہے فساد جس سے
دنیا بھی خالی نہیں۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ
الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ یعنی خود لوگوں کی ہی کرتوتوں سے خشکی میں اور دریا
تری میں یعنی ہر جگہ ہر طرح کی خرابیاں ظاہر ہو چکی ہیں۔ اور اس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ لوگ
جیسے جیسے عمل کرتے ہیں خدا ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھاتا ہے تاکہ وہ ایسی حرکات
سے باز آئیں۔

چونکہ حق حقوق کے سارے جھگڑے زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں اور زندگی کا زمانہ محدود
ہے۔ اس لئے اکثر حقوق موقت ہیں۔ یعنی حق کے لئے ایک وقت مقرر ہے کہ اس حق کو اسی وقت
میں ادا ہونا چاہئے۔ مثلاً حقوق اللہ میں ایک حق نماز ہے کہ ہر ایک نماز کے لئے شارع
نے ایک وقت ٹھہرا دیا ہے۔ اگر نماز وقت مقررہ میں نہیں پڑھی تو پس نماز کا کچھ عوض نہیں ہو سکتا
اس لئے کہ جس وقت کا فریضہ تھا وہ وقت ہی گیا گذرا ہوا۔ اور اس کا لوٹانا انسان کے
اختیار سے خارج۔ اسی لئے مثل کے طور پر کہا گیا ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو گناہ کے اثر
سے دل پر سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر گناہ کے ساتھ نقطہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک
کہ بہت گناہ کرنے سے سارا سیاہ ہو جاتا ہے۔ حقوق جتنے بھی ہیں چاہے وہ خدا کے حقوق ہوں

پابندی کے، ایک طرح کا قرض ہیں، اور اسکو بچار و ناچار ادا کرنا ہے۔ حقوق اللہ میں اعمال موقت نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج چار حق ہیں۔ نماز دن رات میں پانچ دفعہ۔ روزہ رمضان میں۔ زکوٰۃ نصاب پر سال کامل گذر جانے سے۔ حج مستطیع کے لئے زندگی بھر میں ایک بار۔ ان حقوق میں سے روزے کی قضا کے لئے قرآن میں صریح حکم موجود ہے فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ۔ حج کی قضا زندگی میں ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلئے کہ مستطیع کے دم واپسیں پر حج کا قضا ہونا متحقق ہوتا ہے۔ اسی لئے وارثانِ میت پر حج کی قضا رکھی ہے۔ امام نسائی اَلْحَجُّ عَنِ الْمَیِّتِ الَّذِیْ لَمْ یَحُجَّ کے عنوان کے ذیل میں نقل کرتے ہیں اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ اَمَرَتْ امْرَاَةُ سِنَانِ بْنِ سَلَمَةَ الْجُهَنِیِّ اَنْ یَّسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اُمَّهَا مَاتَتْ وَلَمْ تَحُجَّ اَفَیُجْزِئُ عَنْ اُمِّهَا اَنْ تَحُجَّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ لَوْ کَانَ عَلٰی اُمِّهَا دَیْنٌ فَقَضَتْهُ عَنْهَا اَلَمْ یَکُنْ یُجْزِئُ عَنْهَا فَلْتَحُجَّ عَنْ اُمِّهَا یعنی حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ سنان بن سلمہ جہنی کی عورت نے کسی کو حکم کیا کہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرے کہ میری ماں حج کئے بغیر مر گئی۔ کیا اگر اسکی طرف سے حج کر دیا جائے تو وہ کافی ہو جائے گا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا "بیشک کافی ہوگا۔ فرض کرو کہ اگر اسکی ماں پر

ف پوری آیت اس طرح ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ یعنی مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں یعنی اہل کتاب پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا تم پر بھی فرض کیا گیا تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ گنتی کے چند روز ہیں۔ سو جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر دے اور جن کو طاقت ہے ان پر ایک روزے کا بدلا محتاج کو کھانا کھلا دینا چاہئے۔ اور جو شخص اپنی خوشی سے نیک کام کرنا چاہے تو یہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ اور سمجھو تو روزہ رکھنا بہرحال تمہارے حق میں بہتر ہے۔

ف حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مسلمان کو فرض روزہ رکھنا چاہئے، مگر بیمار اور مسافر کو رخصت ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھے بعد کو قضا رکھ لے۔ اور جو قدرت والا ہو تو قضا بھی نہ رکھے بلکہ روزے کے بدلے ایک محتاج کو پیٹ بھر کھانا کھلا دے۔ روزہ کی رخصت رمضان پر فرض ہوئی تھی اسکی تدریج کے لئے محتاج کو پیٹ بھر دینا گو بیماری و سفر کی صورت میں تھا روزوں کی قضا کے بدلے فدیہ دینے کا اختیار دیا گیا ہے۔ مگر ان سے لئے بھی روزوں کی قضا رکھنا اولیٰ ہے۔ اور روزے سے بچنے کے بہانے نہ ڈھونڈیں۔

ترتیب سے یا بقیدِ وقت ادا کرے اور جو صاحبِ ترتیب نہیں اس کو ترتیب کا پابند نہیں کیا جاسکتا۔ یہ طریقہ جو لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے کہ ہر ایک نماز کے ساتھ قضائے عمری کے نام سے اسی وقت کی فوت شدہ نماز پڑھ لیا کرتے ہیں خود طریقہ ہے۔ اگر قضائے عمری زیادہ ہو جائے گی تو وہ نفل کے شمار میں آجائے گی اور انشاء اللہ کفارہ ہو گی دوسری فروگذاشتوں کا اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔

نمازِ تہجد و تراویح

رات کو سو کر اٹھ کے جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے تہجد اور رمضان شریف میں نماز عشا کے بعد جو پڑھی جاتی ہے اسے تراویح کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کی نمازیں دو دو رکعتیں ہیں۔ تہجد اور تراویح کی نماز آخرِ شب کو اپنے گھروں میں پڑھنا بہت بہتر ہے تہجد کی نماز جس قدر چاہیں پڑھیں، جب تک دل ہشاش بشاش رہے۔ تراویح کی تعدادِ رکعت میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن صاف بات یہ ہے کہ یہ بھی نماز تہجد کی طرح جس قدر رکعت ہو سکیں پڑھیں حتی کہ اگر کوئی شخص کبھی آٹھ کبھی بیس کبھی چالیس رکعتوں تک پڑھے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ خود پیغمبر صاحب اور صحابہ سے اس کی تعداد معین صاف طور پر ثابت نہیں ہوتی۔ تراویح میں جس قدر قرآن شریف پڑھیں بہتر ہے لیکن ایک رات میں ایک شخص کو سارا قرآن ختم کرنا جسے شبینہ کہتے ہیں بدعت اور گناہ ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا ہے وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا یعنی اور (اے پیغمبر تم) قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھا کرو۔ تو جو شخص ایک رات میں قرآن ختم کرتا ہے، وہ کس طرح امرِ ترتیل پر عمل کر سکتا ہے؟ ہم نے اس حصہ کے آخر میں حقوقِ قرآن کے عنوان میں آدابِ تلاوتِ قرآن لکھے ہیں، وہاں اس کی مفصل بحث ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تین دن سے کم میں قرآن ختم کرتا ہے وہ ذرا نہیں سمجھتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں (ترمذی)

حضرت نے فرمایا کہ سات روز میں قرآن ختم کیا کرو۔ تراویح میں اگر زیادہ قرآن پڑھنا چاہیں اور کھڑے رہنے سے تکلیف ہو تو امام بیٹھ کر قرآن پڑھے اور ختم ہونے کے قریب کھڑے ہو کر رکوع کرے۔ حضرت نے فرمایا جب تک طبیعت میں شوق و ذوق ہو نماز میں مصروف رہیں اور جب سستی و ضعف غالب ہو فوراً بیٹھ جائیں۔ مقتدی بھی اگر بیٹھ کر قرآن سنیں اور رکوع میں جانے کے وقت کھڑے ہو جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

نمازِ وتر

وتر سنت ہے[1] یا واجب، اس میں علماء کا قدرے اختلاف ہے۔ اکثر علماء سنت کہتے ہیں اور بعض واجب۔ بہر صورت کچھ بھی ہو، رسولِ کریم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اور تابعین اور ائمہ مجتہدین کا فعل ہے جس پر عہدِ نبوت سے لے کر اس وقت تک برابر تعامل چلا آیا ہے۔ اس نماز کا وقت عشاء کے فرضوں کے بعد سے صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے۔ افضل یوں ہے کہ آخر شب میں پڑھے۔ لیکن جسے خوف ہو کہ پچھلی رات کو اٹھ نہ سکے گا وہ سونے سے پیشتر پڑھ لے۔ اگر کوئی وتر پڑھنا بھول گیا تو جب یاد آئے پڑھ لے۔ وتر کی تعداد اور رکعت میں بھی علماء کا وہی جھگڑا پڑا ہوا ہے جو تراویح کی تعداد اور رکعت میں تھا لیکن نبی کریم کی احادیث پر جہاں تک نظر ڈالی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی تو آپ نے ایک رکعت پڑھی ہے کبھی تین کبھی پانچ۔ اسلئے ہمارے نزدیک تو تعداد جھگڑے کی بات نہیں ہے جتنا کہ لوگ جھگڑا کرتے ہیں۔ آنحضرت اور ان کے جان نثار صحابہ نے تین رکعتیں بھی پڑھیں ہیں اور پانچ بھی اور ایک بھی۔ اور ہم ہر ایک شق پر

---

[1] فرض، واجب، سنت میں فرق یہ ہے کہ فرض [illegible] ترک [illegible] واجب [illegible] سنت [illegible]
[illegible]
[illegible] فرض و واجبات کو بہ نسبت سنت کے ادا کرنا افضل ہے۔

چاہیں عمل کریں۔ اور چاہیں تو یکے بعد دیگرے سب پر عمل کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات
وتر کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ اور دوسری میں قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ
پڑھا کرتے تھے۔ نمازِ وتر کے بعد تین دفعہ یہ تسبیح کہنا مسنون ہے سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ۔ وتر
میں دعائے قنوت پڑھنے کے بارے میں کئی حدیثیں آئی ہیں۔ پہلی حدیث[1] اَللّٰهُمَّ
اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ
وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ اِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ
عَادَیْتَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَیْتَ۔ حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
قنوتِ وتر میں پڑھنے کے لئے مجھے یہی دعا فرمائی۔

دوسری حدیث میں دعائے قنوت یوں آئی ہے۔[2] اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَ
نُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْكَ وَنُثْنِیْ عَلَیْكَ الْخَیْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ یَّفْجُرُكَ
اَللّٰهُمَّ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْكَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰی عَذَابَكَ
اِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ۔

---

[1] ہدایہ، شامی ... غنیۃ ... [2] خدایا جن لوگوں کو آپ نے ہدایت کی ہے ان کے
زمرے میں مجھے بھی ہدایت دے ... [illegible]
[illegible]

تیسری حدیث میں یہ دعا آئی ہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ
وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰی عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اَللّٰهُمَّ الْعَنِ
الْكَفَرَةَ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِكَ وَیُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَیُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَاءَكَ اَللّٰهُمَّ
خَالِفْ بَیْنَ كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَاَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَكَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّهٗ عَنِ الْقَوْمِ
الْمُجْرِمِیْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُثْنِیْ عَلَیْكَ الْخَیْرَ
وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ یَّفْجُرُكَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ اِیَّاكَ
نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْكَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَخْشٰی عَذَابَكَ الْجِدَّ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ
اِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ۔

چونکہ آخر کی دونوں حدیثوں میں علماء فن رجال نے بہت کچھ کلام کیا ہے۔ اس لئے
وتر میں وہی دعائے قنوت پڑھنی بہتر ہے جو پہلے گزری۔

نماز میں ناجائز یا جائز باتیں:— نماز کی حالت میں سانپ بچھو مار ڈالے تو نماز میں کوئی نقصان نہیں آتا۔
اگر فرش تپ جاتا ہو تو سجدے کی جگہ کپڑا یا مٹی ڈال لینے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرتؐ کے ساتھ
نماز ظہر پڑھا کرتے۔ زمین گرم ہوتی تو ریت کو مٹھی میں ٹھنڈا کر کے سجدے کی جگہ ڈال لیتے اور
اُس پر سجدہ کرتے۔ اندھیرے مکان میں نماز پڑھنا درست ہے بشرطیکہ سمت قبلہ فوت نہ ہونے
دے۔ نمازی چھینکنے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَكًا فِیْهِ کہے تو اس سے نماز میں

ف الٰہی ہم کو اور سب ایماندار مردوں اور عورتوں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔ اور ان کے دلوں میں الفت پیدا
کر دے اور ان کے آپس کے کام سنوار دے۔ اور اپنے اور ان کے دشمنوں پر ان کی مدد کر۔ یا اللہ کافروں پر جو تیری راہ سے لوگوں کو
روکتے، تیرے پیغمبروں کو جھٹلاتے، تیرے دوستوں سے لڑتے ہیں، لعنت کر۔ الٰہی ان کی باتوں میں مخالفت پیدا کر دے اور ان کے
قدموں کو ڈگمگا دے اور ان پر اپنا وہ عذاب نازل کر جسے تو گنہگار قوم پر سے نہیں ٹالتا۔ شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت
رحم والا ہے۔ خدایا ہم تجھ سے مدد مانگتے، تجھ سے بخشش چاہتے، تیری ... ناشکری نہیں کرتے ہیں۔ جو شخص تیری نافرمانی کرے اس کو چھوڑ دیتے
... شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ الٰہی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں
... اور تیری ہی طرف دوڑتے اور تیرے ہی عذاب سے ڈرتے ہیں اور تیری رحمت کی امید
رکھتے ہیں۔ بیشک تیرا سخت عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔

ثواب، مقتدی کو اپنی نماز میں ہے کہ اسے لقمہ دے، اگر وہ غلط پڑھ رہا ہے تو واجب ہے زائد پڑھ رہا ہے۔ بعض قرآنی آیات کے جواب جو حدیث میں آئے ہیں وہ امام سے سننے پر بلا امام اور مقتدی دونوں کے لئے مسنون اور موجب ثواب ہیں۔

قرآنی آیات کے جواب: —— جب کوئی شخص فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ پڑھے یا سنے تو پڑھنے اور سننے والے دونوں کو یہ جواب دینا چاہئے وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِّعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ قیامت کی آخری آیت اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی نماز میں پڑھے یا خارج از نماز پڑھے، تو دونوں صورتوں میں بَلٰی کہنا چاہئے۔ اور جو سورۂ مرسلٰت کی آخری آیت فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۢ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ نماز میں یا نماز کے باہر پڑھے، اسے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ کہنا چاہئے۔ علیٰ ہذا القیاس جو شخص سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھے، اسے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنا چاہئے۔ سورۂ والتین کی پچھلی آیت اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ پڑھے، تو پڑھنے اور سننے والے دونوں بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ کہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ ان آیات کا جواب پکار کر دے، کیونکہ سنت سے ایسا ہی ثابت ہوا ہے لیکن اگر کوئی شخص آہستہ سے بھی جواب دے دے گا تو بھی جائز ہو جائے گا۔

اشراق و چاشت کی نمازیں: —— اشراق کی نماز کا وقت طلوعِ آفتاب

[illegible]

سے لے کر کچھ دن چڑھے تک باقی رہتا ہے۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز فجر سے فارغ ہو کر آفتاب کے طلوع ہونے تک نماز کی جگہ بیٹھا مصروف ذکر الٰہی رہتا ہے اُسے ہر روز چار نبی اسمٰعیل غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب ہوتا ہے اور جو نماز اشراق کی دو یا چار رکعتیں پڑھتا ہے اُسے حج و عمرے کا ثواب ملتا ہے۔

نمازِ چاشت کا بہتر وقت وہ ہے کہ ہر طرف دھوپ پھیل جائے۔ ہمارے ہاں یہ وقت علی اختلاف الفصول نو دس بجے کے قریب ہوتا ہے۔ اس نماز کی دو یا چار رکعتیں ہیں اور بعض حدیثوں میں چھ بھی آئی ہیں بلکہ بعض میں بارہ بھی۔

صلوٰۃ التسبیح :———— اس نماز کی بزرگی حدیثوں میں بہت کچھ بیان ہوئی ہے۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں جو اس نماز کے متعلق ایک بڑی حدیث مذکور ہے اُس میں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس کو صلوٰۃ التسبیح کی ترغیب اور اس کے پڑھنے کی ترکیب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس نماز سے دس قسم کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ یعنی اگلے پچھلے، نئے پرانے، قصداً ہوئے، چھوٹے بڑے، ظاہر پوشیدہ۔ اس نماز کی چار رکعتیں

[illegible]

پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ فاتحہ کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھی جاتی ہے اور قرأت
سے فارغ ہو کر پندرہ دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اب رکوع میں
جانا ہوتا ہے اور یہی کلمات دس مرتبہ کہنے ہوتے ہیں۔ رکوع سے سر اٹھا کر قومے میں بھی دس دفعہ یہی
کلمات کہے جاتے ہیں۔ سجدے میں اور سجدے کے بعد جلسے میں اور جلسے کے بعد دوسرے
سجدے میں بھی دس دس دفعہ کلمات مذکورہ پڑھے جاتے ہیں۔ دوسرے سجدے سے اٹھ کر
جلسۂ استراحت میں بھی۔ یہاں تک ایک رکعت ہوئی اور اس میں پچھتر دفعہ کلمات مذکورہ کہے گئے
اسی طرح کی باقی کی تین رکعتیں پوری کرنی ہوتی ہیں۔ اس نماز کے لیے کوئی وقت خاص نہیں ہے
بلکہ اوقاتِ ممنوعہ کے علاوہ جس وقت چاہے پڑھ لے۔

نمازِ استخارہ : ——— استخارے کے لغوی معنی خیر یعنی بھلائی مانگنے کے
ہیں اور اس نمازِ نفل کا موقع و محل یہ ہے کہ آدمی کو کوئی غیر معمولی اور اہم پریشانی یا ضرورت پیش
آجاتی ہے اور وہ حصولِ مدعا کے لئے تدبیر کرنی چاہتا ہے۔ مگر چونکہ نتائج اسے معلوم نہیں، وہ خود
اطمینان کے ساتھ کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ ناچار خدا کے پاس حاجت لے جاتا ہے کہ وہ جو
مناسب ہو اس کے ارادے کو انجام تک پہنچائے۔ استخارے کا اصل عنوان یہ ہے کہ اوقاتِ مکروہہ اور
محرمہ کے علاوہ جس وقت چاہے بہ نیتِ استخارہ دو رکعت اس طرح ادا کرے کہ پہلی رکعت میں سورۂ
فاتحہ کے بعد قُلْ یٰٓاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ ○ اور دوسری رکعت میں قُلْ ہُوَ اللّٰہُ پڑھے۔ بعد کو نہایت
عجز و انکسار سے یوں دعا مانگے [1] اَللّٰہُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ

لہ [illegible]

مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ط
اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ أَوْ عَاجِلِ أَمْرِيْ
وَآجِلِهٖ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّيْ
فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ أَوْ عَاجِلِ أَمْرِيْ وَآجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ
لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِيْ بِهٖ ۔ یہاں تک پہنچ کر اپنی حاجت کا نام لے جو اسے پیش
آتی ہے۔ مثلاً سفر ہے تو اس کا ذکر کرے۔ تجارت ہے تو اس کا نام لے۔ اسی طرح تعمیر مکان وغیرہ۔
کھانے پینے اور معمولی باتوں کے لئے استخارہ نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جو کام غیر مشروع ہو اس کے لئے
بھی استخارہ درست نہیں (بخاری)

نمازِ حاجت: ——— جب کسی کو خدا سے یا کسی بندے سے کوئی حاجت پیش
آئے تو اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت بہ نیت حاجت ادا کرے۔ پھر مبالغہ کے ساتھ خدا کی حمد وثنا
کرے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ اس کے بعد یوں دعا کرے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ
الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط اَسْأَلُکَ مُوْجِبَاتِ
رَحْمَتِکَ وَعَزَآئِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْعِصْمَۃَ مِنْ ذَنْبٍ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ
لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا ہَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً ہِیَ لَکَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَہَا یَآ اَرْحَمَ
الرّٰحِمِیْنَ ط (ترمذی۔ ابن ماجہ)

نمازِ جمعہ

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ   مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اور کوئی حاجت جسے تو پسند کرتا ہے بغیر [illegible] نہ چھوڑ۔

مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○

(جمعہ ع ۲ پ ۲۸)

اذان دی جائے، تو یادِ الٰہی (یعنی نماز) کی طرف لپکو، اور (اس وقت) بیچنا (خریدنا) چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔ پھر جب نماز ہو چکے تو تم کو اختیار ہے کہ اپنی اپنی راہ لو اور خدا کے فضل (یعنی معاش) کی جستجو میں لگ جاؤ؛ اور جہاں رہو کثرت سے خدا کی یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور اے پیغمبر، جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھیں (تو تمہارے پاس سے) چھٹک کر اسی کی طرف کو چل دوڑیں، اور تمہیں خطبہ پڑھتے کھڑا چھوڑ جائیں (تو) اے پیغمبر، ان لوگوں سے کہو کہ جو ثواب عبادت اللہ کے ہاں ہے وہ تماشے اور سودے سے بہت بہتر ہے۔ اور اللہ سب روزی دینے والوں سے بہتر روزی دینے والا ہے ف۱

جمعہ کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ (رواہ مسلم) یعنی سب دنوں سے بہتر جمعے کا دن ہے۔ اسی میں آدم پیدا ہوئے اور اسی میں جنت میں داخل کیے گئے۔ پھر اسی دن جنت سے باہر کیے گئے۲۔ اسی دن قیامت برپا ہوگی۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گو ہم بلحاظ پیدائش سب سے پیچھے ہیں لیکن مراتب کے اعتبار سے

ف۱ آنحضرت صلعم کے عہد میں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ جمعے کا خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں ملکِ شام کا ایک تجارتی قافلہ آیا اور اس نے لوگوں کو خبر کرنے کے لئے نقارہ بجایا۔ جو لوگ بیٹھے خطبہ سن رہے تھے کچھ نقارے کی سیر دیکھنے کے لئے اور بعض خرید و فروخت کے لئے کھسک گئے صرف بارہ آدمی باقی رہ گئے تھے۔ پس یہ عتاب نازل ہوا۔ جو ان آیتوں میں مذکور ہے۔

ف۲ حضرت آدم کا جنت سے باہر آنا نسلِ آدم کے حق میں بہت بڑی رحمت و برکت کا موجب ہوا۔ آدم ہی سے ان کا سلسلہ چلا اور ہزاروں انبیاء و مرسلین اور نیک بندے ان سے پیدا ہوئے۔ دنیا میں خدا کا جلال نمودار ہوا اور آپ دنیا پر خورشید کی مانند روشن کی طرح ظاہر ہوئی۔

قیامت کے روز سب سے سابق ہوں گے۔ ہم ہی سب سے پہلے جنت میں جائینگے۔ اور اَور لوگ ہمارے پیچھے۔ گو اُن کو ہم سے پہلے کتاب ملی ہے۔ اُنھوں نے جُمعے کے روز میں اختلاف کیا تو خدا نے ہمیں اُس کی طرف راہ دکھادی پس ہماری عید یعنی روزِ جمعہ پہلے ہے۔ اور یہود و نصاریٰ دونوں کی عید کا دِن یعنی ہفتہ اتوار جمعے کے بعد ہے۔

منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ جمعے کے دِن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ بندہ اس میں جو بھی دُعا مانگتا ہے قبول ہوتی ہے۔ اس ساعت میں گو علماء کا اختلاف ہے، کہ وہ کون سی ساعت ہے۔ لیکن صحیح حدیثوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ ساعت امام کے خُطبہ شروع کرنے سے آخر نماز تک رہتی ہے۔

منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان جمعے کی شب[1] یا دِن کو مرے گا، خدا اُسے عذابِ قبر سے محفوظ رکھے گا۔

مسلمان کو چاہیے کہ نمازِ جمعہ کے لئے غسل کرے۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حَقٌّ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَّغْتَسِلَ فِيْ كُلِّ سَبْعَةِ اَيَّامٍ يَغْسِلُ رَأْسَهٗ وَجَسَدَهٗ۔ یعنی ہر مسلمان پر خدا کا حق ہے کہ ہر سات دِن میں ایک دفعہ سَر اور بدن دھو ڈالے۔ اگر خوشبو مُیسّر ہو تو اُس کا بھی استعمال کرے۔ مقدور ہو تو جمعے کے لئے علیحدہ کپڑے بنا رکھنے سنت ہیں۔ جمعہ کی نماز کا وقت زوال سے شروع ہو جاتا ہے۔ سایہ ڈھل چکے تو نمازِ جمعہ ادا کریں۔ اور یہ جمعہ کا اوّل وقت ہے۔ سردی کے موسم میں نماز جمعہ اوّل وقت پڑھیں، اور گرمی میں تمازتِ آفتاب کی وجہ سے قدرے توقف کرنا بہتر ہے۔

---

[1] جمعے کی شب سے مراد وہ رات جو پنجشنبہ و جمعے دونوں کے بیچ میں واقع ہوتی ہے۔ انگریزی حساب میں نصف شب سے دن شروع ہو کر دوسری نصف شب پر ختم ہوتا ہے۔ مگر مسلمانوں میں دن کو تابع شب سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ پہلے ابتدائے آفرینش کے وقت تاریکی تھی۔ اس کے بعد خدا نے آفتاب و ستاروں کو نور پیدا کیا و اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا۔ چنانچہ اسی بنا پر رمضان میں روزہ آنے والے دن کا ہوتا ہے اور نماز تراویح شب متقدم سے ہی پڑھی جاتی ہے۔ اور جمعرات کی شام کو بھی اسی وجہ سے جمعرات کہا جاتا ہے۔

جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر فرض ہے مگر مریض اور مسافر اور عورت اور لڑکے اور غلام پر نہیں
امام کے سوا دو آدمی بھی ہوں تو بھی جمعہ قائم کرنا چاہیے۔ اس روز امام نماز سے پہلے منبر پر
کھڑا ہو اور دو خطبے باواز بلند پڑھے۔ اس کے بعد دو رکعت بہ نیت فرض اونچی قرات سے پڑھے۔
نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد ہر شخص دو رکعت یا چار یا چھ رکعت بہ نیت سنت ادا کرے۔
جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نہا دھو کر نماز جمعہ کی غرض سے مسجد میں جاتا اور
لوگوں کی گردنیں نہیں پھاندتا اور انہیں ان کی جگہ سے نہیں ہٹاتا پھر جس قدر بن پڑتا ہے نماز نفل
پڑھتا اور خطبے کے وقت خاموشی اور سکوت سے بیٹھا رہتا ہے تو اس کے وہ تمام گناہ بخشے جاتے
ہیں جو اگلے جمعہ سے اس جمعے تک ہوئے ہیں بلکہ تین دن کے زیادہ (ترمذی)۔ نمازی اگر امام
کے ساتھ ایک رکعت بھی پائے گا تو جمعے کا ثواب اسے مل جائے گا۔ اور اگر پوری ایک رکعت
نہ پا سکا بلکہ تشہد میں آکر ملا تو اسے ظہر کی فرض نماز پڑھنی چاہیے۔ امام کے سلام پھیر دینے کے بعد
جو لوگ باقی رہیں وہ علیحدہ علیحدہ ظہر کی نماز پڑھ لیں دوبارہ نماز جمعہ جماعت سے پڑھنا یا ظہر کی نماز
جماعت سے ادا کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے
روز دو خطبے کھڑے ہو کر پڑھتے بیٹھ کر پڑھنا آنحضرت سے ثابت نہیں ہوا۔ آپ دونوں خطبوں
کے بیچ میں تھوڑے بیٹھ جاتے جیسا کہ اس زمانے کے خطیبوں کا دستور ہے۔ امام کو مقتدیوں کی طرف
منہ کر کے منبر پر بیٹھنا چاہیے۔ اور مقتدی امام کے سامنے اذن تمام خطبہ اس کے قریب بیٹھنے
کی کوشش کریں بڑے بڑے شہروں میں جو خطبہ پڑھا جاتا ہے اور وہاں خطیب کی آواز مستمعین
کو نہیں پہنچتی تو اگرچہ خطبے کی اصلی غرض مستمعین کو حاصل نہیں ہوتی مگر پھر بھی سنت کی شان و شوکت
کا اظہار خالی از منفعت نہیں۔ إنما الأعمال بالنيات۔ امام منبر پر بیٹھ جائے تو اس کے
سامنے صحن مسجد میں آواز بلند اذان دی جائے آنحضرت کے عہد مبارک میں صرف یہی ایک اذان
دی جاتی تھی۔ اسی طرح خلیفۂ اول اور خلیفۂ دوم کے زمانے میں لیکن جب حضرت عثمان رض کی خلافت

دورہ دورہ ہوا اور لوگوں کی کثرت ہوئی تو آپ نے خطبے سے پہلے ایک اور اذان کا حکم دیا۔ اور
صحابہ کی موجودگی میں حکم دیا۔ اس پر نہ تو کسی نے انکار کیا نہ اعتراض اسلئے یہ اذان خلفائے راشدین
کی سنت میں داخل ہے۔ خطبے کی اذان کے بعد مسلمانوں پر خرید و فروخت حرام ہو جاتی ہے۔ اثنائے
خطبہ میں جو لوگ آئیں انہیں مختصر سی دو رکعتیں نفل تحیۃ المسجد پڑھ لینی مناسب ہیں۔ حاضرین نہایت
سکوت کے ساتھ خطبہ سنیں اور جہاں جگہ پائیں بیٹھ جائیں۔ خطبے کے وقت بولنے والے کو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھا فرمایا ہے۔ نماز جمعہ بغیر خطبے کے جائز نہیں اور اگر نماز کے
بعد خطبہ پڑھا جائے تو بھی درست نہیں۔ امام ہاتھ میں عصا لے کر نماز جمعہ کا خطبہ پڑھے تو
بہتر اور مسنون ہے۔ اور یہ ہیأت وقار و متانت پر دلالت کرتی ہے جو خطیب کی شان کے
لائق ہے۔ خطبے کے متعلق ایک بات یہ ہے کہ اس زمانے میں خطیب جو جمعے اور عیدین وغیرہ میں
خطبے پڑھتے ہیں وہ اکثر لوگوں کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں جن میں عربی کے سخت اور نہایت
مشکل الفاظ بھری ہوتی ہے اور نہیں سامعین تو سامعین خطیب بھی نہیں سمجھتے۔ آنحضرت
کے خطبے جو حدیث کی کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں وہ یہی ہوتے تھے کہ آپ نے خدا کی حمد و ثنا
کے بعد احکام شرعی اور وعظ و نصیحت اور وعظ و نصیحت بھی وہ جس کی اس موقع پر ضرورت ہوتی
بیان کرتے۔ مثلاً عیدین کے خطبے میں قربانی اور صدقۂ فطر کے احکام اور ان کے متعلق وعظ و نصیحت
فرماتے۔ استسقاء کے خطبے میں لوگوں کو توبہ و استغفار کرنے کی ترغیب دلاتے۔ جمعہ کے خطبے میں
احکام جمعہ اور فضائل جمعہ بیان کرتے۔ غرضیکہ جیسا موقع ہوتا ویسا ہی خطبہ پڑھتے۔ اور آپ کا
اس سے مقصود یہ ہوتا کہ لوگ ان باتوں کو اپنی اپنی جگہ سمجھ جائیں۔ پس اس زمانے میں چونکہ
عام لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں۔ اسلئے خطیبوں کو چاہئے کہ وہ خطبے اسی زبان میں پڑھیں
جسے سامعین اچھی طرح سمجھ سکتے ہوں۔ یا یوں کریں کہ خدا کی حمد و ثنا تو عربی زبان میں پڑھیں پھر مسائل
شرعیہ اور وعظ و نصیحت اور احکام شرع سامعین کی زبان میں ان کی حالت کے مناسب

بیان کریں۔ عید کے روز جمعہ آپڑے تو دونوں نمازیں اپنے اپنے وقتوں میں ادا کی جائیں لیکن اگر کوئی شخص اس صورت میں نمازِ جمعہ نہ بھی پڑھے تو مضائقہ نہیں۔ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جمعہ میں اکثر سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ اور سورۃ غاشیۃ پڑھا کرتے۔ اور کبھی سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون بھی پڑھا کرتے تھے۔ مگر جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۃ الم السجدہ اور سورۃ دھر ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔

جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو حاضرین کو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے۔ ہاں جی ہی جی میں دعا کرنے کا مضائقہ نہیں۔ جو شخص بے عذر جمعہ ترک کردے اُسے چاہیئے کہ نمازِ جمعہ کے کفارے میں ایک دینار یعنی ساڑھے تین روپے رائج الوقت محتاجوں کو خیرات کرے۔ اور اگر اتنا ممکن نہ ہو تو نصف دینار یعنی ایک روپیہ بارہ آنے ہی اور یہ بھی نہ بن پڑے تو ایک صاع یعنی ڈھائی سیر چھٹانک گیہوں خیرات کردے۔ اور جسے ایک صاع کے خیرات کرنے کا بھی مقدور نہ ہو تو آدھا صاع ہی دے ڈالے یعنی حدیثوں میں ایک مُد غلہ بھی آیا ہے اور آدھا مُد بھی مُد عرب کا ایک پیمانہ ہے جس میں سیر بھر اناج آتا ہے انگریزی تول کے حساب سے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جسے کچھ بھی میسر نہ ہو وہ صرف ایک درم یعنی سوا پانچ آنے یا نصف درم خیرات کرے۔ اور خدا سے توبہ و استغفار بکثرت کرے۔

نمازِ عیدین: ——— مسلمانوں کے لئے سال بھر میں دو دن خوشی کے مقرر ہیں۔ ایک عید کا دن، دوسرے بقر عید کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت کرکے مدینے تشریف لے گئے تو اہلِ مدینہ کے لئے خوشی کے دو دن مقرر تھے جن میں وہ کھیلتے اور خوشیاں منایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا "یہ دو دن کیسے ہیں؟" عرض کیا گیا یہ وہ دن ہیں جن میں ہم زمانۂ جاہلیت میں کھیلتے اور خوشیاں منایا کرتے تھے۔ فرمایا خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے ان سے بہتر دو دن ٹھہرائے ہیں ان میں کھیلو، کودو، خوشیاں مناؤ۔ ایک عید الفطر کا دن، دوسرے عید الضحیٰ کا۔ (ابوداؤد)

یہ دن اچھے کھانے کھانے، اچھے کپڑے پہننے، خوشی منانے کے ہیں بشرطیکہ خلافِ شرع کوئی
بات نہ ہو۔ خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم عید کے روز اچھا کپڑا زیبِ جسم فرمایا کرتے تھے،
اور ایک چادر جو عمدہ اور قیمتی ہوتی تھی عیدین اور جمعے کے روز اوڑھا کرتے تھے۔ کبھی ایسی چادر جس میں
سُرخ و سبز دھاریاں پڑی ہوتیں اوڑھا کرتے تھے۔ عیدین کی نماز کا وقت سورج بلند ہونے سے
شروع ہوتا ہے جس وقت نمازِ اشراق پڑھی جاتی ہے۔ اور دوپہر تک باقی رہتا ہے۔ ایک حدیث
میں آیا ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عید الضحیٰ کی نماز ذرا سویرے اور عید الفطر
کی کچھ دیر کرکے پڑھا کرو۔ چونکہ عید الضحیٰ میں قربانی کرنی ہوتی ہے، اسلئے اِس نماز میں تعجیل بہتر ہے
اور عید الفطر میں قربانی نہیں ہے، اس لئے اُس کی تاخیر میں کچھ حرج نہیں۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وسلم عید الفطر اور عید الضحیٰ کے دن سب کاموں سے پہلے نمازِ عید ادا کرتے، اور سب عبادتوں
میں نماز کو مقدم رکھتے یعنی نمازِ فجر سے فارغ ہوکر عید گاہ تشریف لے جانے کا اہتمام کرتے۔ اور
عید گاہ پہنچتے تو نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ نماز سے پیشتر نہ تو اذان ہی ہوتی، نہ نمازِ نفل ہی
پڑھی جاتی، نہ تکبیر ہی کہی جاتی تھی۔ بلکہ آپ صحابہؓ کے ساتھ صرف دو رکعت نماز ادا کرتے۔ نماز سے
فارغ ہونے کے بعد لوگوں کی طرف مُنہ کرکے کھڑے ہوتے اور وعظ و نصیحت سے بھرے ہوئے
دو مؤثر خطبے سُناتے۔

دونوں عیدوں کی نمازیں ایک ہی طرح پڑھی جاتی ہیں لیکن صرف دو رکعت خطبوں سے پیشتر۔
تکبیرات عیدین میں علماء کا اختلاف ہے بعض چھ کے قائل ہیں اور بعض بارہ کے لیکن ہم صرف
ایک صحیح حدیث اس جگہ ذکر کرنی مناسب سمجھتے ہیں جس سے نمازِ عیدین کی کیفیت اچھی طرح سمجھ
میں آتی ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو تکبیر تحریمہ کہتے
ہوئے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک لے گئے۔ پھر ہاتھ باندھ کر دعائے استفتاح پڑھی اور سات دفعہ بلند
آواز سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا۔ پھر سورۂ فاتحہ اور قرأت پڑھ کر رکوع میں تشریف لے گئے۔ دوسری رکعت

پڑھتے کھڑے ہوئے تو قرات سے فارغ ہو کر پانچ تکبیریں کہیں غرضکہ دونوں رکعتوں میں بارہ تکبیریں ہوئیں تکبیرِ اولیٰ اور تکبیرِ قیام کے علاوہ۔ ایک حدیث میں چھ تکبیریں بھی آئی ہیں۔ مگر اس کی سند میں علما نے کلام کیا ہے۔ آنحضرتؐ عیدین کی نمازوں میں اکثر تو پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ ق، اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ قمر بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ اور کبھی دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ بھی لیکن جب عید اور جمعہ ایک دن آپڑتے تو سبح اسم اور ھل اتٰک دونوں نمازوں میں پڑھتے۔ اگر اختلافِ ہلال کی وجہ سے نمازِ عید، عید کے دن نہ ہو سکے مثلاً مسلمان عیدگاہ میں بآسانی جمع نہ ہو سکیں اور نماز کا وقت تنگ ہو جائے۔ یا بارش کی شدت سے عیدگاہ تک نہ پہنچ سکیں۔ یا دوپہر کے بعد چاند کی خبر لگے تو دوسرے روز صبح کو نمازیں ادا کریں۔

اگر کوئی شخص نمازِ عید کی ایک رکعت بھی پالے گا تو اُسے ثواب مل جائے گا۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اُٹھ کر دوسری رکعت تنہا پڑھ لے۔ جسے نمازِ عید نہ ملے وہ تنہا دو رکعت نماز پڑھ لے لیکن اگر دو تین یا زیادہ آدمی ہوں تو جماعت کر لینی درست ہے۔ اس صورت میں خطبے کی ضرورت نہیں عید الفطر کے دن نماز سے پہلے طاق کھجوریں کھانی سنت ہیں، مگر عیدِ قربانی کے روز نماز کے بعد کھانا مسنون ہے۔ اگر میسر ہو تو اپنی قربانی کے جانور کا گوشت کھائیں۔ عیدگاہ جاتے وقت ایک رستے سے جائیں، اور آتے وقت دوسرے سے تاکہ تمام بستی کو خبر ہو جائے اور اسلامی شوکت ظاہر ہو۔ عیدگاہ پہنچ کر بلند آواز سے تکبیر کہیں۔ نابالغ لڑکوں کو بھی عیدگاہ لے جانا مناسب ہے۔ عیدگاہ پاپیادہ جانا مسنون ہے۔ بارش کی وجہ سے عیدگاہ نہ جا سکیں تو محلے کی مسجدوں میں بھی نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

عیدین کی نماز کے بعد امام کو چاہیئے کہ خطبہ پڑھنے کھڑا ہو جائے، اور تمام حاضرین جہاں کے تہاں بیٹھے ہوئے نہایت سکوت اور خاموشی سے خطبہ سنیں۔ جس طرح جمعے کے روز امام دو خطبے پڑھتا ہے۔ اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی دو خطبے پڑھے، اور نمازیوں کو عید الفطر اور عید الضحیٰ کے

ستے آگاہ کرے۔ خطبوں سے فارغ ہونے کے بعد حاضرین اپنی نماز کی جگہ بیٹھ کر دعا مانگیں۔
عیدین کے خطبے سنت موکدہ ہیں اور نمازیں واجب۔

صدقۂ فطر حدیث نبویت کی رو سے صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر
کے موقع پر ایک شخص کو حکم فرمایا کہ مکے کے بازاروں میں پکار دو کہ صدقۂ فطر ہر مسلمان مرد عورت،
غلام آزاد، چھوٹے بڑے سب پر واجب ہے۔ تو مسلمانوں کو ضرور ہے کہ صدقۂ فطر نماز سے پیشتر
اپنے ہی شہر اور اپنی ہی بستی کے محتاجوں بلکہ اپنے غریب و مفلس رشتہ داروں، اور یتیموں مسکینوں
اور مانگنے والوں کو تقسیم کر کے نماز کے لئے عید گاہ جائیں۔ نماز کے بعد صدقۂ فطر ادا کریں گے تو وہ
معمولی صدقۂ نفل ہوگا نہ صدقۂ فطر۔ بلا یہ دیکھ کر اگر رات ہی کو صدقۂ فطر تقسیم کر دیں تو بھی بہت
ہے صحابہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ بلکہ دو ایک روز پہلے بھی دے دیں تو بھی جائز ہے۔ ایک صحابی
کہتے ہیں کہ ہم لوگ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گیہوں یا جو، یا خشک چھوہارے،
یا پنیر، یا خشک انگور کا ایک صاع صدقۂ فطر دیا کرتے تھے۔ صاع عرب کا ایک پیمانہ ہے جس میں
ڈھائی سیر ڈھائی چھٹانک غلہ آتا ہے۔ اگر کسی کو اس قدر نہ ہو سکے تو سوا سیر سوا چھٹانک گیہوں یا جو
خیرات کر دے۔ لیکن جن کے پاس ایک دن کی خوراک سے زیادہ غلہ نہ ہو اس کو صدقۂ فطر معاف ہے۔

قربانی عید الضحیٰ کی قربانی۔ اس میں علما کا اختلاف ہے بعض واجب بتاتے ہیں اور بعض سنت۔
لیکن جمہور علما سنت موکدہ کے قائل ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ اگر کسی کو قربانی کرنے کا مقدور ہے
تو اسے قربانی کرنی واجب ہے۔ ورنہ نہیں۔ قرض لے کر قربانی کرے گا تو سنت ادا ہو جائے گی اور
ثواب بھی ملے گا لیکن سودی قرض لے کر یا فخر و نمود کے طور پر کرے گا تو قربانی مقبول نہ ہوگی۔ اور
مواخذۂ الٰہی ہوگا سو الگ۔ عید الضحیٰ کی قربانی اصل میں اس واقعۂ عظیم کی یاد کو تازہ کرتی ہے جو
حضرت ابراہیم علیہ السلام سے واقع ہوا۔ یعنی خواب میں فرزند عزیز حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرتے
دیکھا۔ تو صبح ہی انہیں ذبح کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ یہ قصہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں مذکور ہے۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ○ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ○ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے بابِ الٰہی میں یہ بھی دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار مجھ کو نیک روحوں میں سے ایک نیک روح بطور فرزند عطا فرما۔ تو ہم نے ان کو ایک بڑے بردبار لڑکے اسمٰعیل کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی۔ پھر جب لڑکا جوان ہوا اور ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا بیٹا میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ پس تم ابھی تو اپنی جگہ سوچو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے کہا کہ ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے بے تامل اس کی تعمیل کیجئے۔ ان شاء اللہ آپ مجھ کو بھی صابروں میں پائینگے۔ پھر جب دونوں باپ بیٹے تعمیل حکم پر آمادہ ہوئے اور باپ نے حلال کرنے کے لئے بیٹے کو ماتھے کے بل پچھاڑا۔ تو ہم کو ان کی فرمانبرداری نہایت پسند آئی اور ہم نے ابراہیم سے پکار کر کہا کہ ابراہیم تم نے اپنے خواب کو خوب سچ کر دکھایا۔ اب ہم تم کو بڑے بڑے مراتب دینگے۔ ہم نیک بندوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے بڑی قربانی کو اسمٰعیل کا فدیہ دیا۔ف

مقدور والے اگر اپنے گھر کے ہر ہر آدمی کی طرف سے بہ نیتِ ثواب و تقربِ خداوندی جدا جدا قربانی کریں تو بہت اچھا ہے۔ ورنہ سارے خاندان کی طرف سے ایک قربانی بھی جائز ہو سکتی ہے۔ بہتر ہے کہ قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کریں۔ قربانی کا گوشت محتاجوں، مسکینوں، پڑوسیوں، دوستوں اور رشتہ داروں کو تقسیم کریں۔ تھوڑا سا خود بھی کھائیں اور بال بچوں کو بھی کھلائیں۔ قربانی کا گوشت یا چمڑا قصاب کی مزدوری میں نہ دیں۔ ہاں قصاب محتاج ہو تو مزدوری کے علاوہ تھوڑا سا گوشت بہ نیت

ف مفسرین نے [illegible]
[illegible] قربانی [illegible] سنت [illegible]۔

صدقہ دے دیں۔ قربانی کا چمڑا بیچ کر اپنے صرف میں لانا منع ہے۔ مگر خود چمڑے کو اپنے استعمال میں لانے کا مضائقہ
نہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ کسی مسجد کے متولی یا مدرسے کے منتظم کو خیرات کر دیں۔ قربانی کا جانور
ذبح کرنے لگیں تو [1] اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ
اور [2] اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا
اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ پڑھ کر بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے گلے کے پاس سے ذبح کریں۔ اپنی
طرف سے قربانی کریں تو [3] اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ اور دوسرے کی طرف سے کریں تو [4] اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ
فُلَانٍ کہیں اور فلاں کی جگہ اسکا نام زبان سے لیں یا دل میں نیت کر لیں۔ کچھ ضرورت نہیں کہ ان
لفظوں کو عربی زبان میں کہیں۔ چاہیں تو اُردو میں ادا کر دیں۔ میت کی طرف سے بھی قربانی کرنے
کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے۔ بشرطیکہ وہ وصیت کر مرا ہو۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کے انتقال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کی طرف سے قربانی کی۔ جناب پیغمبر خدا
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کی طرف سے بھی قربانی کرتے تھے۔ مشکوٰۃ کی ایک حدیث میں آیا ہے
کہ آنحضرت اپنی قربانی اپنے دستِ مبارک سے ذبح کرتے اور ذبح سے پیشتر مذکورۂ بالا دُعا
پڑھتے اور فرماتے خداوندا اس قربانی کو میری اور میری اُس اُمت کی طرف سے قبول فرما جو قربانی
نہیں کر سکتی۔ دسویں ذی الحجہ نمازِ عید کے بعد سے لے کر بارھویں اور بقول بعض تیرھویں تاریخ کی
نمازِ عصر کے وقت تک قربانیاں کریں۔ جو شخص نمازِ عید سے پہلے قربانی کرے گا وہ قربانی نہ ہوگی
بلکہ معمولی گوشت ہوگا جو اس نے اپنے لئے ذبح کیا۔ بکرا یا بکری۔ یا گائے یا بیل دو برس کے
پورے ہو کر تیسرے میں لگ گئے ہوں تو ذبح مستحب ہے یعنی دو دانت کہتے ہیں۔ ان جانوروں میں کم عمر
جانور قربانی کے قابل نہیں ہوتا ہے۔ بھیڑ اور دُنبہ جب ایک سال کے ہو کر دوسرے

---

[1] میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس ذات پاک کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں
سے نہیں ہوں۔ [2] بیشک میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے [illegible] اُس کے
[illegible] [3] خدایا میری طرف سے قبول فرما۔ [4] خداوندا فلاں شخص کی طرف سے قبول فرما۔

سال میں لگیں تو قربانی کے قابل ہوں گے۔ اونٹ اور اونٹنی جس وقت قابل قربانی ہوتے ہیں جب چھٹے برس میں لگیں۔ لنگڑا یا کمزور یا ایسا کمزور دبلا جانور جس کی ہڈیوں کا گودا نہ رہا ہو یا بیمار یا سینگ ٹوٹا یا کان کٹا یا اندھا ہو یا آگے پیچھے سے کان چرے ہوئے ہوں یا کم نظر آتا ہو۔ اور یہ عیب بخوبی ظاہر ہوں تو ان جانوروں کی قربانی نہیں ہوسکتی۔ قربانی کا جانور فربہ اور موٹا تازہ ہونا چاہیئے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! قربانی کے جانوروں کو خوب موٹا تازہ کرو۔ کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہونگے۔ اور بات یہی ہے کیونکہ جب خدا کے نام قربانی کرنی ہے تو بڑی اور عمدہ کیوں نہ کی جائے؟ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان لوگوں کو سرزنش کی ہے جو ردی مال خدا کی راہ میں خیرات کرتے ہیں چنانچہ فرمایا:- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ○ اور ایک جگہ یوں ارشاد کیا لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ○ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔

نمازِ استسقاء:- ——— جس سال بارش بند ہوجاتی اور قحط کے آثار نمایاں ہوتے تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن معین کر کے نہایت میلے اور عجز و مسکنت کے کپڑے زیب تن فرما کر عیدگاہ تشریف لے جاتے۔ وہاں مسلمان جمع ہوتے اور آپ دو رکعت نماز بلند قرأت سے ادا کرتے۔ نماز کے ساتھ خطبہ بھی پڑھتے مگر کبھی نماز سے پہلے اور گاہے نماز کے بعد۔ نماز کے بعد قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ اونچے کرتے اور بے انتہا عجز و انکسار کے ساتھ دعا کرتے۔ ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین کی جانب اور پشت آسمان کی طرف رکھتے اور چادر مبارک کو

۱؎ مسلمانو! خدا کی راہ میں عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے تجارت وغیرہ سے کمائی ہوں اور جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہوں ان میں سے۔ اور ناقص چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرو کہ اسی میں سے خرچ کرنے لگو۔ حالانکہ وہی چیز اگر تم کو دی جائے تو تم اس کو کبھی خوشدلی سے نہ لو مگر یہ کہ دیدہ و دانستہ اس کے لینے میں چشم پوشی کر جاؤ اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔ ۲؎ لوگو! جب تک خدا کی راہ میں ان چیزوں میں سے نہ خرچ کرو گے جو تم کو عزیز ہیں نیکی کے درجے کو ہرگز نہ پہنچ سکو گے۔ اور کوئی سی چیز بھی خرچ کرو اللہ اس کو جانتا ہے۔

مسلمانوں کو جمع کرے اور جب وہ جمع ہو جائیں تو مسجد میں دو رکعت نماز جماعت سے ادا کرے۔
قراءت بلند آواز سے پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ عنکبوت۔ اور دوسری میں
سورۂ روم پڑھنا مسنون ہے۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گہن پڑا تو آپ نے
دو رکعتیں جماعت سے پڑھیں۔ اس نماز میں آپ کا قیام بہت طولانی تھا یعنی سورۂ بقر کے قدر
قرآن پڑھا۔ پھر رکوع کیا وہ بہت دیر تک رکوع میں رہے۔ رکوع سے اٹھ کر پھر قیام کیا لیکن
یہ قیام پہلے سے قدرے خفیف تھا۔ اس کے بعد پھر رکوع کیا اور پہلے رکوع کی بہ نسبت یہ
رکوع بہت ہی خفیف تھا۔ پھر کھڑے ہوئے اور سجدے میں تشریف لے گئے۔ ایک سجدے
کے بعد دوسرا سجدہ کیا۔ بعد ازاں دوسری رکعت پڑھنے کھڑے ہوئے۔ وہ بھی مثل پہلی رکعت
پڑھی یعنی دوسری بھی اسی طرح پوری کی یعنی اس میں بھی دو رکوع تھے، دو قیام تھے، دو قراءتیں تھیں
لیکن اس رکعت کا قیام اور رکوع اور قراءتیں پہلی رکعت کے قیام اور رکوع اور قراءتوں سے خفیف تھیں
نماز سے فارغ ہوئے تو سورج بالکل صاف اور روشن تھا۔ اس کے بعد آپ نے خطبہ پڑھے
ہی دو خطبے پڑھے جیسے جمعہ میں پڑھے جاتے ہیں۔ ان خطبوں میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ سورج
اور چاند خدا کی دو نشانیاں ہیں۔ اور یہ دونوں کسی کے مرنے یا پیدا ہونے پر نہیں گہتے۔ دیکھو
جب تمہیں یہ واقعہ پیش آئے تو ذکر اللہ میں مصروف ہو جاؤ۔ دعا مانگو تکبیر و تہلیل میں مشغول ہو
نماز پڑھو۔ خیرات دو۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ امت محمد! اللہ تعالیٰ سخت غیرت مند ہے۔
اس سے بڑھ کر کوئی غیور نہیں۔ خدا کی قسم اگر تمہیں ان باتوں کا علم ہو جن کا مجھے علم ہے تو روؤ بہت
اور ہنسو تھوڑا۔ اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ جب کوئی عظیم الشان بادشاہ مرتا ہے یا
کوئی بڑا شخص مرتا ہے یا کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا ہے تو سورج گہن اور چاند گہن ہوتا ہے
ہے۔ آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں سورج گہن پڑا تو اتفاق سے اسی روز آپ کے فرزند ابراہیم
جو بطن ماریہ قبطیہ سے تھے۔ حالت شیرخوارگی میں انتقال ہو گیا۔ ماریہ قبطیہ آنحضرت کی لونڈی

تھیں جنہیں مقوقس بادشاہ نے ہدیۃً آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ابراہیم کا انتقال ہوا تو لوگوں نے اپنے پرانے خیال کے مطابق کہنا شروع کیا کہ آنحضرتؐ کے فرزند ابراہیم کے انتقال ہونے پر سورج گہن پڑا ہے۔ چونکہ لوگوں کے اس عقیدہ میں ایک طرح کی بوئے شرک پائی جاتی تھی۔ اس کے دفعہ کرنے کے لئے پیغمبر صاحب نے خطبے میں فرمایا کہ چاند سورج خدا کی دو نشانیاں ہیں۔ اور یہ دونوں کسی کے مرنے یا پیدا ہونے پر نہیں گہتے۔ پیغمبر صاحب کا یہ خطبہ آپ کی کمالِ عبودیت و صداقت پر بڑی بھاری دلیل ہے۔

حضرت ابراہیم کے متعلق ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جب اُن کا انتقال ہونے کو ہوا، تو آنحضرتؐ مع چند صحابیوں کے ابو سیف آہنگر کے مکان پر تشریف لے گئے۔ یہ ابو سیف ابراہیم کی دایہ، مرضعہ کے شوہر تھے۔ اُن کا نام براء بن اوس تھا، اور اُن کی بی بی کا نام خولہ بنت المنذر۔ آنحضرتؐ نے ابراہیم کو گود میں لے کر اُن کی پیشانی کو بوسہ دیا اور سونگھا۔ حالانکہ ابراہیم نزدیک تھے کہ جان دے دیں۔ اس وقت اُن کی عمر دو برس کی تھی۔ واقدی کہتے ہیں سولہ مہینے آٹھ روز کی، اور بروایت بعض ایک سال دس مہینے چھ روز کی۔ بہ کیفیت حالتِ رضاعت ہی میں تھے کہ انتقال کیا۔ اُس وقت آنحضرتؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ زار و قطار رو رہے تھے۔ عبدالرحمن بن عوف جو ایک بڑے جلیل القدر صحابی تھے اور اس جلسے میں موجود تھے، کہنے لگے: یا رسول خدا آپ باوجود اس معرفت اور جلالت شان کے روتے ہیں! فرمایا: ابن عوف! یہ آنسو بے صبری و ناشکیبائی و جزع کی وجہ سے نہیں ہیں۔ بلکہ رحمت اور رقت کے اثر سے بہتے ہیں۔ پھر دوبارہ آپ کو گریہ ہوا اور فرمانے لگے: آنکھ سے آنسو بہتے ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے۔ مگر ہم وہی بات کہتے ہیں جو خدا کو پسند ہے۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو گہن کے وقت خدا کی طرف رجوع کرتے تھے، وہ

مسافر کو قصرِ نماز یعنی چار رکعت والی فرض نماز کو دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے۔ کیونکہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی سفر میں پوری چار رکعتیں پڑھنا ثابت نہیں ہوا، اور یہی وجہ ہیں وجوب کے۔ ہجرت سے پہلے نمازِ مغرب کے علاوہ تمام نمازیں دو دو رکعتیں فرض تھیں، مگر ہجرت کے بعد بجز نمازِ فجر کے جس نماز کی دو رکعتیں فرض تھیں چار فرض ہوگئیں۔ حالتِ سفر میں صرف انہی نمازوں میں قصر ہے جن کی چار رکعتیں ہیں اور وہ تین نمازیں ہیں ظہر، عصر، عشاء۔ قصرِ صلوٰۃ کچھ خوفِ دشمن ہی پر موقوف نہیں ہے، بلکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و امان اور آدمیوں کی کثرت کے ہوتے بھی موضع منیٰ میں قصر کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھی۔ اور اسی واقعے کو قصرِ صلوٰۃ پر دلیل گردانا گیا ہے۔ عازمِ سفر تاوقتیکہ اپنے شہر و بستی میں ہے قصر نہ کرے۔ البتہ جب شہر سے باہر نکلے اور آبادیٔ شہر ختم ہو جائے تو قصر کرنا شروع کر دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں ظہر کی پوری نماز ادا کی، اور ذوالحلیفہ[1] میں پہنچ کر نمازِ عصر میں قصر کیا۔ چونکہ حدیث میں پیادے اور سوار میں کسی طرح کا فرق نہیں کیا گیا یعنی قصرِ صلوٰۃ جیسا پیادے کو ویسا سوار کو، تو اس کے قیاس پر ریل کے مسافر کو بھی قصرِ صلوٰۃ کرنا چاہیے۔ گو ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن تک جو غالباً زمانے سے زیادہ فاصلہ رکھتا ہے کیوں نہ سفر کرتا ہو۔ اللہ اللہ! دین میں کیسی کیسی آسانیاں ہیں اور لوگ ان سے محروم۔ افسوس ہے کہ علماء نے عموماً سیدھے مسائل، اور خصوصاً مسئلہ قصرِ صلوٰۃ میں کس قدر تضییق و تنگی کر دی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ عوام مسلمان چونکہ لاعلم ہیں علماء کی ان تنگیوں میں پھنس کر دین و دنیا سے گئے گزرے ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اب ایک بات یہ ہے کہ مسافر باوجود امن کے پوری نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں بعض علماء کا قول ہے کہ حالتِ امن میں ہمیشہ قصرِ صلوٰۃ کرنا چاہیے۔ نسائی میں یعلیٰ بن امیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب سے پوچھا کہ آیت

---

[1] ذوالحلیفہ مدینے سے چھ میل کے [illegible]

سجدۂ سہو: ——— جسے نماز میں شک واقع ہو کہ میں نے تین رکعتیں پڑھی
ہیں یا چار۔ تو وہ شک دور کرے اور جتنی رکعتوں پر دل ٹھہرے اور یقین ہو اُن پر بنا کر کے سلام
پھیرنے سے پیشتر دو سجدے کرے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی نماز پڑھنے کھڑا
ہوتا ہے تو شیطان آ کر اُسے بھلاتا بچلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ دوسرے خیال میں محو ہو کر بھول جاتا
ہے کہ کتنی رکعتیں پڑھیں۔ اُس وقت تین یا چار میں کمی کا اعتبار کرو۔ مثلاً دو و تین میں شبہ ہو تو دو
اور تین چار میں شبہ ہو تو تین پر یقین کرو۔ پھر باقی رکعتوں کی تکمیل کر کے آخر کے تشہد میں التحیات
و درود وغیرہ پڑھ کر سہو کے دو سجدے کر کے سلام پھیرو۔ سلام پھیرنے کے بعد بھی سجدۂ سہو
کا جواز بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوا ہے۔ امام اور تنہا نمازی اگر نماز میں سہو کریں گے۔ تو
خود ہی سہو کے دو سجدے کرنے پڑیں گے۔ امام کے سہو سے مقتدی کو بھی سجدۂ سہو کرنا ہوگا۔
مگر مقتدی کے سہو سے خود اُس کو یا امام کو نہیں۔ امام نماز میں سہو کرے۔ مثلاً کھڑا ہونا چاہیے تھا
اور وہ لگے بیٹھنے۔ یا بیٹھنا چاہیے تھا اور وہ لگے کھڑا ہونے۔ تو مقتدی سبحان اللہ کہہ کر
یاد دلائے۔ امام اگر پہلے قعدے میں نہ بیٹھے اور سیدھا کھڑا ہو جائے تو مقتدیوں کو بھی اُس کے
ساتھ کھڑا ہو جانا چاہیے۔ پھر آخر رکعت میں امام سلام پھیرنے سے پیشتر یا بعد کو دو سجدے
کرے اور مقتدی بھی اُس کا اتباع کریں۔ اگر کوئی قعدے میں بیٹھنا بھول گیا۔ اور سیدھا
کھڑے ہونے سے پہلے یاد آ گیا۔ تو فوراً بیٹھ جائے۔ اور اب اُس کو سہو کے دو سجدے کرنے
نہ ہوں گے۔ ہاں پورا کھڑا ہو گیا ہو تو نہ بیٹھے۔ اور آخر میں سجدۂ سہو کر لے۔ جناب پیغمبر خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نماز عصر پڑھائی اور تین رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا۔ حجرے میں
تشریف لے گئے تو پیچھے سے ایک صحابی نے یاد دلایا۔ آپ اسی وقت مسجد میں تشریف لائے اور
وہاں سے نمازیوں کو ایک رکعت اور پڑھائی اور سلام پھیر کر دو سجدے کر کے نماز سے باہر
نکلے۔ اگر کوئی نماز میں سورۃ پڑھنا بھول گیا یا پڑھنی تھی خالی رکعت اور بھری رکعت پڑھ لیا ہو تو

کے برعکس کر لیا، تو محدثین کے نزدیک سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اُن کے نزدیک ضمِ سورۃ سُنّت مؤکدہ ہے۔ مگر فقہاء کے نزدیک چونکہ ضمِ سورہ واجب ہے اور واجب کے ترک پر سجدۂ سہو لازم ہے اسلئے وہ سجدۂ سہو کو لازم بتاتے ہیں۔ نماز خواہ فرض ہو یا سُنّت یا نفل سب میں بحالتِ سہو دو سجدے کرنے چاہئیں۔ کئی دفعہ کی بھول ہو تو اس کے لئے صرف یہی آخر کے دو سجدے کفایت کرتے ہیں۔

سجدۂ شکر: ——— خوشی اور نعمت کے پہنچنے کے وقت سجدۂ شکر بجا لانا مسنون ہے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی خوشی کی بات سنتے تو خدا کے لئے سجدے میں گر پڑتے۔ آپ نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کو یمن کی طرف بھیجا۔ جب انہوں نے اہلِ یمن کے مسلمان ہونے کا حال آپ کو لکھا تو آپ بہت خوش ہوئے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ ابو جعفر نقل کرتے ہیں کہ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک ضعیف الحرکت ناقص الخلقت آدمی کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑے۔ بظاہر سجدۂ شکر کے لئے باوضو ہونا ضروری نہیں۔ ورنہ حنفیہ کے نزدیک استقبالِ قبلہ بھی۔ مگر ہم کو کہیں سے اس کی سند بہم نہیں پہنچی۔

تلاوتِ قرآن کے سجدے: ——— قرآن مجید میں پندرہ آیتیں ایسی ہیں کہ انہیں پڑھ کر یا سُن کر سجدہ کرنا مسنون ہے۔ ایک سورۃ اعراف میں اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ پر۔ دوسرے سورۂ رعد میں وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ پر۔ تیسرے سورۂ نحل میں وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ پر۔ چوتھے سورۂ بنی اسرائیل میں وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا پر۔ پانچویں سورۂ مریم میں اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِیًّا پر۔ چھٹے سورۂ حج میں آیہ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ پر۔ ساتویں اسی سورۂ حج میں آیہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا

رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ پر۔ آٹھویں سورہ فرقان میں آیہ اَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَ
زَادَهُمْ نُفُوْرًا پر۔ نویں سورہ نمل میں آیہ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ پر۔ دسویں
سورہ سجدہ میں آیہ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ پر۔ گیارہویں سورہ ص میں آیہ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ
رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ پر۔ بارہویں سورہ فصلت میں يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ
لَا يَسْئَمُوْنَ پر۔ تیرہویں سورہ النجم میں آیہ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا پر۔ چودہویں سورہ اِنْشَقَّتْ
میں وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ پر۔ پندرہویں سورہ علق میں آیہ وَاسْجُدْ
وَاقْتَرِبْ پر۔

جب ان آیتوں میں سے کوئی آیت پڑھے یا سُنے تکبیر کہہ کر سجدہ کرے۔ حالتِ سواری میں اگر سجدے کی آیت پڑھے یا سُنے تو زمین پر دونوں ہاتھ رکھ کر سجدہ کرے۔ اور پیدل ہو تو زمین پر۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم شب کو آیۂ سجدہ پڑھتے تو سجدے میں یہ دعا پڑھا کرتے سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ یعنی میرا منہ اُسکے لئے جھک گیا جس نے اُسے بنایا اور اُسکے اپنی قوت و قدرت کے ساتھ اس کے کان اور آنکھیں پیدا کیں۔ استقبالِ قبلہ اور وضو کے باب میں جو ہم سجدۂ شکر میں لکھ آئے ہیں وہی یہاں بھی سمجھو۔

نمازِ جنازہ :۔ جنازہ کی نماز مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے یعنی اگر چند لوگ پڑھ لیں گے تو اوروں کی طرف سے فرض اُتر جائے گا۔ ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ اگر مردہ دفن ہو چکا ہو تو جنازے کی نماز قبر پر پڑھنی حدیث سے ثابت ہے۔ نمازِ جنازہ خواہ جنگل میں پڑھیں یا مسجد میں دونوں طرح جائز ہے۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کے دونوں بیٹوں پر نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی تھی۔ غرض کہ نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھ سکتی ہے

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ آنحضرتؐ نے نہیں پڑھی۔ نماز جنازہ میں اگر مرد ہو تو امام کو میت کے سر کے مقابل، اور عورت کا ہو تو ناف کے محاذات میں کھڑا ہونا چاہئیے۔ اگر میتیں بہت ہوں تو سب کے لئے ایک ہی نماز بس کرتی ہے۔ کچا بچہ جس میں روح نہ پڑی ہو اور جو مردہ پیدا ہو، اُس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیونکہ نماز جنازہ کے لئے زندگی شرط ہے۔

نماز جنازہ پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ امام اور امام کے ساتھ مقتدی نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہہ کر دل ہی دل میں وہ دُعا پڑھیں جو عموماً ہر نماز میں تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ ازاں بعد اعوذ اور بسم اللہ پڑھ کر سورۃ فاتحہ پڑھیں اور چاہیں تو سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ بھی ضم کر لیں۔ پھر دوسری تکبیر کہہ کر معمولی درود شریف پڑھیں جو سب نمازوں میں پڑھے جاتے ہیں۔ اسکے بعد تیسری تکبیر کہیں اور یہ دُعا پڑھیں [1] اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهِ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهِ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهِ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔ پھر چوتھی تکبیر کہہ کر ذیل کی دعا پڑھیں [2] اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاَحْيِهِ

---

[1] الٰہی اسکے گناہ بخش دے، اور اس پر رحمت کر، اور اُسے نجات دے، اور اسکی خطائیں معاف فرما، اس کا ٹھکانا عزت والا کر، اور اس کی قبر کشادہ کر، اور اس کو پانی اور برف اور اولے سے پاک صاف کر جیسے کہ تو سفید کپڑے کو میل سے صاف کرتا ہے۔ اسکو اس کے گھر سے بہتر گھر اور اہل سے بہتر اہل، اور بیوی سے بہتر بیوی بدلے میں دے، اور اسے جنت میں داخل کر، اور عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے بچالے۔ [2] اے اللہ ہمارے زندوں اور مُردوں کو، حاضر اور غائب کو، چھوٹوں اور بڑوں کو، ہمارے مردوں اور عورتوں کو اور سب کو بخش دے۔ خداوندا ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ، اور ہم میں سے جس کی جان قبض کرے اس کی جان ایمان پر قبض کر۔ خداوندا ہم کو اس کے ثواب سے محروم نہ کر اور اس کے بعد ہم کو فتنہ میں مبتلا نہ کر۔

وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْإِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ۔

جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا، بڑے کا ہو یا بچے کا، سب کے لئے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہی دُعا پڑھا کرتے تھے۔

بعض صحابہ بچوں کی نماز جنازہ میں مذکورہ بالا دُعاؤں کے بعد ذیل کی دُعا بھی پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا۔

اس کے بعد امام اور امام کے پیچھے مقتدی دونوں طرف سلام پھیرتے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ نماز جنازہ بھی ایک خاص قسم کی نماز ہے اور عبادت ہے تو عبادت صرف خدا کا حق ہے غرض اسی اعتبار سے نماز جنازہ کو دوسری نمازوں کے شمول میں حقوق اللہ کے ذیل میں رکھنا وضع الشیء فی محلہ ہے۔ مگر نماز جنازہ کا ایک پہلو اور بھی ہے کہ اس میں مُردے کے حق میں دُعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ وہ اس اعتبار سے اس کو حقوق العباد کے ذیل میں بیان کرنا چاہئے تھا مگر نماز کی حیثیت سے ہم نے اس کو نماز کے ذیل میں رہنے دیا، اور حقِ میت ہونے کے اعتبار سے ہم کو جو کچھ کہنا ہے ان شاء اللہ ہم حقوق العباد کے باب میں لکھیں گے۔

روزہ

دُنیا میں جتنے مذہب ہیں، سب میں روزہ عبادت سمجھا گیا ہے۔ روزے سے انسان میں صبر و انکسار کی صفت پیدا ہوتی ہے، اور روزہ دار کو روزی کی قدر آتی ہے۔ اس کے علاوہ روزہ جسمانی تندرستی کے لئے بھی مفید ہے کہ اس سے ردّی رطوبتیں جو اکثر مولدِ امراض ہوتی ہیں خشک ہو جاتی ہیں۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ روزہ دار اُن مصیبت زدوں کی مصیبت کا اندازہ کر سکتا ہے جن کو پیٹ بھر روٹی میسر نہیں آتی۔ اور جب وہ اُن کی مصیبت کا اندازہ کر لے گا تو اس کی طبیعت میں اُن کی مدد کا بھی تقاضا ضرور پیدا ہوگا۔ اور لوگ روزوں کے

[illegible]

دنوں میں توسیع رزق بھی کرتے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ روزوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ شب کو لوگ تراویح میں قرآن پڑھتے ہیں اور اس سے لوگوں کو قرآن کے حفظ کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے، اور اس ذریعے سے خدا اپنا وہ وعدہ ایفا کرتا ہے جو اس نے قرآن کے محفوظ رکھنے کی بابت کیا ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۔ روزے کو عبادت میں داخل کرنے کا شارع کی اصلی غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کو جفت و چالاک اور صابر و ضابطہ قوم بنائے، نہ بندۂ شکم اور حریص و لالچی، کہ تھوڑی دیر بھی بھوک و پیاس کے ضبط کرنے پر قادر نہ ہوں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ؕ فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ

مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں (یعنی اہل کتاب) پر روزہ رکھنا فرض تھا تم پر بھی فرض کیا گیا، تاکہ تم پرہیزگار بنو (روزے بھی) گنتی کے چند روز ہیں۔ اس پر بھی جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے (گنتی) پوری کر دے۔ اور جن (ضعیفوں اور بیماروں) کو کھانا دینے کا مقدور ہے (ان پر) ایک روزے کا بدلہ ایک محتاج کو کھانا کھلا دینا ہے۔ اور جو شخص اپنی خوشی سے نیک کام کرنا چاہے، تو یہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ اور سمجھو تو روزہ رکھنا بہرحال تمہارے حق میں بہتر ہے ف۱ (روزوں کا) مہینہ رمضان کا ہے جس کے (روزوں کے) بارے میں خدا کی طرف سے قرآن (میں حکم) نازل ہوا ہے ف۲ اور

ف۱ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو فرض روزہ رکھنا چاہیئے، اگر بیماری یا سفر کی وجہ سے رمضان میں روزہ نہ رکھے تو بعد کو قضا رکھ لے۔ اور بہت بوڑھے اور ضعیف جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہر روزے کے بدلے ایک محتاج کا پیٹ بھر دیں۔ اور روزہ قضا بھی رکھیں۔ اور محتاج کا پیٹ بھی بھریں تو زیادہ بہتر ہے، کہ روزے کے بدلے روزہ ہو اور نیکی مفت ہو۔ وقت بھی گزر گئی تھی کہ تدارک کے لئے محتاج کا پیٹ بھر دیا۔ اگرچہ بیماری اور سفر کی حالت میں تندرستوں کو بھی کھانے کے بدلے فدیہ دینے کا اختیار دیا ہے مگر ان کے لئے بھی روزہ رکھنا بہتر ہے۔ اگر ان کو تکلیف نہ پہنچے کے لئے جیسے وہ خود ہوں۔

ف۲ کئی مفسرین نے اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ کے یہ معنی کئے ہیں کہ رمضان میں قرآن کا نزول شروع ہوا جیسا کہ پارۂ آخر کی سورۂ قدر میں مذکور ہے۔ مگر جو معنی ہم نے تفسیر میں اختیار کئے ہیں ان کا قرینہ موجود ہے اور ہم کو یہی صحیح معلوم ہوئے۔

بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۖ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۖ فَالْئٰنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا

قرآن) لوگوں کا رہنما ہے، اور (اس میں) ہدایت اور (حق و باطل کی) تمیز کی کھلی کھلی نشانیاں (موجود) ہیں تو تم میں سے جو شخص اس مہینے میں (زندہ) موجود ہو تو چاہیے کہ اس مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی (پوری کر لے)، اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہتا۔ اور یہ حکم اس لیے آسانی سے دیتے ہیں، تاکہ تم (روزوں کی) گنتی پوری کر لو۔ اور تاکہ اللہ نے جو تم کو راہِ راست دکھا دی ہے (اس رحمت) پر اُسکی بڑائی کرو۔ اور تاکہ تم (اُس کا) احسان مانو اور (اے پیغمبر) جب ہمارے بندے تم سے ہمارے بارے میں دریافت کریں تو (اُن کو سمجھا دو کہ) ہم (اُن کے) پاس ہیں۔ جب کبھی کوئی ہم سے دعا کرتا ہے تو ہم (ہر ایک) دعا کرنے والے کی دعا کو (سنتے اور مناسب ہوتا ہے تو قبول بھی) کر لیتے ہیں۔ تو اُن کو چاہیے کہ ہمارا حکم (بھی) مانیں اور ہم پر ایمان لائیں تاکہ وہ سیدھے رستے لگیں ف۱ (مسلمانو) روزوں کی راتوں میں اپنی بیبیوں کے پاس جانا تمہارے لیے جائز کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے دامن کی جگہ اور تم اُن کی چولی کی جگہ ہو ف۲ اللہ نے دیکھا کہ تم (چوری چوری اُن کے پاس جانے سے) اپنا ہی نقصان کرتے تھے، تو اُس نے تمہارا قصور معاف کر دیا، اور تمہاری خطا سے درگزر کی پس اب (روزوں میں رات کے وقت)

ف۱ عرب کے لوگ سیدھے سادے اَن پڑھ تو تھے ہی، اور خدا کے بارے میں اُن کو غلط خیالات تعلیم کیے جاتے تھے بعض کو یہ وہم گزرا کہ خدا کی بڑی اونچی شان ہے تو پتا نہیں کہ اُس سے دعا کی جا سکتی ہے یا نہیں۔ اس آیت میں اُن کے اس وہم کو دور کر دیا۔ پھر دعا کی قبولیت کا وعدہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو غیب کا حال تو معلوم نہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ دعا کرتا ہے اور فی علم اللہ وہ اس کے حق میں مضر ہے، تو خدا محض اپنے فضل سے اُس کا وہ مطلب نہیں ہونے دیتا۔ ایسی حالت میں جو بندہ خدا سے تعلق رکھتا ہے صبر کرتا ہے ویسے کام کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ غرض دعا کی قبولیت کے دو پہلو ہیں: حصولِ مدعا یا دل کی تسلی

ف۲ ایک چیز ایک چیز کو ایسی لازم ہو کہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکیں، تو کپڑے کے ملنے میں اس لزوم کو یوں تعبیر کرتے ہیں کہ دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی مناسبت کے لحاظ سے لباس کا ترجمہ چولی اور دامن کیا گیا ہے۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ ع ۲۳ ۔ پارہ ۲)

اُن سے ملتے ہو اور ہمبستر ہو، جو نتیجہ خدا نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے (یعنی اولاد) اُسکے حاصل کرنے کی خواہش کرو نہ محض شہوت رانی کی۔ ف اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ رات کی کالی دھاری سے صبح کی سفید دھاری تم کو صاف دکھائی دینے لگے۔ ف پھر رات تک روزہ پورا کرو۔ اور جب تم مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہو تو رات کو بھی اُن سے ہمبستر نہ ہونا۔ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں تو اُن کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نافرمانی حکم کرنے سے بچیں۔

مسلمانوں پر خدا تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کئے ہیں بغیر عذر کے روزہ نہ رکھنے کا ویسا ہی گناہ ہے جیسا نماز نہ پڑھنے کا اور زکوٰۃ نہ دینے کا۔ غرض اہمیت اور واجب التعمیل ہونے میں تمام فرائض برابر کے درجے میں ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ رمضان کی بڑی آؤ بھگت کرتے ہیں۔ اتنی نماز کی نہیں اور زکوٰۃ کی تو شاید کچھ بھی نہیں اِلّا ماشاء اللہ۔ رمضان چونکہ برس میں دن آتا ہے کچھ تو رغبت تجدد حب کی رو سے، اور زیادہ تر افطاری اور سحری کے مزوں کی وجہ سے روزے کا اہتمام زائد از واجب کیا جاتا ہے۔ اور ہاں، تراویح کے حیلے سے مساجد کی روشنی کا تماشا بھی سیر کی چیز ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے رمضان کا روزہ بغیر عذر کے نہ رکھا۔ اگر تمام سال یا تمام عمر نفل روزے رکھے، یا دنیا کی ساری نعمتیں خیرات کر دے تب بھی اُس ایک روزے کے درجے کو نہ پہنچے گا۔" جو بیمار ہو یا سفر میں ہو، یا عورت حیض و نفاس میں ہو، یا حاملہ ہو، یا بچے کو دودھ پلاتی ہو، اور خوف ہو کہ روزے کی وجہ سے

ف سحری کی یہ تو بڑی عمدگی ہے کہ اس میں انسان کی بندش کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔ ورنہ دنیا میں مرد و عورت کے جمع ہونے کا یہی تو رات کا وقت، اور دو دن ہو دن بھی نہیں مہینے بھر کے روزے۔ رمضان بھر میاں بیوی کو الگ رہنے کا حکم مہینے بھر کے واسطے دیدیا، تو اس کی تعمیل بہت ہی مشکل تھی ف صبح صادق ہوتی ہے تو اول وقت تاریکی اور روشنی کی دو دھاریں دکھائی دیتی ہیں پھر روشنی غالب آکر تاریکی مٹ جاتی ہے۔

بچے کو نقصان پہنچے گا۔ تو یہ سب لوگ روزہ موقوف رکھیں جب عذر جاتے رہیں روزوں کی قضا رکھیں۔ سال بھر میں پورے کرلیں، چاہیں ایک دم رکھیں، چاہیں تھوڑے تھوڑے کرکے کئی دفعہ میں پورے کرلیں۔ جو شخص اس قدر بوڑھا ضعیف ہو کر روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو اُسے روزہ معاف ہے، ہر روزے کے بدلے ایک محتاج کا پیٹ بھر دیا کرے۔ روزہ رکھنے والا صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور عورتوں کی ہمبستری سے بند رہے کسی کی بُرائی غیبت نہ کرے۔ عذرِ بیماری کی وجہ سے قے کریں تو روزے کی قضا لازم آئے گی، ورنہ خود بخود قے ہو جانے سے روزے میں نقصان نہ آئے گا۔ روزے میں خوشبو لگانا، سر میں تیل ڈالنا، سُرمہ لگانا، منہ کھلوانا، بھری سینگی کھینچوانا، پچھنے لگانا، مسواک کرنا، کلی کرنا، غسل کرنا، ناک میں پانی دینا، یہ سب باتیں درست ہیں لیکن زیادہ مبالغہ کرنا نہ چاہیے۔ روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا جائز ہے، جسم سے جسم لگانا درست ہے۔ مگر جوان اور بے صبر آدمی کو مناسب نہیں۔ اگر کسی کو رات کو نہانے کی ضرورت ہوئی تو رات ہی کو نہا لینا بہتر ہے، ورنہ صبح کو بھی نہانے سے روزے میں کچھ نقصان واقع نہیں ہوتا۔ جو شخص روزے میں عمداً صحبت کرے گا اُسے ایک روزے کے بدلے ایک غلام آزاد کرنا پڑے گا۔ اور چونکہ ہندوستان میں غلام کا آزاد کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے اب ایک روزے کے بدلے دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے۔ ورنہ یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ محتاجوں کا پیٹ بھرنے، بھرنے کے بدلے روزہ رکھے اور خدا سے معافی چاہے۔ روزے میں جان کر کھا پی لے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک کفارہ ہے، اور بعض کے نزدیک صرف قضا۔ مگر حدیث سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کفارے کا ذکر فرمایا ہو۔ اسلئے محدثین کے نزدیک محقق مسئلہ یہی ہے کہ عورت سے جان کر صحبت کرنے والے پر کفارہ، جان کر کھانے پینے والے پر قضا لازم آتی ہے۔ اگر ابر کی وجہ سے وقت معلوم نہیں ہوا اور وہ روزہ کھول لیا پھر سورج نکل آیا تو روزے کی قضا رکھنی ہوگی۔ بھوک پیاس کی شدت سے جان کے تلف ہونے کا خوف ہو تو روزہ توڑ دینا اور بعد کو قضا

کرنا چاہیئے۔ روزے دار بھول کر پیٹ بھر کر بھی کھا پی لے تو بھی روزہ سلامت رہتا ہے۔ روزہ دار بیمار پڑ جائے یا سفر کو چلا جائے اور روزہ توڑ دے تو کچھ گناہ نہیں حضرتؐ نے ایک مرتبہ حالت سفر میں عصر کے وقت خود بھی روزہ توڑ دیا اور صحابہؓ کا بھی تڑوا دیا۔ اور فرمایا "سفر میں روزہ رکھنا کچھ نیکی میں داخل نہیں، اگر تکلیف ہو"۔ ایک حدیث میں فرمایا حالتِ سفر میں تکلیف کے ساتھ روزہ رکھنے والے گنہگار ہیں۔ مسافر کو بحالتِ سفر روزہ رکھنے اور نہ رکھنے میں بہت سی مختلف حدیثیں آئی ہیں بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنا گناہ ہے آنحضرتؐ نے ایسے لوگوں کو نافرمان فرمایا ہے۔ اور کچھ حدیثیں اس مضمون کی بھی آئی ہیں کہ آنحضرتؐ نے مسافر کو روزے سے ممانعت نہیں فرمائی، بلکہ انہیں ان کے روزے پر رہنے دیا۔ اس اختلاف کو دیکھ کر ہم نے چاہا کہ ایک ایسا قول فیصل کہہ دیں جس سے دونوں قسم کے مضمون بجا و درست اور ٹھیک بیٹھ جائیں۔ سو واضح ہو کہ شارع نے مسافر کے لئے عبادت میں آسانی مدِ نظر رکھی ہے۔ عبادات میں صرف دو ہی قسم کی عبادتیں ہیں جن پر آدمی کو اکثر عمل کرنا پڑتا ہے۔ نماز جو دن رات میں پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے۔ روزے جو سال بھر میں ایک مہینے تک متواتر پے در پے رکھے جاتے ہیں۔ نماز میں تو مسافر کے لئے یہ آسانی کی گئی کہ قصر کرلے جہاں تک ممکن ہو یعنی چار رکعت والی فرض نماز کو دو رکعت ادا کرے۔ اور روزے میں یہ آسانی کی گئی کہ اگر سفر میں کسی طرح کی مشقت و تکلیف کا اندیشہ ہو تو قطعاً روزہ نہ رکھے بلکہ اس کے بدلے فدیہ دیدے یا اور دنوں میں قضا کرلے۔ ایسی صورت میں اگر مسافر روزہ رکھ لے گا تو خدا کی نعمتِ رخصت کا ناقدردان اور گنہگار سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر تکلیف و مشقت کا خطرہ نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ اب بھی روزہ نہ رکھے۔ کیونکہ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ اس نے خدا کی نعمت کو قبول نہیں کیا۔ مگر روزہ رکھنے والا گنہگار نہ ہوگا۔ اب دونوں حدیثوں کے مضمون اپنی اپنی جگہ ٹھیک بیٹھ گئے۔

سفر و بیماری کے زمانے میں جو روزے نہ رکھے جائیں ان کی قضا لازم ہے۔ شک کے

روز روزہ رکھنے والا جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے۔ شک کے روز کے یہ معنی ہیں کہ چاند کا ہونا متیقن نہ ہو اور اگلے دن احتیاطاً روزہ رکھ لیا جائے۔ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا چاہیے، اور ابر ہو تو شعبان کے تیس[۳۰] دن پورے کر کے اکتیسویں روز۔ اگر ایک مسلمان بھی رویتِ ہلال کی گواہی دے گا تو شہر کے تمام مسلمانوں پر روزہ رکھنا فرض ہو جائے گا۔ مگر عید کے چاند دیکھنے کی جب تک دو مسلمان گواہی نہ دیں افطار نہ کرنا چاہیے۔ اگر آسمان پر ابر محیط ہو۔ اور دوسرے شہروں سے رویتِ ہلال کی شہادت پہنچے تو اس شہادت کو تسلیم کر لیا جائے۔ مگر بہت دور دراز شہروں کی رویت کا اعتبار نہ کیا جائے۔ تار کی خبر بھی شہادت کے قائم مقام ہے بشرطیکہ کوئی معتبر آدمی خبر دے اور چاند کا ہونا محتمل ہو۔

سحری کھانا مسنون ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے روزوں میں صرف سحری کا فرق ہے۔ ہم سحری کھاتے ہیں، وہ نہیں کھاتے۔ اور فرمایا۔ لوگو! سحری کھاؤ۔ اس میں برکت ہے۔ سحری کا بہتر اور عمدہ وقت ہے صبح کاذب سے طلوعِ صبح صادق تک۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمدہ سحری یہ ہے کہ آخر وقت میں کھائی جائے۔ سحری کے وقت کوئی مخصوص دعا روزے کی نیت کے واسطے پڑھنا آنحضرت سے ثابت نہیں۔ صرف روزے کی نیت اور ارادہ کافی ہے۔

جب آفتاب کا گردہ غرب میں چھپ جائے، اور مشرق کی طرف سے سیاہی نمودار ہو، تو روزہ افطار کیا جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب تک مسلمان افطار میں جلدی کرتے رہیں گے، دین کو غلبہ رہے گا۔ اور فرمایا کہ خدا فرماتا ہے مجھے افطار میں جلدی کرنے والے بندے بہت پیارے ہیں۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ افطار میں تعجیل کرنا گویا احتیاجِ رزق کو خدا کے سامنے ہر گز ہر اور خدا جو بندوں کا رزاق ہے اُسے اپنے بندوں کی یہ ادا بہت پسند آتی ہے۔ روزہ افطار کرتے وقت یہ دعا پڑھنی مسنون ہے[۱] اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ اور چاہیں تو

[۱] خداوندا میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیرے رزق سے افطار کیا۔

یہ دعا پڑھیں[1] ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللهُ اور بعض حدیثوں میں
یہ دعا بھی آئی ہے[2] اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَ ذُنُوبِي۔

اعتکاف بیٹھنے کا بڑا ثواب ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ ہمیشہ رمضان کے آخری دہے میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔ اعتکاف کے لئے مسجد میں ایک علیحدہ جگہ مقرر کر کے فجر کی نماز پڑھ کر وہاں داخل ہونا چاہئے۔ حاجات ضروریہ کے علاوہ مسجد سے باہر نہ نکلیں حتیٰ کہ کسی کی عیادت کو بھی نہ جائیں۔ ہاں رستے میں گزرتے ہوئے بیمار کو پوچھ لیں تو مضائقہ نہیں اسی طرح دفن میت اور نماز جنازہ کے واسطے بھی باہر جانا درست نہیں۔ اعتکاف کی حالت میں عورت سے ہمبستری نہ کریں، بوسہ نہ لیں، معانقہ نہ کریں۔ اگر مسجد سے باہر سر نکال کر بال دھلوئیں یا کنگھی کرائیں تو جائز ہے۔ اعتکاف کی حالت میں روزہ رکھنا شرط اعتکاف نہیں۔ البتہ بہتر اور مستحسن ہے کہ روزے سے ہو۔ بیماری یا کسی ضرورت کی وجہ سے اعتکاف کو توڑ دے تو اسکی قضا لازم ہو جاتی ہے۔ کسی نے اعتکاف کی منت مانی ہو تو اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ جتنے دنوں کی نذر مانی ہو گی اتنے ہی دنوں اعتکاف بیٹھنا پڑے گا۔ عورتوں کو اعتکاف میں بیٹھنا بھی سنت سے ثابت ہے۔ صحیح حدیثوں کی رو سے اعتکاف کی مدت دس روز ثابت ہوتے ہیں۔ اس سے کم مدت کا اعتکاف نہ تو حضرت ہی سے ثابت ہوتا ہے نہ خلفاء راشدین ہی کے طریقے سے۔ اعتکاف اگرچہ تمام مسجدوں میں جائز ہے مگر جامع مسجد میں اولیٰ اور بہتر ہے۔ کیونکہ جمعہ کی نماز کے لئے اگر معتکف جائے گا تو بعض صحابہؓ اور تابعین کے نزدیک اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ حالت اعتکاف میں قرآن پڑھنا، حدیث کا مطالعہ کرنا، اذان دینا، فتویٰ لکھنا، خطبہ پڑھنا، دینی باتوں کی تعلیم دینا، حجامت و غسل کرنا، کپڑے بدلنا، ضروری مختصر باتیں کرنا، کھانا پینا سب درست ہے۔

---

[1] پیاس تو بجھ گئی اور رگیں تر و تازہ ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا ان شاء اللہ۔ [2] خداوندا میں تیری رحمت کا واسطہ دیتا ہوں جس نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے۔ سوال کرتا ہوں کہ میرے گناہ بخش دے۔

اعتکاف ایک طرح کی خلوت ہے، کہ آدمی دنیا کے بکھیڑوں سے علیحدہ ہو کر اتنا وقت خدا کی یاد اور غور و فکر میں صرف کرے۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے غارِ حرا میں اپنا وقت اسی طرح صرف فرماتے تھے۔ اسی طرح کی خلوت اعتکاف سے مقصود ہے۔

نفلی روزے۔ رمضان کے علاوہ کچھ نفلی روزے بھی ہیں جو پیغمبر صاحب اور آپ کے صحابہ رکھا کرتے تھے۔ مثلاً عید کے بعد کے چھ روزے، یوم عاشورا کا روزہ، پیر اور جمعرات کا روزہ، اور ہر مہینے کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کے تین روزے۔ اور ان ہی کو ایامِ بیض بھی کہتے ہیں۔ مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں ہفتے اور اتوار اور پیر کے تین روزے۔ اسی طرح آخر کی تاریخوں میں منگل، بدھ، جمعرات کے تین روزے۔ لیکن متواتر پے در پے روزے رکھنے سے نبی کریم نے بڑی سختی کے ساتھ ممانعت کی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے عرض کیا "یا رسول اللہ، جو شخص ہمیشہ یعنی تمام سال روزے رکھتا ہو وہ کیسا ہے؟" فرمایا "اس نے نہ تو روزہ ہی رکھا اور نہ افطار ہی کیا" عرض کیا "اور جو شخص دو دن روزہ رکھتا اور ایک دن افطار کرتا ہے؟" فرمایا "کیا کوئی اتنی طاقت رکھتا ہے؟" عرض کیا "اور جو شخص ایک دن روزہ رکھتا اور ایک دن افطار کرتا ہے؟" فرمایا "یہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے"۔ عرض کیا "اور جو شخص ایک دن روزہ رکھتا اور دو دن افطار کرتا ہے؟" فرمایا "کاش میں اس قدر طاقت دیا جاتا" اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہر مہینے کے تین روزے اور رمضان کے روزے زمانے بھر کے روزوں کے برابر ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک روزے رکھتے چلے جاتے تھے کہ ہم کہتے تھے اب آپ افطار نہ کریں گے۔ اور افطار کئے چلے جاتے تھے حتیٰ کہ ہم کہتے تھے کہ اب روزہ نہ رکھیں گے۔ میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا کہ رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں۔

رمضان کے روزہ کی قضا کے لئے آدمی مکلف نہیں ہے کہ جتنے روزے فوت ہو گئے ہوں سب کی قضا برابر متواتر کرے بلکہ اُسے اختیار ہے کہ سال بھر میں جب چاہے اور جس طرح چاہے قضا کرے، خواہ متواتر قضا بھر دے، خواہ ایک ایک دو دو کر کے۔

اگر کوئی شخص مر جائے اور اُس کے ذمے رمضان کے روزے ہوں تو کیا کیا جائے؛ اس میں علما کا اختلاف ہے، امام احمد اور ایک روایت میں امام شافعی اور محدثین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ جتنے روزے میت کے ذمے ہوں اُتنے روزے اُس کا ولی رکھ دے اور اُنکی دلیل صحیحین کی یہ حدیث ہے[1] عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ۔ لیکن بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ کوئی کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھ سکتا نہ نماز پڑھ سکتا ہے، اور یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا۔ اور صحیح روایت کی رو سے امام شافعیؒ کا بھی ان کی حجۃ موطا کی یہ حدیث ہے[2] عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُسْأَلُ هَلْ يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ أَوْ يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ فَيَقُولُ لَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ۔ اب رہی یہ بات کہ میت کے روزے کی قضا کی جائے تو کیونکر کی جائے۔ قضا کی جائے ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینے سے۔ اگر میت وصیت کر گیا ہے، تو اُسکے ثلث مال میں سے یا کل مال میں سے، اور وصیت نہیں کر گیا تو ورثہ تبرعاً اُسکے ساتھ سلوک کر سکتے ہیں۔ نہ ورثہ نہیں کہ کریں ہی کریں۔

نفلی روزہ اگر رکھ کر توڑ دیا تو اس میں کفارہ لازم نہیں آتا، البتہ قضا واجب ہوتی ہے کیونکہ جب نفلی روزہ رکھ لیا گیا تو اُس کا پورا کرنا واجب ہو گیا۔ اور ترکِ واجب سے قضا لازم ہوتی ہے۔

---

[1] ابن عمر جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص مر جائے اور اسکے ذمے روزہ ہو تو اس کا ولی وارث اس کی طرف سے روزہ رکھ دے۔ [2] امام مالک سے روایت ہے کہ انہیں حضرت ابن عمر کا یہ اثر پہنچا کہ جب ان سے پوچھا جاتا کہ کیا کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے یا کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ تو جواب میں فرماتے کہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھ سکتا نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

کسی نے روزے کی منّت مانی ہو تو منّت کا پُورا کرنا یعنی روزہ رکھنا واجب ہے بشرطیکہ
جس دن روزہ رکھنے کی منّت مانی ہو اُس میں روزہ رکھنا حرام نہ ہو۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ
جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے اور ایک شخص سامنے کھڑا ہوا تھا۔ آنحضرت
نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا۔ ابو اسرائیل[1]۔ اس نے منّت مانی ہے کہ
یُوں ہی کھڑا رہے گا۔ بیٹھے گا نہیں۔ نہ اپنے اُوپر سایہ کرے گا۔ نہ کسی سے بات کرے گا۔
اور ہمیشہ روزے سے رہے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ بات کرے،
سائے میں ہو جائے، بیٹھ جائے اور روزہ پُورا کرے (بخاری)

رمضان شریف میں ایک رات نہایت برکت والی ہے جس میں عبادت کرنا ایک ہزار مہینے کی
عبادت سے بہتر ہے، اسی کو لیلۃ القدر کہتے ہیں۔ جو شخص اس رات کی عبادت سے محروم رہا،
وہ بڑی نعمتوں سے محروم رہا۔ اس مبارک رات کی تعیین میں شارعِ اسلام سے کوئی قول فیصل منقول
نہیں ہے۔ صرف اس قدر بتایا گیا ہے کہ رمضان کے آخر عشرے میں کسی طاق رات میں ہوتی ہے۔
بخاری شریف کی روایت میں آیا ہے کہ اکثر یہ رات رمضان کی اکیسویں، یا تیئسویں یا پچیسویں
یا ستائیسویں یا انتیسویں تاریخ کی راتوں میں پڑتی ہوئی ہر سال ہوا کرتی ہے۔ اس رات کی
بڑی علامت یہ ہے کہ اُس کی صبح کو سورج کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے۔ اس رات میں حضرت
جبرئیل آسمان سے اُترتے ہیں اور اُن کے ساتھ مقرّب فرشتوں کی ایک جماعت ہوتی ہے جو
عبادت کرنے والے مسلمانوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اور خدائے تعالےٰ اُن کی
دُعا قبول فرماتا ہے۔ اور اس رات کی عبادت کی برکت سے مسلمانوں کے اگلے پچھلے تمام
گناہ بخش دیتا ہے۔

رمضان المبارک کے فضائل حدیث شریف میں بہت آئے ہیں۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے، تو جنتوں کے دروازے کھل جاتے اور دوزخ

[1] ابو اسرائیل اس شخص کا نام ہے

کے بند ہو جاتے ہیں تمرد اور سرکش شیطانوں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی جاتی اور جنات
قید کر دیئے جاتے ہیں۔ ایک رمضان کے ختم ہونے اور دوسرے رمضان کے آنے تک پورے
سال بھر جنتوں کی تیاریاں خدا کے حکم سے ہوتی رہتی ہیں رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو
جنت کی خوشبو ہوا عرش کے نیچے سے ہو کر حوران بہشت کے سروں پر چلتی ہے۔ اس وقت
اُن میں ایک جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے اور وہ جناب الٰہی میں دعا کرتی ہیں کہ خداوندا! ہمیں
ہمارے شوہر عطا فرما کہ ان سے ہماری آنکھیں اور ہم سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝ (البقرہ ع ۵ پارہ ۱)

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور جو لوگ خدا کے حضور میں بوقت ادائے نماز جھکتے ہیں اُن کے ساتھ تم بھی جھکا کرو۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝ (توبہ ع ۵ پارہ ۱۰)

اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اُس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اے پیغمبر! اُن کو روزِ قیامت کے عذابِ دردناک کی خوشخبری سنا دو جبکہ اُس سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں (رکھ کر) تپایا جائے گا۔ پھر اُس سے اُن کے ماتھے اور اُن کی کروٹیں اور اُن کی پیٹھیں داغی جائیں گی۔ اور اُن سے کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے دنیا میں جمع کیا تھا، تو اب اپنے جمع کئے کا مزہ چکھو۔

خدائے شانہٗ اور بندوں کے ساتھ اُس کا معاملہ، اُسکے احسانات اور اُس کی بے شمار نعمتیں جب انسان جی میں خیال کرتے ہیں اور نیز اس کا کہ آدمی ایک شریف النفس مخلوق ہے۔ ایک تنکا اگر اُسے کوئی دیتا ہے تو بھی احسان مانتا ہے۔ تو بے اختیار ماننا پڑتا ہے کہ آدمی خدا کے شکر کے طور پر [illegible]

قطعہ

بندہ ہمان بہ کہ ز تقصیر خویش ۝ عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش ۝ کس نتواند کہ بجا آورد

[illegible]

[illegible]

خدا کو تو ہماری شکرگزاری ہماری احسانمندی کی کچھ بھی پروا نہیں۔ اور دیکھتے بھی ہیں کہ بندے
نافرمانیاں کرتے ہیں اور بہتیرے تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ خدا بھی کوئی ہے۔ بلکہ کتنے تو یہ غضب
کرتے ہیں کہ خدائی میں خدا کی مخلوقات کا ساجھا لگاتے ہیں کہ یہ کھلی بغاوت ہے۔ باایں ہمہ
زندگی کے ساز و سامان جو فرمانبرداروں کے لئے وہی نافرمانوں کے لئے جو نزدیکوں کے لئے۔ وہی
دوروں کے لئے۔ جو دوستوں کے لئے، وہی دشمنوں کے لئے۔ جیسے جیسے سلوک خدا بندوں کے
ساتھ کرتا ہے اگر اسکا عشر عشیر بھی کوئی ہمارا ہم جنس ہمارے ساتھ کرے تو ہم اگر آدمی ہیں اور
ہمارے دل میں حق شناسی ہے حتی الامکان اسکی خدمت گزاری میں ہرگز دریغ نہ کریں۔
خدا کے بارے میں خاص بات یہ ہے کہ وہ بے نیاز ہے۔ ہم اس کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے
مگر آدمی سے خدا کی کوئی خدمت نہ بن پڑے تو کیا وہ اظہار عبودیت سے بھی گیا۔ غرض
عبادت کسی طرح کی بھی ہو یہ سمجھ کر نہیں کرنی چاہئے کہ خدا کے حکم کی تعمیل یا اس کی خدمت
کرتے ہیں یہ نہیں بلکہ عبادت سے ہم عبودیت کا اظہار کرتے ہیں اور خود ہماری فطرت ہم سے
عبادت کراتی ہے۔ بدنی عبادتوں میں تو کوئی بات نہیں جس کی وجہ سے اسکو خدا کی خدمت
سمجھا جائے۔ ہاں مالی عبادت یعنی زکوٰۃ کو خدا کی خدمت سمجھا جائے تو شاید بالکل بےجا نہ ہو
اسلئے کہ حدیث میں الخلق عیال اللہ[1] آیا ہے۔ اور عیال اللہ میں سے جو لوگ محتاج ہیں ان
کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔

بدنی عبادت کے مقابلے میں مالی عبادت کو ترجیح ہے دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ مالی بدنی
عبادت کا کفارہ ہو سکتا ہے۔ جیسے وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین[2]۔ اور
مالی عبادت کا کفارہ بدنی عبادت نہیں ہو سکتی۔ دوسری یہ کہ بدنی عبادت سے صرف خدا
کے حقوق متعلق ہیں اور مالی عبادت سے خدا اور بندگان خدا دونوں کے کیونکہ زکوٰۃ جیسے

---

[1] مخلوق خدا کی عیال ہے۔ [2] اور جن مریضوں یا مسافروں ... [illegible] ... ایک مسکین ... [illegible]
... دینا ہے۔

بدنی ہیں، ایک بات خاص لحاظ کے قابل ہے کہ لوگ حاجی کے لفظ کو جزوِ نام کیوں قرار دے لیتے ہیں؟ تاکید کے اعتبار سے دیکھا جاتا ہے تو بدنی عبادتوں میں اوّل درجے نماز، پھر حج۔ نماز دن رات میں پانچ بار۔ روزہ برسویں دن۔ حج عمر میں ایک بار وہ بھی بشرطِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا[1]۔ لفظِ حاجی کو جزوِ نام قرار دینے سے دوسری بدنی عبادتوں پر اُسکی فضیلت سمجھی جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

بدنی عبادتوں پر زکوٰۃ کی ترجیح کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کو مالی نقصان بدنی تکلیفات سے زیادہ اکھرتا ہے ؎

گر جاں طلبی مضائقہ نیست ○ زر مے طلبی سخن دریں است

مال کے لئے دُنیا میں انواع واقسام کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اسی لئے زکوٰۃ ہر چند بہت ہی قلیل ہے مگر مال کی محبت ہم لوگوں کے دلوں پر اس قدر غالب ہے کہ زکوٰۃ کا جزوِ قلیل بھی دیتے ہوئے جی کڑھتا ہے۔ نفس آدمی بالطبع زکوٰۃ کو ناپسند کرتا ہے، اور لوگ ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں بہت ہی تساہل کرتے ہیں۔ بہتیروں نے تو عملاً زکوٰۃ کو حکمِ دینی سے خارج کر رکھا ہے، اور ادائے زکوٰۃ کا بھولے بھٹکے بھی خیال نہیں آتا۔ اور جو دیتے ہیں تو حق کی تحقیق سمجھ کر اور وہ بھی پوری نہیں۔ دُرمن واذی اور نام و نمود کے عیوب علیحدہ۔ ادھر طرف زیادہ ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کی دُنیاوی حالت روز بروز بگڑتی اور خراب ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایک دن تھا کہ ہندوستان میں ان کی سلطنت تھی، اب رعیت ہیں۔ اور رعیت بھی تو دوسری رعایا کے مقابلے میں مفلس اور تنگ حال۔ جتنے دروازے معاش کے ہیں ان کے لئے قریب قریب بند ہیں۔ سرکاری نوکری کے لئے سرکاری مدارس کی تعلیم شرط ہے اور تعلیم سے مقتضیٰ بیداری ہو کر اور دوسری قوموں کی طرف بہت کچھ منتقل ہو چکی اور قدرے قلیل ہو

---

[1] جس کو اس راہ یعنی خانہ کعبہ تک پہنچنے کا مقدور ہو۔

فی صدی ڈھائی روپے نکال لئے جائیں۔ سال کے اندر کچھ اور روپیہ جمع ہو جائے اور اس پر
پورا سال نہ گزرے تو زائد روپے پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی جب تک اس زائد روپے پر تاریخ جمع
سے لے کر پورا سال نہ گذر لے اور یہ روپیہ حدِ نصاب کو نہ پہنچ جائے۔ مثلاً ایک شخص باون روپے کا
مالک تھا اس نے ایک روپیہ پانچ آنے زکوٰۃ کے نکال دیئے۔ اب سالِ آئندہ میں اس کے پاس دس یا بیس روپے
اور جمع ہو گئے تو باون روپے سے جس قدر رقم زائد ہے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں مگر جب زائد رقم حدِ نصاب یعنی
پورے باون روپے تک پہنچ جائے اور پورا سال بھی گذر لے، تو اُس سے دو روپے دس آنے دینے ہوں گے۔ ایک روپیہ
پانچ آنے پہلے نصاب کے، ایک روپیہ پانچ آنے دوسرے نصاب کے۔ جو رقم نصاب سے کم ہو گی اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔
غرض زکوٰۃ کے ادا کرنے کی شرط ہے نصاب کا پورا ہونا اور برس روز کا گزر جانا۔ اور جب تک نصاب کی گنتی
ورنہ برس کی گنتی پوری نہ ہو زکوٰۃ نہیں اور شریعت کی طرف سے بہت بڑی آسانی ہے۔ چاندی و سونے کا نصاب مثلاً
جب کسی کے پاس ساڑھے سات تولے سونا ہو اور اس پر پورا سال گزر جائے تو دو ماشے سونا یا اس کی قیمت جو کچھ
اس وقت نرخ کے حساب سے بنے دینا فرض ہے۔ اس سے کم میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں مختلف
حدیثیں آئی ہیں مگر قوی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زیور کی زکوٰۃ بھی چاندی سونے کی طرح دینی چاہئے۔ البتہ پہننے کے
کپڑوں میں، رہنے کے مکان میں زکوٰۃ نہیں۔ اگر روپیہ کسی پر قرض آتا ہو اور امید وصول کی ہو تو اس پر زکوٰۃ
واجب ہے اور جو وصول ہونے کی امید نہ ہو تو نہیں۔ لیکن زکوٰۃ اسی وقت ادا کی جائے جب قرضہ وصول ہو۔

جانوروں کی زکوٰۃ: ——— جس کے پاس چالیس بکریاں ہوں اور ان پر پورا
سال گذر جائے تو ایک بکری یا اس کی قیمت زکوٰۃ میں دے دے۔ ایک سو بیس تک یہی ایک
بکری دینی ہو گی۔ ایک سو بیس سے آگے دو سو تک میں دو بکریاں۔ اور دو سو سے تین سو تک تین۔
پھر اسی قیاس پر ہر سیکڑے میں ایک ایک بکری زیادہ کرتے جائیں۔ اور جتنی بکریاں جس قدر بڑھتی
یا مرتے جائیں تو زکوٰۃ میں بھی اسی قدر کمی بیشی ہوتی جائے گی جس قدر نقد روپیہ میں ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ
بکریوں کا نصاب چالیس بکریاں ہیں۔ جب ان پر پورا سال گذر لے گا، زکوٰۃ فرض ہو جائے گی

لیکن شرط یہ ہے کہ جنگل میں چرتی ہوں گھر میں کھڑی ہو کر کھاتی ہوں تو زکوٰۃ نہیں۔ بھینس۔ گائے
بیل پر تاوقتیکہ پورے تیس ۳۰ نہ ہوں زکوٰۃ فرض نہیں پورے تیس ہو جائیں اور برس بھی گزر لے
تو سال بھر کا ایک بچھڑا زکوٰۃ میں دینا فرض ہے۔ اور چالیس ۴۰ ہوں تو دو برس کا۔ اونٹوں میں پانچ
سے کم پر زکوٰۃ نہیں۔ پانچ یا پانچ سے زیادہ ہوں تو چوبیس ۲۴ تک ہر پانچ میں ایک بکری
دینی ہوگی۔ پچیس ۲۵ سے پینتیس ۳۵ تک میں ایک اونٹنی جو دوسرے سال میں لگ گئی ہو۔ پھر چھتیس ۳۶ سے پینتالیس ۴۵
تک میں وہ ایک اونٹنی جو دو سال پورے کر کے تیسرے میں شروع ہو۔ چھیالیس ۴۶ سے ساٹھ ۶۰ تک وہ اونٹنی
جو چوتھے برس میں لگی ہو۔ اکسٹھ ۶۱ سے لے کر پچھتر ۷۵ تک ایک اونٹنی جو پانچویں سال میں لگی ہو۔ چھہتر ۷۶ سے نوے ۹۰ تک
وہ دو اونٹنیاں جو دو سال پورے کر کے تیسرے میں لگی ہوں اکیانوے ۹۱ سے ایک سو بیس ۱۲۰ تک میں۔
دو اونٹنیاں جو چوتھے سال میں لگی ہوں۔ اور جب ایک سو بیس ۱۲۰ اونٹوں سے زیادہ ہوں تو ہر چالیس ۴۰ میں ایک
اونٹنی جو دو سال بھر کر تیسرے سال میں لگی ہو۔ اور ہر پچاس ۵۰ پر ایسا اونٹنی جو چوتھے سال میں لگی ہو۔
جانوروں میں زکوٰۃ اسی وقت فرض ہوتی ہے جب وہ گھر میں نہ پلتے ہوں۔

کھیتی میں دسواں حصہ زکوٰۃ ہے جسے عُشر کہتے ہیں بشرطیکہ اُسکی پیداوار برسات یا تالاب
یا نہر کے پانی یا زمین کی تری سے ہے۔ اس صورت میں فرض کرو کہ کسی کے کھیت میں بیس من غلہ
پیدا ہو تو اس میں سے دسواں حصہ یعنی دو ۲ من غلہ زکوٰۃ میں دینا چاہیئے۔ مگر جو کھیتی کنوئیں کے پانی
سے ہوتی ہو۔ اس میں صرف بیسواں حصہ زکوٰۃ کا دینا ہوگا۔ مثلاً بیس ۲۰ من غلہ پیدا ہو تو من بھر
زکوٰۃ میں دیں۔ کھجور۔ منقّی۔ گیہوں۔ جَو کا نصاب انگریزی وزن سے اکیس من ہے۔ اس سے کم میں
زکوٰۃ فرض نہیں ہاں جب یہ چیزیں پورے اکیس من ہوں تو ان میں دسواں حصہ دینا ہوگا۔ شہد
میں دسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ باوجودیکہ سینکڑوں مسلمان مویشی اور باغات اور زراعت کے مالک
ہیں مگر ان چیزوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ گویا ان چیزوں سے زکوٰۃ نکالنے کی رسم بالکل اٹھ گئی ہے
بلکہ اب تو نقدین یعنی سونے روپے کی زکوٰۃ دینے کے بھی لالے پڑ گئے۔ فی صدی ایسے دو آدمی

بھی نظر نہیں آتے جو حساب کی رو سے اپنے موجودہ مال میں سے پوری اور کامل زکوٰۃ نکالتے ہوں۔
سواری کے گھوڑوں، خدمت کے غلاموں اور کام کاج کے گدھوں، خچروں اور رہنے
کے مکانوں، اور کرائے کے جانوروں اور سبز ترکاریوں، اور جواہرات، اور موتیوں پر زکوٰۃ
نہیں۔ اسی طرح یتیم اور دیوانے، وہ جو مال نصاب سے کم ہو یا اس پر برس تمام نہ ہوا ہو۔ اور کارآمد
کتابوں، اور برتنوں اور گھر کے فرش فروش، اور سامانِ آراستگی پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں۔ ہاں یہ
چیزیں تجارتی ہوں گی تو ان پر زکوٰۃ فرض ہو گی۔

مصارفِ زکوٰۃ:—— حضرت کے عہدِ مبارک میں زکوٰۃ کا مال فقراء، مساکین،
زکوٰۃ وصول کرنے والوں، نومسلموں، حاجتمندوں کو دیا جاتا تھا، مسلمانوں کے قرض ادا کرنے اور
دینی کاموں مثلاً مساجد و مدارس اور مسافروں کی امداد میں بھی صرف کرنا مناسب سمجھا جاتا تھا۔
مصارفِ زکوٰۃ کے بارے میں ایک جامع آیتِ قرآنی یوں ہے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ
وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ یعنی خیرات کا مال تو بس فقیروں کا حق ہے
اور محتاجوں کا اور ان کارکنوں کا جو مالِ خیرات کے وصول کرنے پر تعینات ہیں، اور ان
لوگوں کا جن کے دلوں کو پرچانا منظور ہے۔ ان مصارف میں مالِ خیرات یعنی زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے،
اور نیز قید غلامی سے غلاموں کی گردنوں کے چھڑانے میں، اور قرضداروں کے قرضے میں
اور راہِ خدا کی امداد یعنی جہاد میں شریک ہونے والوں میں اور مسافروں کی امداد میں۔ یہ حق اللہ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں
اور اللہ جاننے والا اور صاحبِ تدبیر ہے۔ بہتر تو یہی ہے کہ ان قسم کے سب لوگوں کو
جمع کر کے مالِ زکوٰۃ تقسیم کریں لیکن اگر ان میں سے کسی قسم کے ایک آدمی ہی کو ایک مصرف میں بھی
دیں گے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

زکوٰۃ کے وصول کرنے والے اور مسافر کو اپنے گھروں میں مالدار ہوتے تو بھی کچھ نہیں اگر وہ

لینا جائز ہوتا تھا۔ عورت اپنے مال کی زکوٰۃ محتاج خاوند اور مفلس بچوں کو دے تو بھی درست ہے،۔ مگر خاوند اپنی بی بی اور نابالغ بچوں کو مالِ زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ان کا نان و نفقہ اسکے ذمے واجب ہے۔ دولت مند اور قوی روزگار پیشہ کو زکوٰۃ کا مال نہ دینا چاہئیے۔ اگر پیشہ ور آدمی تندرست ہے۔ مگر بے شغل پڑا ہو تو اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس بستی کے تونگروں سے زکوٰۃ لی جائے وہیں کے فقراء پر تقسیم کر دی جائے صاحبِ نصاب تونگر ہے اور فقیر وہ ہے جو نصاب کا مالک نہ ہو۔ اور جسکے پاس کچھ نہ ہو وہ مسکین ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ سیدوں اور ان کے لونڈی غلاموں کو زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اور سیدوں سے مراد ہے بنی ہاشم یعنی آلِ عباس، اور آلِ عقیل، اور آلِ علی، اور آلِ جعفر۔ اگر کسی محتاج کو صدقہ دیا جائے اور وہ اپنی طرف سے کسی ہوکے سید کو ہدیۃً پیش کر دے تو سید کو اُس کا لینا اور کھانا درست ہے۔ مالِ زکوٰۃ غریب مسلمانوں کو دینا چاہئیے۔ کافروں کو دینا درست نہیں ہاں غیر مسلمانوں کو دینا جائز ہے۔ جو شخص مستحقِ زکوٰۃ نہ ہو اُسے جان بوجھے زکوٰۃ دی جائے گی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، بلکہ دوبارہ دینی پڑے گی۔ ہاں اگر ناواقفیت اور لاعلمی میں نامستحق کو زکوٰۃ دے گا تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ چاہئیے کہ والدین کو مالِ زکوٰۃ میں سے کچھ نہ دیں بلکہ اور طرح اُن کی خدمت کریں۔ اور یہاں تک بن پڑے سلوک سے پیش آئیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ یعنی تو اور تیرا مال باپ کے لئے ہے۔ تو والدین کو محتاج سمجھ کر محتاجوں کی طرح دینا نہایت نازیبا اور دوں ہمتی ہے۔ اور اس سے اُن کی تذلیل و تحقیر لازم آتی ہے۔

یہ تمام مصارفِ زکوٰۃ[ع] پہلے وقتوں میں جاری تھے۔ اب ان میں سے صرف چار متروک ہیں۔ ایک وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْہَا یعنی وہ کارکن جو مالِ زکوٰۃ کے وصول کرنے پر تعینات تھے۔ کیونکہ آنحضرت اور اُن کے بعد خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رض کے عہد تک مالِ زکوٰۃ بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا

ع جو آیۃ انما الصدقات میں مذکور ہے۔

اور اس وجہ سے عاملین مالِ زکوٰۃ کے جمع کرنے اور وصول کرنے پر تعینات تھے۔ اور تعینات تھے تو اُن کی تنخواہیں اِسی مد سے نکالی جاتی تھیں۔ لیکن جب خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کا دور دورہ ہوا تو اُنہوں نے مالِ زکوٰۃ بیت المال میں جمع کرنا موقوف کر دیا۔ اور حکم دیا کہ لوگ بطور خود زکوٰۃ ادا کر دیا کریں۔ چنانچہ اس وقت تک یہی دستور جاری ہے۔ یعنی لوگ بطور خود زکوٰۃ دیتے ہیں۔ نہ کوئی بیت المال قائم ہے نہ اس پر عاملین تعینات ہیں۔ اور جب یہ نہیں تو عاملین مصرفِ زکوٰۃ بھی نہیں۔ دوسرے اَلْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ یعنی وہ نومسلم جن کے دل پرچانے منظور تھے۔ یہ لوگ ابتدائے اسلام میں مصرفِ زکوٰۃ سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ اُن دنوں اسلام ضعیف تھا اور لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوتے تھے، آنحضرتؐ اُن کی تالیفِ قلوب میں مالِ زکوٰۃ خرچ کرتے تھے لیکن جب اسلام قوی ہو گیا تو نومسلموں کی تالیفِ قلوب میں مال صرف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی اور خدا نے صاف طور پر فرما دیا فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ یعنی خدا لوگوں کے ایمان و کفر سے بالکل بے پروا ہے۔ جس کا جی چاہے ایمان لائے، جس کا جی چاہے کفر اختیار کر لے۔ تیسرے وَفِي الرِّقَابِ یعنی وہ لونڈی غلام جو قیدِ غلامی میں گرفتار ہوں۔ یہ لوگ بھی بڑی مدت سے مصرفِ زکوٰۃ نہیں کیونکہ حقیقت میں لونڈی غلام وہ ہیں جو لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر آئے ہوں۔ اور جب کہ مدت سے جہاد ہی نہیں رہا تو لونڈی غلام کہاں؟ چوتھے وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ اس کا مراد جہاد و قتل ہے مجاہدین اور اس زمانے میں جہاد ہوتا نہیں تو مجاہدین مصرفِ زکوٰۃ سے خارج۔

غرض ان چار گروہوں کے خارج ہونے کے بعد چار گروہ باقی بچے۔ فقرا ایک۔ مساکین دو۔ غارمین تین۔ ابن السبیل چار۔ اور اب یہی لوگ مصرفِ زکوٰۃ ہیں اور بعض فقرا اور مساکین کے معنوں میں امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا اختلاف ہے لیکن قول فیصل یہ ہے کہ شدید الحاجت شخص کو فقیر اور قلیل الحاجت کو مسکین کہتے ہیں۔

عبادتوں میں نماز، روزہ، حج خالص حق اللہ ہیں۔ اور اُن کا فائدہ یعنی اجر و ثواب صرف عبادت گزار کو پہنچتا ہے۔ ایک زکوٰۃ ایسی عبادت ہے کہ زکوٰۃ دہندہ کو اجر و ثواب جو کچھ ہوگا سو ہوگا۔ سرِدست زکوٰۃ لینے والوں کو اس سے مالی امداد ملتی ہے۔ غرض فرض ہونے میں سب عبادتیں برابر ہیں۔ مگر زکوٰۃ کو زکوٰۃ لینے والوں کے لحاظ سے کُل عبادتوں پر ترجیح ہے۔ بایں ہمہ اوّل تو مسلمانوں میں مالکانِ نصاب گھٹتے گھٹتے بہت تھوڑے رہ گئے ہیں اور جو ہیں خوشدلی سے ساتھ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ اور جو بادلِ نخواستہ دیتے ہیں وہ مستحقین کے انتخاب اور مصرف کی تعیین میں احتیاط نہیں کرتے۔ ان گئے گزرے وقتوں میں بھی مسلمانوں میں اتنا دم ہے کہ اگر زکوٰۃ کی رقم کو جتنی کچھ بھی ہے مفید طور پر خرچ کریں، تو قوم کی حالت بہت کچھ بہتر ہو سکتی ہے۔ مگر نصیحت سُنتا ہی کون ہے؟ ہر ایک کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جُدا ہے۔

زکوٰۃ ہے تو اصل میں حق العباد کیونکہ وہ مدِ خرچ کے طور پر حاجتمندوں کو دی جاتی ہے۔ بایں ہمہ ہم نے زکوٰۃ کو حقوق اللہ میں رکھا اسلئے کہ خدا کی طرف سے ادائے زکوٰۃ کی سخت تاکید ہے۔ اب رہی یہ بات کہ خدا کی طرف سے ادائے زکوٰۃ کی سخت تاکید کیوں ہے؟ سو تاکید اس لئے ہے کہ قرآن ساری زندگی کا دستور العمل ہے۔ اُس میں جتنی ہدایتیں ہیں اس مطلب کے لئے ہیں کہ آدمی اشرف المخلوقات پیدا کیا گیا ہے، دُنیا میں اشرف المخلوقات بن کر رہے۔ ضوابطِ الٰہی کی پابندی کے ساتھ موجوداتِ عالم پر حکمرانی کرے۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے شکرگزارانہ متمتع ہو۔ نہ آپ تکلیف پائے نہ کسی دوسرے کو ستائے اور نہ دُنیا کی چلتی گاڑی میں روڑے اٹکائے۔ غرض آسودہ اور مطمئن زندگی گزارے۔ یہ سارے احکام اس اعتبار سے کہ وہ آدمی کے فائدے کے لئے ہیں حق العبد ہیں اور اس اعتبار سے کہ خدا نے انتظامِ دُنیا کے لئے نافذ کئے ہیں حق اللہ ہیں۔

زکوٰۃ ہے تو حاجتمندوں کا حق ہے مگر نہ ایسا کہ صاحبِ نصاب سے قرض کی طرح کوئی حاجتمند اس کا مطالبہ کر سکے۔ پس صاحبِ نصاب خدا کے ڈر سے کسی کو زکوٰۃ دے تو دے نہیں تو کون پوچھتا اور کون پوچھ سکتا ہے۔

وہی وقت اچھے تھے کہ آغاز اسلام میں تحصیل زکوٰۃ کا ایک محکمہ قائم تھا اور لوگوں سے تمام زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ جیسے ہمارے وقتوں میں ٹیکس لیتے ہیں۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے شروع ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک یہی دستور رہا۔ مگر کوڑی کوڑی پیسے پیسے کا حساب رکھنا فی الواقع وقت طلب اور علاوہ بریں عمری فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کی اسلامی شاہی سلطنت قائم ہو گئی تھی اور بہت کچھ تمول ہونے لگا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسکو کوہ کندن کاہ برآوردن سمجھ کر اس درد سر کو موقوف اور تحصیل زکوٰۃ کے محکمے کو برخاست کر دیا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو خلیفہ اور امیر المومنین یعنی اپنے وقت کے بادشاہ تھے، اس جھگڑے کے حساب کتاب کا انتظام نہ ہو سکا۔ اور انہوں نے تنگدل ہو کر زکوٰۃ ہی کو حساب خارج کیا۔ تو اب کیا ہو سکتا ہے جبکہ اسلام کی جمعیت کا بندھن ٹوٹ کر سارے عالم میں بکھری ہوئی ہیں مسلمانوں کا کوئی سردار نہیں ان میں ربط و ضبط اور اجتماعی حیثیت سے انتظام کی لیاقت نہیں اس حالت کا لازمی نتیجہ ہے کہ زکوٰۃ کی سب سے زیادہ مٹی پلید ہے۔ سب سے پہلے تو نصاب میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ اس واسطے کہ نقد کی قیمت بہت گھٹ گئی ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے روپے کے دو آنے تو اب ہو گئے ہیں۔ آیندہ کی خدا کو خبر ہے۔ مگر یہ ترمیم کریں تو کریں مولوی جو منصب اجتہاد کے لئے بیٹھے ہیں۔ سو خدا نے ان کو اس قسم کے دل و دماغ ہی نہیں دیئے۔ ہر چند مسلمانوں میں سے تونگری روز بروز اٹھتی چلی جاتی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ مگر ابھی تک بھی بقدر ہے غنیمت ہے۔ اسی کا مناسب طور پر انتظام کیا جائے۔ تو ضعیفان افلاس کی شدت میں بہت کچھ کمی ہو سکتی ہے۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے ؎

کچھ اس طرح کے منعم بگڑے بیٹھے ہیں ○ کہ فاقے نہیں تو تخمے ہوتے ہیں

اپنی کمائی سے قومی دولت کو تو کیا نک پتھر بڑھائیں گے۔ کسی کے پاس بزرگوں کے وقت کا کچھ بچا کھچا ہے بھی تو وہ اس کو بے دریغ اڑا رہا ہے۔ یہ نہیں کہ مسلمان دل کے تنگ ہوتے ہیں بلکہ سچ

پُوچھو تو مُسرف اور فضول خرچ اور نا عاقبت اندیش ہیں خیر خیرات کرتے بھی ہیں تو ایسی بھونڈی طرح کہ گدھے کا کھایا پاپ نہ پُن۔ دیتے ہیں اُن کو جنھوں نے بے غیرتی کا ٹھیکرا آنکھوں پر رکھ لیا ہے، اور باوجود یکہ خیرات کا لینا اُنھیں حرام ہے مُفت کا مال شیرِ مادر سمجھ کر ڈکوسے چلے جاتے ہیں اور جونک کی طرح لپٹے ہوئے قوم کا گاڑھا خون پڑے چوس رہے ہیں۔ ایسا دینا اور ایسوں کو دینا، نیکی برباد گناہ لازم خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ○ قوم میں کاہلی اور بے غیرتی بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اِن بھک منگے فقیروں کو ناجائز بھیک کا جو کچھ گناہ ہوتا ہو عجب نہیں کہ صبح سویرے اندھیرے منہ جگا دینے کا کچھ نہ کچھ ثواب بھی ملتا ہو گا۔ ابھی آنکھ کھلنے نہیں پاتی کہ اُنھوں نے دروازے پر آدستک دی، اور پھر جو تانتا شروع ہوا تو پھر رات گئے تک دار نہیں آنے پاتا۔ اور رمضان میں تو نماز تراویح اور سحری اور فقیروں کی صداے بے ہنگام سے رات کا سونا حرام ہے۔ جس قوم پر اتنی بلائیں مسلّط ہوں اُس کو برسوں کی برباد ہوتی ہوئی کل کی برباد ہوتی ہوئی آج برباد ہوئی سمجھو۔ زکوٰۃ کے متعلق ایک پیچیدہ بحث مصارفِ زکوٰۃ کی ہے خدا نے تو آیۃ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ الخ میں زکوٰۃ کے مستحقوں کو قسم وار گنوا دیا ہے۔ پیچیدگی اگر پڑی ہی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے صدقات کو خواہ از قسم زکوٰۃ ہوں یا از قسم خیر خیرات، نہ صرف اپنے اُوپر بلکہ آلِ ہاشم پر حرام کر رکھا تھا۔ ہاشم آنحضرتؐ کے پردادا تھے اس طرح پر کہ آپ کے والد ماجد عبد اللہ جدِ بزرگوار عبد المطلب پردادا ہاشم، ہاشم کے ایک فرزند عبد المطلب۔ اُن کے فرزند ذکور دس ابو لہب جس کا دوسرا نام عبد العزیٰ اور جس کی شان میں سورۂ لہب نازل ہوئی، عباسؓ، حارثؓ، زبیرؓ، قثمؓ، ضرارؓ، حمزہؓ، حجلؓ جس کا دوسرا نام مغیرہ۔ ابو طالبؓ، عبد اللہ۔ ان میں ابو لہب، زبیر، قثم، ضرار، حجل چھوڑ کر باقیوں پر اور اُن کی نسلوں پر صدقات کا لینا حرام ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے اور آلِ حارث

؎ اس نے دُنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی، یہی گھاٹا ہے کھلا ہوا۔

اور آلِ عباس اور آلِ حمزہ اور آلِ ابو طالب پر صدقات کو کیوں حرام کیا تھا۔ لوگوں کی رائے تو یہ ہے
کہ صدقات کا لینا ذلت کی بات ہے۔ آنحضرتؐ نے اس عار کو اپنے لئے اور اپنے ان
ہم جدیوں کے لئے جو اسلام لے آئے تھے گوارا نہیں فرمایا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ یہ سارا انتظام
قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا کا ثابت کرنا تھا۔ اگر آنحضرتؐ صدقات کا دروازہ اپنے اوپر
اور اپنے ہم جدیوں پر کھول دیتے تو یہ بھی ایک طرح پر تبلیغ رسالت کا اجر سمجھا جاتا۔ اگر یہ
توجیہ ٹھیک ہے تو منع صدقات کا حکم موقت حکم تھا۔ ورنہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہو
اب نہ رسولِ خدا ہیں نہ تبلیغِ رسالت ہے نہ اجر کے طعن کا موقع باقی رہا۔ سو یہ سنت آنحضرتؐ کی زندگی
ہی میں قائم ہو چکی تھی۔ خلفائے رضی اللہ عنہم کے عہد میں كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ
فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ہو گئی۔ سلطنت نے تمام مسلمانوں کو مالدار
کر دیا۔ ازاں جملہ آنحضرتؐ کے مسلمان ذوی القربیٰ کو بھی۔ غرض لوگ آنحضرتؐ کی زندگی
میں قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا کی وجہ سے ممنوع صدقات تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد
اتباعِ سلطنت کی ثروت و غنا کی وجہ سے۔ مگر اب کیا حال ہے؟ نسبی خصوصیات تو خود آنحضرتؐ
ہی ملیا میٹ کر گئے تھے اُن ہی کی زبان سے خدا نے کہلوایا يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن
ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ
عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔ پھر جب یہ آیت وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے

[illegible]

ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا باخبر ہے۔

تمام قریشیوں کو جمع کر کے وعظ فرمایا۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ
لَمَّا نَزَلَتْ وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الصَّفَا فَجَعَلَ
يُنَادِيْ يَا بَنِيْ فِهْرٍ يَا بَنِيْ عَدِيٍّ لِبُطُوْنِ قُرَيْشٍ حَتّٰى اجْتَمَعُوْا فَقَالَ أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ
خَيْلًا بِالْوَادِيْ تُرِيْدُ أَنْ تُغِيْرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوْا نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا
قَالَ فَإِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ قَالَ أَبُوْ لَهَبٍ تَبًّا لَكَ يَا مُحَمَّدُ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا
فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ یعنی جب آیت وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ ۝ نازل
ہوئی تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر بطون قریش میں سے ہر ایک
بطن کو اس کا نام لے لے کر پکارنا شروع کیا کہ اے بنی فہر اے بنی عدی حتیٰ کہ جب سب جمع ہو گئے
تو آپ نے فرمایا بھلا دیکھو تو اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر نکل کر تم کو
غارت کرنے والا ہے، تو تم مجھے سچا جانو گے؟ سب نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ ہم نے تمہیں ہمیشہ سچا
پایا ہے۔ فرمایا تو میں تمہیں اس عذاب سخت سے ڈراتا ہوں جو آگے آتا ہے۔ اس پر ابولہب بول اٹھا
کہ محمد! تجھے خرابی ہو۔ کیا تو نے ہم کو اسی لئے جمع کیا تھا؟ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی تَبَّتْ يَدَا
أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَا أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ یعنی جیسے ابولہب نے پیغمبر کو ستایا تھا الٹے
ابولہب ہی کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے، اور وہ آپ ہی ہلاک ہوا، نہ تو اس کا مال ہی اس کے
کچھ کام آیا، اور نہ اس کی کمائی نے اس کو کچھ فائدہ پہنچایا۔ مفسرین نے اس آیت سے یہ
بات نکالی ہے کہ خدا کی جناب میں صرف ایمان اور اعمال صالح کی پوچھ ہوتی ہے۔ وہاں نسب
کچھ کام نہیں آتا، جیسا کہ ابولہب کو آنحضرت کی قرابت مندی نے کچھ فائدہ نہیں پہنچایا۔ یہی
وجہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سب قرابت مندوں کو جتا بتا دیا تھا
کہ جو کچھ تم کو لینا ہے دنیا ہی میں لے لو۔ میں خدا کے ہاں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا۔
چنانچہ آپ نے اپنی پیاری بیٹی بی بی فاطمہ اور پھوپی صفیہ تک کو فرما دیا کہ یَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ

اُن چند در چند خوبیوں کی وجہ سے جو اُن کو جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھیں، اور وہ اپنی ذات سے بھی بڑے بہادر اور بڑے خطیب تھے، خلافت کی توقع کی ہوگی۔ مگر وہ اُن کی تقدیر میں نہ تھی۔ چوتھے نمبر پر اُن کی باری آئی، تو امیر معاویہ نے اُن کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اُن کی جگہ برائے نام امام حسنؓ ہوئے تو وہ معاویہ کی مقاومت نہ کر سکے، اور خون خرابے سے ڈر کر خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اُن کے بعد امام حسینؓ نے خلافِ مصلحت خروج کیا، تو اُنکی جانِ گرامی گئی سو گئی، آلِ پیغمبر کا رہا سہا ادب بھی اُٹھ گیا۔ پھر تو بالاطمینان بنی امیہ خلافت پر مسلط ہو گئے، اور اُن کی سلطنت کا سارا زمانہ نسلِ پیغمبر کی توہین اور تحقیر اور تذلیل اور بیخ کنی میں گزرا۔ بنی عباس کی حکومت کے زمانے میں یہ لوگ کچھ پنپ چلے تھے، سو بھی آلِ پیغمبر ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ خلفائے وقت کی ہم جدی ہونے کی وجہ سے۔ عباسیوں کی سلطنت کے زوال کے بعد پھر قدیمی کس مپرسی میں پڑ گئے۔ اب اِن میں سے ذات یا لیاقت کی وجہ سے جس کا جی چاہے کوئی وجاہت پیدا کرے تو کرے۔ آلِ پیغمبر ہونا تو کچھ امتیاز کی بات نہیں۔ سید کا لقب بھی ان لوگوں نے ہندوستان میں اختیار کر لیا ہے کہ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے حسنینؓ کی شان میں سیدا شبابِ اہلِ الجنۃ فرمایا ہے۔ ورنہ حدیث اور فقہ اور تاریخ میں لفظِ سید کا کوئی ماخذ بھی نہیں پایا جاتا۔ اور یوں زبانِ عرب میں تعظیماً سبھی کو سید کہہ دیا کرتے ہیں۔ شکر ہے کہ مسلمانوں میں ہندوؤں کی طرح تفرقہ تو ہے نہیں کہ ایک جتھے کا آدمی دوسرے جتھے میں شادی بیاہ نہ کر سکے، اُن کے ساتھ کھا نہ پی سکے۔ مگر ہندوؤں کی دیکھا دیکھی ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی نسب اور پیشوں کے اعتبار سے ذاتیں بنا رکھی ہیں، اور شادی بیاہ میں حتی الوسع کفو کا لحاظ کرتے ہیں۔ ممنوع الصدقات تو تمام بنی ہاشم ہیں۔ مگر ہندوستان میں صرف بنی فاطمہ سید سمجھے جاتے ہیں اور اِن کو اس قدر فخرِ نسب نے تباہ کر رکھا ہے، ممنوع الصدقات ہونا اُن کے حق میں مرنے کو مارے شاہ مدار ہے، یا مرے پر سو دُرّے۔

حج

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○

اور مسلمانو! خدا کے لئے حج اور عمرے کی نیت کرلی ہو تو اس کو پورا کرو۔ اور اگر راہ میں کہیں گھر جاؤ تو قربانی کر دو جیسی کچھ میسر آئے۔ اور جب تک قربانی اپنے ٹھکانے لگ جائے اپنا سر نہ منڈاؤ۔ اور جو تم میں بیمار ہو یا سر کی طرف سے اس کو کسی طرح کی تکلیف ہو تو وہ بال منڈوا دینے کے بدلے روزے یا خیرات یا قربانی۔ پھر جب تمہاری خاطر جمعی ہو یعنی عذر رفع ہو جائے تو جو کوئی عمرے کو حج سے ملا کر فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کو قربانی کرنی ہوگی جیسی کچھ میسر آئے۔ اور جس کو قربانی میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے دنوں میں اور سات جب واپس گھر جاؤ۔ یہ پورے دس ہوئے۔ یہ حکم اس کے لئے ہے جس کا گھر بار مکے میں نہ ہو۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور جانے رہو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے

[illegible] ... کا احرام باندھے، عرفے کے دن عرفات ... [illegible] ... یا دو دن ... [illegible] ... کعبے کا طواف کیا، اور صفا مروہ کے درمیان دوڑ ... [illegible]

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ وہ ایک مشروع کرنے میں شارع کی جن مصلحتوں کا مد
نظر ہے وہ چند امور ہیں گویا یہی امور فرضیتِ حج کے باعث ہیں: از انجملہ تعظیم بیت اللہ
ہے کیونکہ یہ شعائرِ الٰہی میں سے ہے، اور اس کی تعظیم عین خدا کی تعظیم ہے۔ از انجملہ ملت والوں
کے لئے ایک دن اجتماع کا ہوتا ہے جس میں تمام ملت و دولت کے تمام ذی علم چھوٹے بڑے
موجود ہوتے ہیں اور یہ اس لئے کہ لوگ باہم ایک دوسرے سے تعارف پیدا کریں اور ملت کے احکام
سیکھیں مسلمانوں کے جمع ہونے کے لئے خدا نے یہ دن مقرر کیا ہے جس میں ان کی شوکت، ان کے
دین کی عزت، ان کا رعب و دبدبہ ظاہر ہوتا ہے۔ از انجملہ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہ السلام
کا جو طریقہ لوگوں میں ایک مدت سے چلا آتا ہے اس کی موافقت حاصل ہو کیونکہ حضرت ابراہیم
اور ان کے فرزند رشید حضرت اسمٰعیل دونوں ملت حنیفیہ کے مقتدا و پیشوا تسلیم کئے گئے [illegible]
تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے خدا کو اسی ملت کا ظاہر کرنا اور اسے تمام مذہبوں
پر غالب کرنا منظور تھا۔ اور جب یہ ہے تو ملت حنیفیہ کے اماموں اور پیشواؤں سے جو طریقہ جاری
ہوا ہو اس کی محافظت لازمی اور ضروری بات ہے۔ وہ یہی معنی ہیں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کی اس حدیث کے قِفُوا عَلیٰ مَشَاعِرِکُمْ فَاِنَّکُمْ عَلیٰ اِرْثٍ مِّنْ اِرْثِ اَبِیْکُمْ اِبْرَاہِیْمَ
یعنی تم اپنے مراسم پر قیام کرو کیونکہ تمہارے باپ ابراہیم کے ورثہ میں سے تم کو ورثہ پہنچا ہے
از انجملہ یہ کہ اسلام سے پہلے اہل جاہلیت بھی حج کیا کرتے تھے۔ وہ حج کو منجملہ دین سمجھتے تھے۔
لیکن انہوں نے اس میں بہت سی ایسی باتیں اپنی طرف سے ملا دی تھیں جن کا پتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی شریعت میں نہیں لگتا تھا۔ مثلاً برہنہ طواف، جو مرد و عورت ننگے کیا کرتے تھے اور علاوہ
جو مشرکین مکہ [illegible]
[illegible]
[illegible]

عبادت غرض کہ عبادت حج ان باتوں سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ لہٰذا ضرور ہوا کہ شریعت محمدیہ میں جو خاتم الشرائع ہے، حج فرض کیا جائے اور ان لوگوں کو اُن اُمور کی تعلیم دی جائے جن سے حق و باطل جو آپس میں مدت دراز سے کھچڑی کی طرح گڈمڈ ہو رہے تھے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہو جائیں۔ اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے۔ چنانچہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جاہلیت کی تمام بدعتوں اور قبیح رسموں کو جو مناسک حج پر عبادت شرک کا رنگ چڑھا رہی تھیں اور جو باتیں اہل جاہلیت کی عادت میں داخل ہو کر مذہب ہو گئی تھیں نہایت ہمدردی و خوبصورتی کے ان کا قلع قمع کر دیا۔ ابراہیمی شریعت کے مردہ قالب میں نئی روح پھونکی۔ اور شعائر اللہ جیسے کہ تھے اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے۔

الغرض مسلمان پر ساری عمر میں ایک دفعہ اور صرف ایک دفعہ حج کرنا فرض ہے۔ تو بہت خدا توفیق دے اور صحت تک ہوئے ہوں۔ امن و امان سے سفر کر سکتا ہو۔ زاد راہ پاس ہو۔ آمد و رفت اور وہاں کی ضروریات اور جب تک واپس نہ آئے اہل و عیال کے کھانے پینے کے لئے خرچ پاس ہو۔ تو اسے چاہیے کہ خدا کا فرض بجا لاکر حج ادا کرے۔ کوئی شخص بہت ضعیف اور بوڑھا ہو اور سفر حج کا تحمل نہ کر سکتا ہو تو اُس کی طرف سے اس کا کوئی رشتہ دار حج کر سکتا ہے۔ جو شخص ہوتے ساتے حج کے لئے نہ جائے وہ خدا کا سخت گنہگار اور مجرم ہے۔ خدا بندوں کی تمام عبادتوں سے اور ان کی اس حج کی بھی بے نیاز اور مستغنی ہے۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ ○ عبادات و شرائع کے مقرر کرنے میں بندوں ہی کا فائدہ ہے نہ خدا کا ۞

جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے خدا کے واسطے، صرف خدا کے واسطے حج کیا۔ اور حالت حج میں نہ تو کسی سے لڑا بھڑا نہ جھگڑا فساد ہی کیا۔ نہ عورتوں کی طرف میل و رغبت کی، تو وہ حج سے ایسا لوٹا اور گناہوں کی نجاست سے ایسا پاک ہوا گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا

اقسام حج ـــــــ حج کرنے کی تین صورتیں ہیں اور تینوں کے نام اور احکام علیحدہ علیحدہ ہیں

اور اس طرح بال کھولنے درست ہیں کہ ٹوٹنے نہ پائیں۔

چوتھے عورت سے ہمبستر ہونا۔ اگر ہوگا تو ایک اونٹ یا گائے یا سات بھیڑ بکری واجب ہوں گی اور حج فاسد ہو جائے گا۔ قضا واجب ہوگی۔ ہاں پہلے تحلل کے بعد ہمبستر ہوگا تو حج فاسد نہ ہوگا۔ مگر اونٹ ذبح کرنا پڑے گا۔

پانچویں مقدماتِ جماع مثلاً مساس کرنا۔ بوسہ لینا، یا کسی اور طرح سے عورت سے حظ اٹھانا یا رغبت سے بات چیت کرنا۔ ان صورتوں میں سے ایک کا بھی مرتکب ہوگا تو ایک قربانی کرنی پڑے گی

چھٹے شکار کرنا، لیکن دریائی شکار درست ہے خشکی میں شکار کیا تو اسی جیسا جانور ذبح کرنا ہوگا۔

واجبات کے ترک اور منہیات کے ارتکاب کی صورتوں میں جو ہم نے وجوب دم یعنی قربانی کا ذکر کیا ہے یہ فقہی روایات سے مستنبط کیا ہے۔ ورنہ قرآن و حدیث سے تو بجز چند صورتوں کے اور کسی صورت میں قربانی کا وجوب پایۂ ثبوت کو پہنچتا نہیں۔ فقہاء نے ان صورتوں کے علاوہ اور بھی بہت صورتوں میں محرم کو قربانی کرنے کی ہدایت کی ہے لیکن ہم نے حدیثوں کا تتبع کیا تو ہمیں تو کوئی ایسی نوع اور تفصیل مسند حدیث نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ فقہاء کی تجویز کی ہوئی صورتوں میں قربانی کرنی پڑتی ہو۔ غالباً فقہاء نے صور مذکورہ کو قتل صید وغیرہ پر قیاس کر کے ان میں بھی فدیہ وغیرہ تجویز کیا ہے۔ ورنہ کوئی نص صریح و صحیح تو ان پر قائم ہے نہیں۔ قرآن مجید میں صرف چار صورتوں میں فدیہ دینے کا حکم ہے۔ تین صورتیں تو آیہ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ میں مذکور ہیں جو عنوانِ حج کی ابتدا میں آ چکی ہے اور جس کی تفصیل آپ اسی آیت کے فوائد میں ملاحظہ کر چکے ہیں اور ایک ساتویں پارے کے دوسرے رکوع میں یعنی قتل صید و حیوانات کی ذبیحت میں جو چیزیں مذکور ہیں بے شک آنحضرت نے ان کو گناہ اور منہیات کے ذیل میں جو باتیں مذکور ہیں ان سے پرہیز کی بہت شدت و تاکید فرمائی ہے۔ اور بعض صورتوں میں تو یہاں تک فرمایا ہے کہ فلاں چیز کے عمل میں رہنے یا ترک کرنے سے حج اور عمرہ فاسد ہو جاتا ہے۔ لیکن چند صورتوں

ہو گئے تو سب چیزیں حلال ہو گئیں یہاں تک عورت کے پاس جانا بھی۔ اب بارہویں دن
میں سے تھوڑا سا پانی پئیں اور منا میں جا کر تین دن کی نماز پڑھیں۔ بارہویں تاریخ دوپہر کے بعد
جمرۂ عقبہ پر سات کنکریاں پھینکیں اور دعا بہت کر کے مانگیں۔ پھر بیچ کے جمرہ پر
کنکریاں ماریں اور دعا مانگیں اسکے بعد تیسرے مقام پر کنکریاں ماریں اور ہر کنکری پر
تکبیر پڑھیں اسی طرح بارہویں اور تیرہویں تاریخ کو ان میناروں پر سات سات کنکریاں پھینکیں
اور مکہ معظمہ میں آجائیں۔ حاجی قربانی سے پہلے سر منڈا ڈالے۔ یا مناروں پر کنکریاں پھینکنے سے
پہلے قربانی ذبح کر دے یا اس کے بعد کنکریاں پھینکے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ کسی کو قربانی کا مقدور
نہ ہو تو تین روزے ایام حج میں یعنی ساتویں۔ آٹھویں۔ نویں تاریخ کو رکھ لے اور سات روزے
مکے میں آکر یا سفر سے فراغت کر کے دس پورے کرے۔ جب گھر کو واپس جانے لگے
یا مدینہ طیبہ کے قصد سے جانے لگے تو آخری طواف کرے اور اسے طواف وداع کہتے ہیں۔

یہ تمام کیفیت جو یہاں تک بیان ہوئی تمتع کی تھی۔ افراد کی صورت میں میقات سے احرام
باندھنا اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ بِحَجَّۃٍ پکار کر کہنا۔ مکہ معظمہ میں داخل ہو کر خانہ کعبہ کا طواف
کرنا۔ عمرہ میں جو کرنا پڑتا ہے مثلاً دوڑنا وغیرہ یہ نہیں کرنا اس صورت میں فرض ہے دو
طواف فرض نہیں نہ قربانی۔ مگر قران کی صورت میں احرام باندھنے کی حد سے قربانی واجب
ہوتی ہے۔ حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کرنی پڑتی ہے۔

میقات احرام :— یعنی وہ مقامات جہاں سے آفاقی یعنی باہر سے آنے والے
لوگ احرام باندھتے ہیں۔ حل میں کعبہ کے چاروں طرف ان حدوں کے جو احرام باندھنے کے لئے
ہیں خارج نہ کرو۔ ان سے باہر جو حج کو آتے ہیں چار مقام ہیں۔ ایک ذوالحلیفہ مدینہ والوں
کے احرام باندھنے کی جگہ ہے جو مدینے اور مکہ کے بیچ سے آتے ہیں۔ یہ مقام مدینے سے تین میل
کے فاصلے پر واقع ہے اور یہاں سے مکے تک دس منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔ دوسرے جحفہ یہ

طرف سے کچھ اوپر اکتیس گز اور دوسری طرف پچیس گز ہے۔ کعبہ شریف کا دروازہ شرقی دیوار میں ہے۔
جس کا طول چھ گز دس انگشت اور عرض چار گز ہے۔ کواڑوں کے تختے سال کے ہیں۔
جن پر چاندی کے پترے منڈھے ہوئے اور نقرئی کیلیں جڑی ہوئی ہیں۔ زمین سے دہلیز کی
بلندی کچھ اوپر چار گز ہے۔ کعبے کی چھتوں کا پرنالہ جسے میزاب رحمت کہتے ہیں شمالی دیوار
میں نصب ہے۔ یہ دیوار رکن عراقی اور رکن شامی کے بیچ میں ہے۔ اس میزاب کے نیچے حضرت
اسمٰعیل علیہ السلام مدفون ہیں۔ دیوار شرقی اور جنوبی کے ملنے سے جو ایک زاویہ کی سی
صورت پیدا ہو گئی ہے یہاں حجر اسود نصب ہے۔ حجر اسود زمین سے کچھ اوپر ڈیڑھ گز
اونچا ہے۔ اس کا عرض و طول ایک بالشت چار انگشت ہے۔ ملتزم۔ یہ ایک مقام ہے رکن یمانی
اور خانۂ کعبہ کے شرقی دروازے کے بیچ میں۔ یہاں لوگ کھڑے ہو کر دیوار کعبہ پر ہاتھ رکھ کر
دعا کرتے ہیں۔ حطیم۔ جسے حجر بھی کہتے ہیں خانۂ کعبہ کے شمالی سمت میں میزاب رحمت کے نیچے
آدھے دائرے کی صورت میں واقع ہے۔ اس کی حد رکن عراقی سے رکن شامی تک ہے۔ یہاں سنگ سفید
اور سنگ سیاہ اور سرخ و زرد اور سبز بچھا ہوا ہے۔ میزاب رحمت سے دور حطیم تک پونے گیارہ گز
کا فاصلہ ہے۔ اس میں آنے کے دو راستے ہیں۔ ایک رکن شامی کے پاس سے، دوسرا رکن عراقی
کے قریب سے۔ ان دونوں راستوں میں بیس گز کا فاصلہ ہے۔ حطیم کی اندر کی جانب کا محیط
انیس گز کا اور باہر کی جانب سے سوا انیس گز کا ہے۔ خانۂ کعبہ کی دیوار شرقی سے دروازۂ کعبہ
کے پاس ایک چھوٹا سا حوض ہے جسے معجنہ کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اسے مقام جبرئیل کہتے
تھے اور بعضوں کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ کے وقت یہیں گارا بناتے
تھے۔ اس کا طول سات بالشت سات انگشت اور عرض پانچ بالشت تین انگشت ہے۔

حدودِ مطاف:——— مطاف وہ جگہ ہے جو طواف کے لئے مقرر
ہے دائرہ کی صورت میں ہے۔ دائرہ سلطان سلیم خان ثانی نے ۹۸۴ھ میں بنوایا تھا۔ وہ نشانات ستون

کوتر شوا کر بچھوایا تھا۔ دیوارِ حطیم سے یہاں تک پچیس گز ایک بالشت دو انگشت کا فاصلہ ہے
اور غربی جانب میں غلافِ کعبہ سے لے کر چھتیس گز کا۔ جنوبی سمت میں غلاف سے یہاں تک
بیس گز آٹھ انگشت، اور کعبہ کے دروازے سے حدِ مطاف تک ترپن گز۔ اور قدیم
باب السلام تک چوالیس گز کا فاصلہ ہے۔ مطاف کا طول حدِ شمالی سے جنوب تک اٹھانوے گز
دو بالشت سات انگشت ہے، اور عرض مشرق کی جانب کعبہ کے دروازے سے مقام ابراہیم تک
چھیاسٹھ قدم، اور شمال کی طرف کنارہ مطاف سے دیوارِ حطیم تک اڑتیس قدم تیرہ انگشت
سمتِ مغرب میں کنارہ مطاف سے غلافِ کعبہ تک دو انگشت کم اکیاون قدم۔ جنوب
کی جانب مطاف کے کنارے سے غلافِ کعبہ تک جہاں حجرِ اسود قائم ہے سینتالیس قدم۔ دائرہ مطاف
کے ستون جن میں شب کو قندیلیں لٹکتی ہیں تینتیس ہیں، ان میں سے دو تو سنگِ مرمر کے ہیں جو دو لو
کونوں پر گڑے ہوئے ہیں اور اکتیس ہفت جوش یعنی سات دھاتوں کے۔ ان میں سے ہر دو
ستونوں کے بیچ میں شیشے کی سات سات قندیلیں لٹکتی رہتی ہیں جو شب کو روشن ہوتی ہیں
مطاف کے گرد کل قندیلیں دو سو چھتیس ہیں اور سارے حرم میں پوری ایک ہزار۔ مسجد الحرام
میں چار مصلے ہیں۔ ایک حنفی مصلیٰ یہ ایک عظیم الشان دو منزلہ عمارت ہے شمالی سمت میں
مطاف کے ستونوں سے باہر۔ دوسرا شافعی مصلیٰ جو چاہِ زمزم کے پاس دیوارِ کعبہ سے بیالیس گز
کے فاصلہ پر واقع ہے۔ تیسرا حنبلی مصلیٰ۔ یہ ایک مختصر سی عمارت ہے ایک دری حجرِ اسود کے
مقابل مطاف کے ستونوں سے باہر مشرقی سمت میں یہاں سے حجرِ اسود کے نیچے کی دیوار تک
سینتالیس گز کا فاصلہ ہے۔ چوتھا مالکی مصلیٰ جس پر ایک دو منزلہ مکان جانبِ غرب میں مطاف
کے ستونوں سے باہر موجود ہے یہاں سے غلافِ کعبہ تک پینسٹھ گز کا فاصلہ ہے۔

مقام ابراہیم: ——— یہ ایک بڑا پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے
خانۂ کعبہ بنایا تھا۔ یہ زمین سے گز کی ایک تہائی اور آٹھواں حصہ اونچا ہے۔ اس کے اوپر کی سطح

مربع ہے یعنی چاروں طرف سے پاؤ گز۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ کے دونوں قدموں کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔ قدموں کی جگہ کے اردگرد چاندی کے پترے لگے ہوئے ہیں۔ یہاں طواف کا دوگانہ پڑھا جاتا ہے۔ مقام ابراہیم سے غلافِ کعبہ تک دو گز کم اکیس گز کا فاصلہ ہے۔ رکن عراقی کے مقابل سفید سنگ مرمر کا ایک عظیم الشان منبر ہے جس پر کھڑے ہو کر امام خطبۂ جمعہ پڑھتا ہے۔ اس کے تیرہ زینے ہیں اس کے اوپر مخروطی شکل کا ایک خوبصورت گنبد بنا ہوا ہے۔ جس پر سونے کا ملمع ہے۔

چاہِ زمزم: —— دیوارِ کعبہ سے تینتیس ۳۳ گز کے فاصلے پر ہے۔ اور مقام ابراہیم اور چاہِ زمزم کے بیچ میں اکیس ۲۱ گز کی مسافت ہے۔ اس کنویں کی گہرائی [illegible] گز ہے اور منہ کی چوڑائی چار گز۔ اس کے عقب میں ایک گنبد ہے جسے قبۃ الشمعین کہتے ہیں اور اس لئے کہ واش لوگ یہاں شمعدان اور بتیاں، جھوٹے جانمازیں غرض کہ مسجد کی آرائش و زینت کی تمام چیزیں حفاظت سے رکھتے ہیں۔

یہاں تک حقوق اللہ پورے ہو گئے۔ ہم نے ذیل کے چند عنوان بطور ضمیمہ درج کئے ہیں۔ اگرچہ یہ عنوانات حقوق اللہ میں داخل نہیں ہیں تاہم ان سے تعلق رکھتے ہیں۔ حقوق قرآن خدا کی قدرت کی نشانیوں میں غور کرنا۔ نیز حقوق خانۂ کعبہ وغیرہ۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(یونس ع ۴ پارہ ۱۱)

جن کو جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں تو اے پیغمبر دیکھو ان ظالموں کا کیسا انجام ہوا

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(حم السجدہ ع ۴ پارہ ۲۴)

اور جو لوگ منکر ہیں وہ ایک دوسرے سے کہا کرتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت۔ اور سنتے نہیں تو اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو شاید (اس تدبیر سے) تم اسلام پر بازی لے جاؤ۔ تو جو لوگ دین اسلام سے منکر ہیں ہم ان کو ضرور عذاب سخت کا مزہ چکھا کر رہیں گے اور ضرور اُن کے اعمال کا بدترین اعمال کا بدلہ دیں گے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۚ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

(احقاف ع ۴ پارہ ۲۶)

اور اے پیغمبر ان لوگوں سے اُس وقت کا بھی ذکر کرو) جب ہم چند جنوں کو گھیر کر تمہاری طرف لے آئے کہ وہ قرآن سنیں پھر جب وہ اس موقع پر آموجود ہوئے تو ایک دوسرے سے بولے کہ چپ رہو بیٹھے سنتے رہو پھر جب قرآن کا پڑھنا تمام ہوا تو وہ اپنے لوگوں کی طرف لوٹ گئے کہ اُن کو عذاب خدا سے ڈرائیں وہاں سے جا کر لگے کہنے کہ بھائیو ہم ایک کتاب سن آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی تھی اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے دین حق بتاتی اور سیدھا رستہ دکھاتی ہے۔ بھائیو! یہ پیغمبر جو خدا کی طرف سے منادی کرتے ہیں۔ ان کی بات مانو اور خدا پر ایمان لاؤ تاکہ خدا تمہارے گناہ معاف کرے اور آخرت کے عذاب دردناک سے تم کو اپنی پناہ میں رکھے۔ اور یہ پیغمبر جو خدا کی طرف سے منادی کرتے ہیں جو کوئی ان کی بات نہ مانے گا وہ بھی زمین پر کہیں بھاگ کر خدا کو تو ہرا نہیں سکتا نہیں اور نہ خدا کے سوا کوئی اُس کے حمایتی ہیں یہ لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہیں

ف مولوی شاہ عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت نکلے تھے طائف کو وقت شہر مکہ سے باہر نماز صبح کی پڑھنے لگے۔ جن یادان کے سے گذرتے تھے کچھ سن کر مسلمان ہوئے۔ پھر اپنی قوم کو جا کر سمجھایا اس بار حضرت سے نہیں ملے۔ ایضاً صفحہ ۲۹۴

وہ روزمرہ کی زبان نہیں ہے اور مردہ السنہ ہونے کی وجہ سے اس کی زبان تو کچھ تو مشکل ہے، اور کچھ لوگوں نے مشکل بنا رکھی ہے۔ اور سب سے زیادہ تر مشکل یہ ہے کہ رات دن کی گفت و شنود سے بالکل دور ہونے کی وجہ سے اس کا سیکھنا نہیں ہے۔ یہ سب شکایات ایک طرف اور ان کا معاوضہ فلاح دنیا اور آخرت ایک طرف۔ مگر یہاں لوگ کون ہیں؟ دنیا اور آخرت کی حق قدر ہو قدر ہی کون کرتا ہے۔ ورنہ انگریزی جو کہ نہایت سخت اور کرخت زبان ہے، اور اس کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت نہیں۔ اس کو زیادہ تر دنیاوی اور چند روزہ و موہوم فائدوں کے طمع سے پڑھتے اور ایسا پڑھنا پڑھتے ہیں کہ اس پر فضیلت کی ڈگریاں بی اے اور ایم اے حاصل کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے اکثر مقدور محنت کرنی پڑتی ہے کہ لوگ سارا زور لگانے کے لئے روگی، مضمحل اور ضعیف القویٰ ہو جاتے ہیں۔ اگر اس کا عشر عشیر بھی عربی کے لئے کریں تو حق بجانب ہے۔ اور یوں مدت لمبے چوڑے منہ کے دعوے کرنا اور شمائل ان کا ثبوت دینا، ہم تو ان نخوتوں جنوں کے سمجھنے کے قابل ہی نہیں۔

تدبّر و تفکّر

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ○ (نساء ع ۱۱ پارہ ۵)

کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) میں غور نہیں کرتے (کہ کہیں یہ) ... اور اگر یہ قرآن خدا کے سوا کسی اور کے پاس سے آیا ہوتا تو ضرور اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد ع ۳ پارہ ۲۶)

کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) کو نہیں سوچتے یا دلوں پر تالے لگے ہیں؟

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ○ (ص ع ۳ پارہ ۲۳)

اے پیغمبر! یہ قرآن بڑی برکت کی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ جو لوگ عقل رکھتے ہیں (اس کے) مطالب سے نصیحت پکڑیں۔

اس عنوان کے متعلق قرآن مجید میں بہت سی آیتیں آئی ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا
ہے کہ مقصود تلاوتِ قرآن کے ساتھ اسکے مطالب و مضامین میں غور و فکر کرنا ہے۔ قرآن مجید
خدا کا ایک فرمان ہے بندوں کی طرف جس میں اس نے اپنی رضامندی اور نارضامندی کے
موجبات سے لوگوں کو اطلاع دی ہے۔ اور خدا کی رضامندی و نارضامندی کے موجبات پر
آدمی کو اسی وقت اطلاع ہو سکتی ہے کہ اس فرمان کے مضمون کو غور سے پڑھے اور لفظوں سے
معنے سمجھے۔ اگر دنیا کا کوئی حاکم اپنے محکوم کو پروانہ لکھے، اور محکوم بجز الفاظ کے رٹنے اور پڑھ
لینے کے اسکے اصلی منشاء و حکم کو نہ سمجھے، اور اس پر عمل درآمد نہ کرے تو اس سے کم فہم اور
نادان کون ہوگا، کیا عجب نہیں کہ حکم عدولی کے جرم میں مواخذہ کرے۔ قرآن مجید کے الفاظ کو طوطے کی
طرح سے پڑھنا اور مطالب و احکام میں غور نہ کرنا بعینہ ایسا ہے کہ کسی غلام کے پاس اسکے آقا کا
خط آیا، اس میں لکھا تھا کہ تو فلاں فلاں کام کیجیو اور فلاں فلاں سے باز رہیو۔ غلام بجائے اسکے کہ
آقا کے احکام کی تعمیل میں سرگرمی دکھاتا، خط کو نہایت خوش آوازی سے پڑھنے اور حرفوں کو انکے
مخارج سے نکالنے بیٹھ گیا۔ اور ان احکام کو جو اس میں لکھے ہیں نہ تو سمجھا ہی، نہ عمل میں لایا۔
ایسا غلام بے شک سزا اور عقوبت اور مستحقِ عذاب ہوگا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے
کہ اگلے لوگ قرآن شریف کو جانتے تھے کہ یہ کلام خدا ہے اور خدا کے پاس سے آیا ہے۔ وہ
شب کو اس میں غور و فکر کرتے اور دن کو اسکے حکموں پر عمل درآمد کرتے تھے۔ اب لوگوں کا یہ حال
ہے کہ اس کا درس دیتے اور حروف کے مخارج اور زیر و زبر کو درست کرتے ہیں۔ اور اسکے
سمجھنے اور عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں۔

الغرض قرآن مجید کے نزول سے اصلی مقصود صرف لفظوں کا پڑھنا نہیں، بلکہ اسکو سمجھنا
اور عمل کرنا ہے۔ پڑھنا تو یاد رکھنے کے لئے ہے، اور یاد کرنا عمل کرنے کے واسطے۔ جو لوگ صرف
الفاظ کو یاد رکھنے اور پڑھنے پر بس کرتے اور مطالب میں غور و فکر نہیں کرتے، ایسے ہی لوگوں کی

نسبت مولانائے رُوم نے فرمایا ہے ؎

من زِ قرآں مغز را برداشتم ○ اُستخواں پیشِ سگاں انداختم

آدابِ تلاوت

قرآن کا حق ہے کہ تلاوت کے وقت چند باتوں کی رعایت کی جائے۔

ایک یہ کہ تعظیم سے پڑھے۔ اور تعظیم سے پڑھنے کے یہ معنے ہیں کہ پہلے وضو کرے پھر قبلہ رُخ بیٹھے اور نہایت عجز و انکسار کے ساتھ مصروفِ تلاوت ہو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا قول ہے کہ جو شخص نماز میں کھڑے ہو کر قرآن پڑھتا ہے اُسے ہر حرف پر سو سو نیکیاں ملتی ہیں۔ اور بیٹھ کر نماز میں پڑھتا ہے تو ہر ایک حرف پر پچاس نیکیوں کا ثواب پاتا ہے۔ اور نماز سے خارج باوضو تلاوت کرتا ہے تو ایک ایک حرف کے عوض پچیس پچیس نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ بے وضو پڑھتا ہے تو دس دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

دُوسرے یہ کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور مطالب میں خوب غور و تامل کرتا جائے جلد ختم کرنے کا فکر نہ کرے توراتؑ میں آتا ہے کہ خداوند فرماتا ہے "اے بندے، تجھے شرم نہیں آتی کہ جب تیرے کسی دوست کا خط رستے میں پہنچتا ہے تو تو ٹھیر جاتا اور رستے سے الگ ہو کر پڑھنے بیٹھتا۔ اور حرف بحرف نہایت غور و فکر کے ساتھ پڑھتا ہے۔ یہ کتاب توراۃ میرا ایک فرمان ہے۔ جو میں نے تجھے لکھ کر بھیجا کہ اس میں تامل کر اور غور و تامل کر اور اس کے قوانین کا پابند ہو۔ مگر تو اس سے انکار کرتا اور اس پر عمل کرنے سے جی چراتا۔ اور پڑھتا بھی ہے تو غور و تامل نہیں کرتا۔" اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کسی کو قرآن مجید جلدی جلدی پڑھتے دیکھا تو فرمایا "یہ شخص نہ قرآن پڑھتا ہے نہ خاموش ہے" حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اگر میں سورہ زلزال اور قارعہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھوں اور ان کے مطلب

ؔ یہ حدیث احیاء العلوم سے نقل کی ہے۔

میں غور و تامل سے کام لوں، تو سورۂ بقرہ اور آلِ عمران کے جلدی پڑھنے سے مجھے بہت زیادہ پسند
ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ جو لوگ رات یا دن بھر میں ایک قرآن ختم کر لیتے ہیں وہ قرآن کا کچھ بھی حق ادا نہیں کرتے۔
بلکہ قرآن کی بے حرمتی کا الزام اپنے اوپر لیتے ہیں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی
تین دن سے کم میں قرآن ختم کرتا ہے وہ فہم قرآن سے بے نصیب ہے۔

تیسرے یہ کہ قرآن پڑھتے وقت روئے۔ کیونکہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
قرآن پڑھتے وقت روؤ اور خود بخود رونا نہ آئے تو تکلف کر کے روؤ۔ یہ بھی فرمایا کہ قرآن رنج کے واسطے
اترا ہے۔ جب اس کی تلاوت میں مصروف ہو تو اپنے تئیں غمگین بناؤ۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو شخص
قرآن کے احکام اور اس کے وعدہ وعید میں غور و تامل کرے گا اور اپنی کوتاہی اور مسکنت اور بے حقیقی
اور کوتاہی پر نظر رکھے گا وہ خواہ مخواہ غمگین ہوگا بشرطیکہ اس پر غفلت غالب نہ ہو۔

چوتھے یہ کہ ہر آیت کا حق ادا کرے۔ اور ہر آیت کے حق ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آیۂ وعید
پر پہنچے تو خدا سے پناہ مانگے۔ آیۂ رحمت پر گزرے تو طالب رحمت ہو۔ تنزیہ کی آیت پڑھے تو
خدا کی تسبیح و تقدیس کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ تلاوتِ قرآن کے وقت آیۂ عذاب
پر پہنچتے تو خدا سے پناہ مانگتے۔ رحمت کی آیت پڑھتے تو طالب رحمت ہوتے۔ تنزیہ کی آیت پر
پہنچ کر تسبیح کرتے۔ اور قرآن شریف شروع کرتے وقت أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
پڑھتے اور تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد فرماتے اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي بِالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ وَاجْعَلْهُ لِي إِمَامًا
وَنُورًا وَهُدًى وَرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِي مِنْهُ مَا نَسِيتُ وَعَلِّمْنِي مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِي
تِلَاوَتَهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِي حُجَّةً يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ۔ قاری جب سجدے
کی آیت پر پہنچے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جائے۔ طہارت اور استقبال قبلہ کے بارے میں جو

[illegible] قرآن کے ذریعے سے مجھ پر رحم کر [illegible]
[illegible] جو کچھ بھول گیا ہوں وہ مجھے یاد دلا دے۔ اور جو میں نہیں جانتا مجھے سکھا۔ اور اس کی تلاوت
[illegible] نصیب کر [illegible] دونوں جہان [illegible] اسے میرے لیے حجت کر۔

بہت الحان کرنا جیسے قوالوں اور گویوں کی عادت ہے، مکروہ ہے۔ یہ تلاوت کے آداب ظاہر تھے
اب آداب باطن، وہ بھی چھ ہیں۔

اوّل یہ کہ کلام کی عظمت ذہن نشین کرے اور اسے خدا کا کلام یقین کرے۔

دوسرے یہ کہ قرآن شروع کرنے سے پہلے حق تعالیٰ کی عظمت دل میں حاضر ہو، اور سمجھے کہ کس کا کلام
پڑھتا ہے۔ کلام کی اور جس کا وہ ہے اس کی عظمت، اور کلام کی حقیقت وہی دل پاتے ہیں جو اخلاقِ رذیلہ
کی زندگی سے پاک اور تعظیم و توقیر کے نور سے منور و آراستہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ
کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ جب مصحف کھولتے تو اُن پر غشی طاری ہو جاتی اور فرماتے کہ ھُوَ کَلَامُ رَبِّی۔
کوئی شخص قرآن کی عظمت نہیں جان سکتا تاوقتیکہ خدا تعالیٰ کی عظمت معلوم نہ کرلے، اور خدا تعالیٰ
کی عظمت جب ہی دل میں ہوتی ہے کہ آدمی اس کے صفات و افعال میں ہمیشہ غور و فکر کرتا رہے۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ تلاوت کرتے وقت دل حاضر رہے، غافل نہ ہو، وساوسِ نفس اُسے
ادھر سے اُدھر نہ لیے پھریں، اور جو کچھ غفلت کی حالت میں پڑھا اُسے نہ پڑھنے کے برابر سمجھے،
کیونکہ قرآن مجید مثل میں ایسا ہے جیسا کوئی تماشا گاہ ہے جس میں بہت سے عجائبات اور حکمتیں
موجود ہیں۔ جس نے ان میں تامل و غور نہ کیا اس کی مثال بعینہٖ اس شخص کی سی ہے جو سیر کے لئے
باغ میں تو پہنچ گیا اس کے عجائبات و غرائب سے غافل رہ کر چلا آیا۔ ایسے شخص کو اہل الرائے
نہ دل والے بے وقوف بتائیں گے۔ تو جس نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور اس کے معنی نہ سمجھے اُسے بڑا
کم نصیب اور محروم الخیر سمجھنا چاہئے۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ الفاظ کے معنی کا خیال رکھے تاکہ مضامین قرآن اچھی طرح سمجھ میں آجائیں
اگر ایک دفعہ کے پڑھنے سے نہ سمجھے تو دوسری اور تیسری دفعہ پڑھے، اور کسی مضمون سے
لذت حاصل ہو تو اُسے مکرر سہ کرر پڑھے۔ حضرت ابوذرؓ نے روایت کیا کہ جناب
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب نماز میں ایک آیت کو بار بار پڑھتے تھے۔

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[1] ۔ حضرت سعید بن جبیر نے آیت وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ[2] میں ساری رات بسر کردی۔ جو شخص ایک آیت پڑھے اور اس کی اگلی آیت کے معنی میں غور کرے، اس نے پہلی آیت کا کچھ حق ادا نہیں کیا۔ حضرت عامر بن عبداللہ ہمیشہ وسواس کی شکایت کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو دنیاوی وسوسے ستاتے ہیں؟ جواب دیا کہ اگر میرے سینے میں زہر کی بجھی ہوئی چھریاں رہیں تو نماز میں دنیوی خیالات لانے سے مجھے بہت آسان ہے۔ مجھے اکثر یہ خیال رہا کرتا ہے کہ قیامت کے روز خدا کے آگے کیونکر کھڑا ہوں گا۔ اور کس طرح وہاں سے لوٹوں گا۔ دیکھو بزرگان دین اس طرح کے خیالات کو بھی وسوسہ جانتے تھے۔ پس آدمی کو مناسب ہے کہ جو آیت نماز میں پڑھے اسکے معنی اور مطلب کے سوا اور کچھ خیال نہ کرے۔ جب اور بات کا خیال آیا گو وہ بات دینی ہی کیوں نہ ہو تو بھی وسواس ہے۔ آدمی کو حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے کہ ہر آیت میں اسی کے معنی کی صورت ذہن نشین رکھے اور دوسرے خیال کو پاس نہ آنے دے۔ مثلاً خدا کی صفات کی آیتیں پڑھے تو صفات اسرار صفات میں غور و تامل کرے۔ اور سمجھے کہ عزیز اور قدوس اور جبار اور حکیم کے کیا معنی ہیں۔ افعال کی آیتیں پڑھے جیسے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ[3] تو عجائبات خلق سے خالق کی عظمت سمجھے اور اسکے کمال علم و قدرت میں تدبر کرے۔ اگر مبدء انسانی کے متعلق کوئی آیت پڑھے مثلاً اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ[4]۔ تو نطفے کے عجائبات کا تصور کرے کہ ایک طرح کے پانی کے ایک قطرے سے کیسی کیسی مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ گوشت۔ پوست۔ ہڈی۔ رگ۔ پٹھے۔ سر۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھ۔ ناک۔ کان۔ زبان وغیرہ۔

---

[1] اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کرے تو [illegible]
[illegible]
[3] اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ [4] ہم نے آدمی کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا
[illegible]

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْ
عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ
فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ○

(الاعراف ع ۲۳ - پارہ ۹)

کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظام اور
خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز میں نظر نہیں کی اور نہ
اس بات پر کہ عجب نہیں ان کی اجل قریب آ گئی ہو۔
اب اس کے پیچھے اور کونسی بات ہے جسکو
سُن کر ایمان لے آئینگے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○

(سورۂ یوسف ع ۱۲ - پارہ ۱۳)

اور آسمانوں اور زمین میں خدا کی قدرت کی کیسی
کتنی نشانیاں ہیں جن پر سے لوگ ہو کر گزرتے
ہیں اور وہ ان کی کچھ پروا نہیں کرتے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَا
خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَاِنَّ كَثِيْرًا
مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ○

(الروم ع ۱ - پارہ ۲۱)

کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے
آسمانوں اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان دونوں
کے درمیان ہیں کسی مصلحت ہی سے اور ایک وقت
مقرر کے لئے پیدا کیا ہے اور بہتیرے آدمی تو قیامت
کے دن اپنے پروردگار کے سامنے جانے کے قائل
ہی نہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ
ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ○ وَمِنْ
اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا
لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ
رَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ

اور اسی خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ
بھی ہے کہ اس نے تم لوگوں کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم
انسان ہو کر روئے زمین پر ہر طرف پھیلے ہوئے ہو اور
اسی کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس
نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں تا
تم کو ان کی طرف رغبت کرنے سے راحت ملے اور تم
میاں بیبی میں پیار اور رحم پیدا کیا۔ جو لوگ سوچ سمجھ
رکھتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں قدرت خدا
کی بہتیری نشانیاں ہیں اور آسمانوں اور زمین کا پیدا

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَن تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ۚ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنتُمْ تَخْرُجُونَ ۝ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(الروم ع ۲ - پارہ ۲۱)

کرنا اور تمہاری بولیوں اور تمہاری رنگتوں کا مختلف ہونا بھی اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ کچھ شک نہیں کہ سمجھنے والوں کے لئے ان باتوں میں خدا کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور تمہارا رات کا سونا اور دن کا سونا، اسکے فضل یعنی روزی کی تلاش کے لئے تمہارا بھاگ دوڑ کرنا، یہ بھی اُسکی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ جو لوگ توجہ دل سے سنتے ہیں اُن کیلئے ان باتوں میں قدرت خدا کی بہت سی نشانیاں ہیں

اور اُسی کی قدرت کی نشانیوں میں سے (ایک یہ بھی) ہے کہ وہ تم کو ڈرانے اور اُمید دلانے کے لئے بجلیاں دکھاتا اور آسمان سے پانی برساتا اور اُس پانی کے ذریعہ سے زمین کو اُسکے مرے (یعنی پڑتی پڑنے) پیچھے جلا اٹھاتا ہے۔ جو لوگ عقل رکھتے ہیں اُن کے لئے ان باتوں میں قدرت خدا کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور اُسی کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اُسکے حکم سے قائم ہیں۔ اور تم ایک وقت تک زندگی کرکے زمین میں گڑے جاتے ہو پھر قیامت کے دن جب تم کو ایک آواز دیکر زمین میں سے بلائیگا تو بس آواز کے سنتے ہی تم سب کے سب نکل پڑوگے۔ اور جو فرشتے آسمانوں میں ہیں اور جو لوگ زمین میں ہیں، سب اُسی کے ہیں اور سب اُسی کے حکم کے تابع ہیں اور وہی تو ہے جو خلق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی قیامت کے دن اُنکو دوبارہ پیدا کریگا اور یہ اُسکے لئے بہت ہی آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اُسی کی شان سب سے بڑی ہے اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ ۝ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا

کیا ان منکرین حشر نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھا کہ ہم نے اُس کو کیسا بنایا۔ اور ستاروں سے اُس کو سجایا۔ اور اُس میں کہیں درز کا نام نہیں۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا۔ اور ہم نے اُسکے اندر بھاری بوجھل

گفتگو میں تاکید اور توثیق کا بڑا ذریعہ قسم ہے۔ واقعۂ گزشتہ یا حال پر قسم کھائی جاتی ہے، تو قسم کا مقصد مخاطب کو یقین دلانا ہوتا ہے، کہ واقعہ جس کی قسم کھانے والا حکایت کر رہا ہے فی الحقیقۃ زمانۂ ماضی میں واقع ہوا ہے یا زمانۂ حال میں ہو رہا ہے۔ یوں تو قسم واقعۂ گزشتہ یا حال پر بھی کھائی جاتی ہے، مگر زیادہ تر قسم کا استعمال آیندہ کی نسبت ہوتا ہے، تو اس صورت میں قسم کھانے والا قسم کے ذریعہ سے مخاطب کو ایفاءِ وعدہ یا ایفائے عہد کا اطمینان دلاتا ہے۔ پھر قسم یا تو کسی عزیز چیز کی کھائی جاتی ہے، یا کسی واجب التعظیم معتقد کی۔ قسم میں ہمیشہ بددعا کے معنی مضمر ہوتے ہیں کہ قسم جھوٹ ہو تو قسم کھانے والا اس عزیز چیز سے جس کی قسم کھائی ہے محروم ہو جائے، یا وہ واجب التعظیم معتقد جس کی قسم کھائی ہے قسم کھانے والے کو خلفِ وعدہ یا نقضِ عہد کی سزا دے۔ ماضی اور حال کی جھوٹی قسم کھائے تو وہ جھوٹا ہے۔ قسم کھانے والا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ کی رو سے لعنت کا مستوجب۔
آیندہ کے لئے قسم کھانے والا جھوٹا ثابت ہو تو وہ مخالف الوعد یا ناقض العہد۔

قسم کے متعلق سب سے پہلے دو باتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ مسلمان خدا کے سوا کسی اور کی قسم نہ کھائے کہ ایسی قسم موہمِ شرک ہے۔ دوسرے کثرتِ حلف کی عادت نہ کرے، کہ اس سے قسم کی عظمت کی ہیبت ذہن سے اُٹھ جانے کا احتمال قوی ہے۔ قرآن میں جو حق تعالیٰ نے قرآن کی قسم کھائی ہے [1] قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ۔ آنحضرتؐ کی زندگی کی [2] لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ آسمان اور زمین کی [3] وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا۔ سورج اور اس کی دھوپ کی، چاند اور اس کی روشنی کی [4] وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا، دن اور اس کے اجالے کی، رات اور اس کی تاریکی کی [5] وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا صبح کی اور دس راتوں کی [6] وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ جفت اور طاق کی

---

۱ قسم ہے پیغمبر قرآن مجید کی قسم کہ تم جانے بھیجے ہوئے پیغمبر ہو ۲ اے پیغمبر تمہاری جان کی قسم کہ یہ لوط کی قوم کے لوگ بڑی بد مستی میں بھٹک بھٹک رہے تھے ۳ اور آسمان کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو بنایا ہے۔ اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو بچھایا ہے ۴ آفتاب اور اس کی دھوپ کی قسم، اور آفتاب کے غروب ہونے کے پیچھے جب چاند نکلتا ہے اس کی قسم ۵ اور دن کی قسم جب وہ آفتاب کو نمایاں کرے قدرت کی، اور رات کی قسم جب وہ آفتاب کو چھپالے ۶ صبح کی قسم اور دس راتوں کی قسم ف

ف دس راتوں سے عشرۂ ذی الحجہ کی راتیں مراد ہیں یا محرم کی، یا عشرۂ اخیر رمضان کی جس میں شب قدر ہوتی ہے۔

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (نور ع ۵)

جن کی نسبت خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کی عظمت کی جائے اور ان میں خدا کا نام لیا جائے ان عبادت خانوں میں صبح و شام ایسے لوگ خدا کی تسبیح کرتے ہیں جن کو سوداگری اور خرید و فروخت خدا کے ذکر اور نماز کے پڑھنے اور زکوٰۃ کے دینے سے غافل نہیں کرنے پاتی کیونکہ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جب مارے خوف کے دل الٹ جائیں گے اور آنکھیں پتھرا کی پتھری رہ جائیں گی۔ اور یہ خیال سے یہ لوگ عبادت میں لگے رہتے ہیں کہ اللہ ان کو ان کے عملوں کا بہتر بدلہ دے۔ اور ان کو اپنے فضل سے کچھ اور بھی دے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

مسجدوں کا بنانا مسلمانوں کی مذہبی ضرورت کا بہم پہنچانا ہے۔ اور اسی لئے کارِ ثواب ہے۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا۔ یعنی ہمارے لئے تمام روئے زمین مسجد ہے۔ جہاں چاہیں پاک جگہ نماز پڑھ لیں۔ اور آدمی اکیلا گھر میں بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔ مگر نماز جماعت سے اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ اور اسکے لئے عبادت گاہ خاص کا ہونا ضرور ہے۔ اس رُو سے مسجدوں کا بنانا مسلمانوں کی مذہبی ضرورت کا بہم پہنچانا ہوا۔ مسلمانوں نے اپنی حکمرانی اور خوشحالی کے وقتوں میں جا بجا اس کثرت سے مسجدیں بنوا ڈالیں کہ اب شاذ و نادر کہیں مسجد کے بنوانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ؎

کریماں را بدست اندر درم نیست ○ خداوندانِ نعمت را کرم نیست

جن کو مقدور ہے وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ان کو پرانی مسجدوں کی مرمت تک کی توفیق نہیں۔ ضرورت

ف دنیا کو نور اللہ کے نور کو [illegible] سمجھانے کے لئے دنیا کا کوئی نور لینا ہوگا۔ جس زیتون کے درخت [illegible] تشبیہ دی [illegible] [illegible] منتشر نہ ہو۔ پھر صرف چراغ نہیں بلکہ شیشے کی قندیل [illegible] شیشہ بھی [illegible]۔ اور تیل جو اس چراغ میں [illegible] زیتون [illegible] دنیا کے تمام تیلوں سے [illegible] روشنی صاف ہوتی ہے۔ [illegible] درخت بڑا مبارک درخت ہے کہ لوگوں کے [illegible] سے [illegible] بھی [illegible] کے [illegible] ہر وقت سایہ میں [illegible] درخت کا تیل [illegible] نہیں ہے۔ [illegible] خدا کی عبادت میں مصروف ہیں۔ تو [illegible] کا چراغ تو کبھی [illegible] نورِ خدا سے نور کی مشابہت ہو سکتی ہے۔

آپڑتی ہے تو چندہ کرنا پڑتا ہے۔ کتنی مسجدیں ہیں کہ خالی پڑی بھائیں بھائیں کر رہی ہیں۔ کون دے
اذان تک تو امامت کا کیا مذکور ہے۔ جھاڑو اور پانی اور روشنی تک کا بندوبست نہیں۔ دری اور بوریے تو پھٹ
چکے ہیں، بانیوں کی بیٹ کا فرش ہے۔ اوّل تو مسلمانوں میں نمازی ہی کتنے رہ گئے ہیں اور جو ہیں وہ
اپنی مسجدوں میں جانے سے مانع تنہا کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ غرض کہ تعمیر مساجد کی طرف نظر کو
تو بندہ درا مجھو جتنا کچھ جاری ہے مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے اسکو بھی صرف خیر نہیں سمجھنا چاہئے
اوّل تو گداگری پیشہ لوگوں نے تعمیر مسجد کو بھی کمائی کا ذریعہ قرار دے رکھا ہے۔ تعمیر مسجد کے نام سے
لوگوں کو ٹھگتے پھرتے ہیں۔ دوسری بڑی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی یہی ایک تعمیر مساجد کی ضرورت تو نہیں
اس سے کہیں بڑھ کر ضرورت اس کی ہے کہ سرکاری خدمت حکومت۔ تجارت۔ زراعت صنعت
حرفت کہ یہی معاش کے ذریعے ہیں جس پہلو سے دیکھئے مسلمان اقوام معاصر کے مقابلے میں کم اور گھٹتے
گھٹتے افلاس اور ذلیل و خوار ہوتے چلے جاتے ہیں اور دین و دنیا دونوں کو کھو بیٹھے۔ اگر یہ کہا جائے
کہ ایک سلطنت کے نکل جانے سے ساری خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں تو ہم ہندوؤں کی مثال دے کر
پوچھیں گے کہ اگر خوشحالی لازمۂ سلطنت ہے تو ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ خستہ حال
ہونا چاہئے، حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے اور مشاہدہ اِس کا شاہد۔ پس مسلمانوں کے تنزل کا اصلی اور
حقیقی اور واقعی سبب اگر ہے تو یہ ہے کہ انہوں نے زمانے کا ساتھ دینے سے پہلو تہی کیا۔ "زمانہ
با تو نسازد تو با زمانہ بساز" کی نصیحت پر کاربند نہ ہوئے۔ ہم میں سے جو صاحب الرائے اور
مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اِس بات پر اجماع کر چکے ہیں اور حدیث لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ
کی رو سے ان کا اجماع حق ہے کہ اگرچہ بہت وقت ضائع ہو چکا ہے اور حریف میدانِ ترقی
میں بہت آگے نکل گئے ہیں تاہم اگر اب بھی مسلمان احمقانہ ضد اور بے جا تعصب کو چھوڑ کر وہی
ہنر سیکھیں جس کی وجہ سے یورپ معراجِ کمال ترقی پر پہنچا ہے۔ تو گو اہلِ یورپ کی ہمسری نہ کر سکیں
مگر بہت کچھ سنبھل سکتے ہیں۔ پوچھو کہ وہ ہنر کیا ہے؟ وہ ہنر وہی ہنر ہے جس کی تعلیم سرکاری مدارس

ہیں دی جاتی ہے اور جس سے مسلمان ابھی تک نفور ہیں۔ علاج حکمی ہے مگر ترتیب اثر ذرا دیر طلب
پس مدرسوں میں اشاعت تعلیم جدید کی تمام مصارف پر مقدم ہے اور اخراجات عمارت
مساجد پر بھی اور ہم اسکی سند حدیث سے دیتے ہیں کہ جناب رسالتمآب کی زندگی میں خود مسجد نبوی کا یہ
حال تھا کہ کھجور کے تنوں کے ستون بنا کر پتوں سے پاٹ رکھی تھی۔ پانی برستا تو اندر تمام کیچڑ ہو جاتی
بے شک خلفائے عباسیہ کے عہد کی سی دولت کا اُس وقت پاسنگ بھی نہ تھا مگر آخر جہاد ہوتے
تھے ہزارہا مسلمان مدینے میں آ بسے تھے۔ اُنکی ہر طرح خبر لی جاتی تھی۔ ایک مسجد بنانا ایسا کونسا بڑا کام تھا
مگر نہیں، جناب رسول خدا نے دوسری وقتی ضرورتوں کو مقدم سمجھا اور مسجد کو ویسا ہی پڑا رہنے دیا۔
کیا رسول اللہ کا طرز عمل ہم کو نہیں سکھاتا کہ ہم بھی وقتی ضرورتوں کو مقدم سمجھیں؟ تعمیر مسجد کے جھگڑے
اب بھی کبھی کبھی پیش آجاتے ہیں۔ ایک جھگڑا جناب رسالت مآب کے عہد میں بھی پیش آیا تھا۔ اور اس کا
قصہ مولوی شاہ عبدالقادر صاحب کی زبان سے اس طرح پر ہے "حضرت مکے سے ہجرت کر آئے تو مدینے
سے باہر اترے۔ ایک محلہ تھا بنی عمرو بن عوف کا۔ بعد چند روز کے شہر میں جا رہے اور مسجد نبوی بنائی
کی۔ اس محلے میں جہاں نماز پڑھتے تھے، وہاں کے لوگوں نے مسجد بنا لی اور جماعت قائم رہی جو
مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت اکثر ہفتے کے روز وہاں جاتے اور نماز پڑھتے۔ اس محلے میں بعضے
منافقوں نے چاہا کہ اور مسجد بنا دیں پہلوں کی ضد پر اور اپنی جماعت جدا ٹھہرا دیں۔ وہ ایک راہب
ابو عامر کہ اسلام کی ضد سے نکل گیا تھا اُسکو نفاق سے بلا کر وہاں رکھیں اور امام کریں۔ آنحضرت
سے چاہا کہ اول بار آپ وہاں نماز پڑھیں تو ہم جماعت قائم کریں۔ آنحضرت کو اُن کی دغا معلوم نہ تھی
وعدہ کیا کہ جنگ تبوک سے پھر آئیں گے تو اول وہاں نماز پڑھ کر شہر میں داخل ہوں گے۔ حق تعالیٰ
نے پیغمبر کو خبردار کر دیا اور مسجد قبا کے لوگوں کی تعریف کی۔ کوئی خبردار رہے کہ ظاہر بعض کام عبادت ہے،
اور نیت اس میں فساد ہے اُس کا یہ حال ہے"

اس کے قریب قریب ایک حکایت مولوی شاہ مخلص صاحب کی سنی گئی ہے کہ ہندوؤں کے

اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ باہر نکلیں تو کہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ[۱] - مسجد کے اندر داخل ہو کر سب سے اوّل دو رکعت نفل پڑھیں اگر باوضو ہوں۔ ورنہ وضو کر کے - اور اسی کو تَحِیَّۃُ الْمَسْجِد کہتے ہیں جس کا گھر بار نہ ہو اُسے مسجد میں سونا جائز ہے، ورنہ نہیں۔ مسجد میں قبلے کی طرف تھوکنا منع اور سخت گناہ کی بات ہے۔ اور اگر کوئی بغیر تھوکے نہ رہ سکے، تو بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوک لے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ کپڑے پر تھوک کر مل ڈالے - اگر مسجد کا فرش پختہ ہو تو مطلق نہ تھوکے - کچّا اور خام ہو تو تھوک لے اور اُس کا کفارہ یہ ہے کہ کھرچ ڈالے اوپر سے مٹی ڈال دے۔ سب سے بُرا کام مسجد میں تھوکنا اور پھر اُسے دفن نہ کرنا ہے۔ اہلِ محلّہ اپنے محلّے ہی کی مسجد میں نماز پڑھیں - محلّے کی مسجد میں ایک وقت کی نماز پچیس[۲۵] نمازوں کے برابر ہے - مسجد میں بیٹھ کر دُنیاوی باتیں نہ کریں بلکہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہیں - جو شخص مسجد میں، سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ کہتا ہے وہ بہشتی باغات کا میوہ کھاتا ہے۔ جو شخص گھر سے وضو کر کے مسجد میں جاتا ہے، حج اور احرام کا ثواب پاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد میں چراغ جلانے والے، جھاڑو بہارُو دینے والے، بدھنے بوریئے کا انتظام رکھنے والے قیامت کے روز بڑے بڑے درجے پائینگے۔ کچّا لہسن یا پیاز کھا کر مسجد میں جانا منع ہے۔ مسجد میں خلافِ شرع اشعار پڑھنے درست نہیں۔ گم ہوئی چیز مسجد میں ڈھونڈھنی گناہ ہے - اور اگر کوئی ایسا کرے تو دوسرے کو یہ کہنا مسنون ہے کہ خدا کرے وہ تجھے نہ ملے۔ قبرستان میں یا کسی قبر کے پاس قبر والے کی تعظیم کی غرض سے مسجد بنانا حرام ہے۔ مسافروں کو مسجد میں رہنا اور سونا درست ہے - اذان سُن کر مسجد سے نکل جانا سخت گناہ ہے ایسے شخص کو آنحضرتؐ نے اپنا نافرمان فرمایا ہے۔ مسجد کا حق ہے کہ عورتیں، خاص کر جوان عورتیں، بالخصوص اس فتنہ و فساد کے زمانے میں، وہاں نماز نہ پڑھیں۔ بلکہ اپنے گھروں میں پڑھیں۔ کیونکہ آمد و رفت میں اُنکی بے ستری ہوتی ہے۔ شریر اور بدمعاش اور اوباش لوگ بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

---

[۱] اے اللہ میں تیرا فضل مانگتا ہوں۔

رِیاض الصّالحین

مؤلف:- امام ابوذکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمت اللہ علیہ

مترجم:- مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی استاذ مدرسہ عربیہ اسلامیہ، کراچی

"ریاض الصالحین" ایک مشہور و معروف اور اپنی نوعیت کی بے نظیر کتاب ہے، جو چھٹی صدی ہجری کے جلیل القدر امام محدث وفقیہہ حضرت امام نووی رح کی تالیف ہے۔ وجہ تالیف خود مؤلف موصوف کے الفاظ میں یہ ہے:

"میں نے بھی صحیح احادیث کے ایک ایسے مختصر مجموعہ ریاض الصالحین کے انتخاب کرنے کا قصد کیا ہے جو پڑھنے اور عمل کرنے والے کے لئے اخروی زندگی کا مکمل طریق کار ہو۔ جس میں امورِ خیر کی ترغیب بھی ہو۔ اور تباہ کن امور سے تخویف و تنبیہہ بھی ہو۔ اور اللہ کے راستے پر چلنے والوں کے طور طریقے بھی ہوں۔ دنیا کی بے ثباتی اور بے مائگی کو ظاہر کرنے والی حدیثیں بھی ہوں اور نفس انسانی کی اصلاح اور اخلاق کی درستی و شائستگی سے متعلق احادیث بھی ہوں۔ انسانی دلوں کو بیماریوں سے پاک و صاف کرنے والی حدیثیں بھی ہوں۔ اور جسمانی اعضاء آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کی کج راہی سے حفاظت اور ان کی بے راہ روی کا ازالہ کرنے والی حدیثیں بھی ہوں۔ اور حدیثیں بھی صرف وہ ہوں جو صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ واضح بھی ہوں۔ اور ان کا حوالہ کتب بھی مذکور ہو۔ اور ہر باب کے شروع میں اس باب کے مناسب قرآن کریم کی آیات اور آخر میں مشکل الفاظ کے معنی اور مراد بھی بتلادوں۔"

مولانا محمد ادریس صاحب نے اس کا ترجمہ عربی سے بڑی آسان اور دلنشین اردو میں کیا ہے۔ یہ اہم اور حد درجہ مفید کتاب اس قابل ہے کہ ہر پڑھا لکھا مسلمان اس کا مطالعہ کرے۔ اس طرح نہ صرف وہ صحیح احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے واقفیت حاصل کرسکے گا بلکہ ان کی روشنی میں اپنے اخلاق و اعمال کی اصلاح کرکے دین و دنیا کی کامیابی بھی حاصل کرسکے گا۔

تاج کمپنی نے اس قابل قدر کتاب کو عکسی بلاکوں کی طباعت کے ساتھ عمدہ سفید کاغذ پر شائع کیا ہے۔ بڑا سائز۔

ضخامت ۳۰۴ صفحات، جلد پشتہ پارچہ۔ حوالہ نمبر ۴۵۲

نوٹ:- یہ اصل عربی کتاب ریاض الصالحین کے ابتدائی آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اور یہ ترجمہ اور تشریح اہل علم میں اتنا معتبر و مقبول ہوا ہے کہ کراچی یونیورسٹی کے بی اے اور ایم اے کے طلباء کے لئے کورس میں شامل ہے۔